شملے کا سوامی

طارق اسماعیل ساگر



فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

فرار

اندھیری رات کا قہر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

موسلا دھار بارش میں بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے مسافروں کے دل دہل جاتے تھے۔ غنیمت تھا کہ ٹرین چل رہی تھی ورنہ ان حالات میں جب موسم کی عذابناکیوں کے خوف سے زندگی سہم کر ---- سمٹ کر رہ گئی تھی اس ایکسپریس ٹرین کا چلتے رہنا کسی معجزے سے کم دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

حوالدار اللہ وسایا کو رات کے اندھیرے میں موسلا دھار بارش کے درمیان کبھی کبھی ٹرین کے انجن کی زور دار وسل کی آواز بڑی عجیب سنائی دیتی۔ وہ سوچ رہا تھا جب بارش' طوفان' بادلوں اور بجلی کی گڑگڑاہٹ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تو اس انجن سے نکلتی وسل کی آواز کون سنے گا؟

اللہ وسایا نے ساری زندگی سندھ کے ریگ زاروں کی نذر کر دی تھی ----! ہندوستان کی تقسیم پر وہ راجستھان کی سرحد عبور کر کے سندھ میں داخل ہوا تھا۔ تب اس کی عمر بمشکل سترہ اٹھارہ برس رہی ہوگی۔ سارے رشتہ دار سندھ میں لگے اس مہاجر کیمپ سے ایک ایک کر کے پنجاب کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔

لیکن ----!

اللہ وسایا کے باپ کو جانے کیا پسند آ گیا کہ اس نے وہیں رہ جانے کا فیصلہ کر لیا ---- اس بات کا علم تو اسے بعد میں ہوا تو اس کے باپ کو ٹی۔بی کا موذی مرض لاحق تھا۔

اس نے سوچا ہوگا کہ مرنا تو ہے ہی ----

آج کیا اور کل کیا ----

سندھ میں کیا اور پنجاب میں کیا ----

جہاں آباؤاجداد کی جڑیں تھیں اس زمین نے تو ان سے ناطہ توڑ لیا تھا۔ اب انہیں نیا قبرستان آباد کرنا تھا۔

اللہ وسایا کے باپ نے بمشکل تین سال کاٹے، بے چارہ سسک سسک کر مرگیا۔ ابھی برادری کے کچھ لوگ یہاں موجود تھے۔ سو کندھا دینے والے مل ہو گئے ورنہ اس نفسانفسی کے عالم میں بڑے نصیبوں والے لوگوں کو ہی جنازہ نصیب ہوتا تھا ----

اللہ وسایا نے راجستھان میں آٹھ جماعتیں پاس کی تھیں، وہی اس کے کام آ گئیں اور ایک روز پولیس بھرتی کرنے والی ایک گشتی ٹیم نے اس کا انتخاب کر لیا۔

اسے حیدر آباد پولیس میں نوکری مل گئی اور اپنی ماں اور دو بہنوں کے ساتھ اللہ وسایا یہاں چلا آیا۔

اگلے چار پانچ سال میں اس نے دونوں بہنیں بیاہ دیں۔ دونوں پنجاب میں اپنی برداری میں بیٹھ گئیں اور اللہ وسایا نے مقامی عورت سے شادی کر لی۔ اس کی ماں زیادہ نہ جی سکی۔ جیسے ہی تینوں بچوں نے اپنے گھر بسائے بوڑھی نے عدم کی راہ اپنا لی ----!!

اللہ وسایا ترقی کر کے پولیس میں حوالدار ہو گیا تھا ----

لیکن ----

اس کی عزت کسی تھانیدار سے کم نہیں تھی ----

اس روز بھی جب وہ پنجاب سے ایک ملزم کو تفتیش کیلئے حیدر آباد لئے آ رہا تھا تو انسپکٹر محمد خاں نے اسے کہا تھا۔

"اللہ وسایا! ذرا دھیان سے ---- بڑا خطرناک مجرم ہے۔ عالے کا نام اس علاقے کے بچے بچے کی زبان پر ہے ---- پاکستان کا کون سا علاقہ ہے جہاں اس نے ڈکیتی نہیں کی۔ ہاتھ ذرا پکے رکھنا۔ پڑھا لکھا ڈکیت ہے۔ سالا! انٹیلی جنس میں کام کر چکا ہے۔ موت تو اس کے لئے بچوں کا کھلونا ہے ---- تمہارے ساتھ پانچ آدمیوں کی مسلح گارد ہونی چاہئے۔ بڑے چوکس اور تگڑے سپاہی لے کر جانا ----!"

"صاحب جی! بڑے دیکھے ہیں، میں نے ایسے ڈکیت، اگر چوروں کی طرح باندھ کر نہ لے آیا تو میرا نام بدل دینا۔ آج تک اللہ کے فضل سے ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔ اب بھی مولا کریم میری عزت رکھے گا۔" حوالدار اللہ وسایا نے تن کر جواب دیا تھا۔

"کل صبح کی گاڑی سے نکل جانا۔ پہلے لاہور میں پولیس ہیڈکوارٹر کے ذریعے سمن کی تعمیل کروا لینا اگلے روز کی ٹرین سے شیر عالم کو لے آنا۔" انسپکٹر نے اسے کاغذات کا ایک پلندہ تھماتے ہوئے کہا۔

اگلے روز شام کی گاڑی سے اللہ وسایا چار جوان اپنے ساتھ لے کر لاہور آ گیا تھا۔ سارا دن انہوں نے پولیس لائنز میں گزارا۔

دوسرے دن سرکاری چھٹی تھی۔ اللہ وسایا کے تین سپاہیوں نے پہلی مرتبہ لاہور دیکھا تھا۔ وہ تو سارا دن لاہور دیکھتے رہے۔ اللہ وسایا اپنی بہنوں کے گھر رہا۔ تیسرے دن عدالتی کارروائی پوری کرنے کے بعد انہوں نے لاہور کی جیل سے شیر عالم عرف عالے کو وصول کیا اور دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا کر پولیس لائن میں لے آئے۔

اللہ وسایا نے عالے کو رات یہاں بند رکھا کیونکہ ٹرین اگلے دن دوپہر کے بعد چلنی تھی

ابھی تک عالے نے بظاہر کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا جو انسپکٹر محمد خاں کے بیان کی تصدیق کرتا۔ وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چلا آیا تھا۔

شاید اسے پہلے ہی سے اپنے چالان کا علم تھا۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اتنے مشہور اور بڑے ڈکیت کو الوداع کہنے کے لئے بھی کوئی موجود نہیں تھا۔

رات کا کھانا شیر عالم نے پولیس لائنز میں کھایا۔ اس نے ابھی تک کسی بات پر احتجاج نہیں کیا تھا۔ حالانکہ پولیس والوں نے اسے زچ کرنے کے لئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی ----!! شیر عالم کا سندھ پولیس سے پہلی مرتبہ براہ راست واسطہ پڑا تھا ----

وہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنے میزبانوں کو اپنے متعلق شکایت کا کوئی موقعہ دے کر اپنے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ پاؤں بھی بندھا لے۔

اگر اس کے پاؤں میں بیڑی لگ جاتی تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا ----- !

صبح جب اللہ وسایا اور اس کے ساتھی عالے کو ہتھکڑی لگا کر ریلوے سٹیشن کی طرف لے جا رہے تھے تو شیر عالم ان سے اس طرح بڑھ چڑھ کر تعاون کر رہا تھا کہ سندھ پولیس کے جوانوں کے دلوں میں موجود تمام خدشات ہوا ہو گئے تھے۔

وہ اسے عام سا مجرم سمجھ رہے تھے۔ اس بات کا تو انہیں بھی علم تھا کہ کسی شریف آدمی کو ڈاکو بنا دینا ----- یا کسی ڈاکو کو شریف شہری بنائے رکھنا پولیس کے دائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

شاید اس بے چارے کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا ----- !!

"بے چارہ" ----- حوالدار اللہ وسایا کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

ان کے ٹکٹ پہلے سے ریزرو تھے۔

ریلوے پولیس کے تعاون سے حوالدار اللہ وسایا کو ایک ڈبے میں آمنے سامنے پانچ سیٹیں مل گئی تھیں۔

موسم کے تیور کچھ دنوں سے بدل رہے تھے۔

پنجاب میں تو خصوصاً بارشوں نے زور پکڑا تھا۔

دریا بپھر رہے تھے -----

لیکن -----

سندھ میں ابھی امن تھا -----

حوالدار اللہ وسایا کو امید تھی کہ بارشوں کا یہ زور جیسے جیسے وہ سندھ کی طرف بڑھیں گے ٹوٹنے لگے گا۔

لیکن -----

ایسے بھیانک تجربے سے شاید زندگی میں پہلی مرتبہ گزر رہا تھا کہ بارش تھمنے ہی میں نہیں آ رہی تھی۔

پنجاب کی ہریالی آہستہ آہستہ اب سندھ کے ریگ زاروں میں بدلنے لگی تھی۔ مناظر بدل رہے تھے۔

شام کب اتری ----- ؟

دن کب ڈھلا ----- ؟

اس کا احساس حوالدار اللہ وسایا کو نہ ہو سکا۔

انہوں نے ملتان کے ریلوے سٹیشن سے کچھ پھل خرید کر ہمراہ کر لیا تھا اور وہی کھاتے یہاں تک آ گئے تھے۔

عالے نے ابھی تک ان کے ساتھ کوئی بات نہیں کی تھی۔

کچھ کھانے کو نہیں مانگا تھا۔

کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی۔ جو ان کے لئے پریشانی کا باعث بنتی۔ نجانے کیوں حوالدار اللہ وسایا کو اس کی حالت پہ رحم سا آنے لگا تھا۔ وہ اس کے لئے اپنے دل میں ہمدردی کے جذبات محسوس کر رہا تھا۔

ٹرین کی رفتار آہستہ آہستہ کم ہونے لگی تھی اور یہ کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔ ابھی وہ لوگ رحیم یار خاں کے نزدیک ہی پہنچے تھے۔ جب اچانک ٹرین کے بریک لگنے لگے بالآخر ایک معمولی سے جھٹکے سے ٹرین رک گئی ----- !!

اللہ وسایا کا دل نجانے کیوں ایک مرتبہ زور سے دھڑک کر رہ گیا۔

بارش اتنی زوردار تھی کہ کھڑکی سے سر نکال کر باہر دیکھنے کی کسی کو ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ ان کے بائیں ہاتھ بیٹھے مسافروں نے جب کھڑکی کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تو اچانک ہی بارش کی بوچھاڑ نے ان کے منہ پھیر دیئے -----

بے چاروں کے کپڑے بھیگنے لگے تھے۔

وہ چند لمحے جب ٹرین کے اس ڈبے کے مسافروں کی نظریں باہر کا جائزہ لے سکتی تھیں۔ حوالدار اللہ وسایا کو بھی نصیب آئے تھے۔

لیکن -----

فضا میں گھپ اندھیرا تھا یا پھر موسلا دھار بارش کا شور ----- !

ڈبے کی کھڑکیوں سے سر پٹختی بارش کے قطروں میں لپٹی ہواؤں کے تھپیڑے تھے یا پھر ڈبے کی چھت پر آواز پیدا کرتی بارش کا شور ----- !!

جانے کہاں سے ایک چنے بیچنے والا اس ڈبے میں آ گیا تھا سارے مسافر امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ شاید وہی ٹرین رکنے کا کوئی سبب انہیں بتائے۔

"آگے سگنل ڈاؤن ہے ——— " چنے بیچنے والے نے اپنی دانست میں بڑی اہم اطلاع مسافروں تک پہنچائی تھی۔

"فکر کی بات نہیں ——— لائن کلیئر ہے۔" دوبارہ اس نے گیلے کاغذ میں چنے لپیٹتے ہوئے ایک مسافر کے ہاتھ سے پانچ روپے کا نوٹ پکڑتے ہوئے کہا۔

"او جی ! اس میں گھبرانے والی بات ہوئی کیا؟ یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ بارش کا تو بہانہ ہے ورنہ عام حالات میں بھی ٹرین جگہ جگہ رک کر جاتی ہے" ——— ایک بزرگ نے جو اکثر اس لائن پر سفر کرتے رہتے تھے۔ مسافروں کا مطلع کیا۔

"بھائی صاحب ! یہ جو ڈاکے وغیرہ پڑتے ہیں ناں ——— بس توبہ ہی بھلی ——— "

ایک ڈھلتی عمر کے مولوی صاحب نے مسافروں کی توجہ اچانک ہی اپنی طرف مبذول کر لی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" ——— اسی مسافر نے دریافت کیا جس نے اس سے پہلے مسافروں کو تسلی دی تھی۔

"میاں جی ! میرا مطلب' بس جانے ہی دیجئے۔ اتنے بچے آپ بھی نہیں ہیں۔ آپ کو بھی میں گذشتہ چار پانچ سال سے اس لائن پر آتے جاتے دیکھ رہا ہوں ——— یہ سب ملی بھگت سے ہوتا ہے۔ جہاں جی چاہا کوئی سا بہانہ کر کے ٹرین روک دی اور مسافروں کو قربانی کے بکرے بنا کر ڈاکوؤں کے سامنے پھینک دیا ———

"مولوی صاحب ! خدا کا خوف کریں۔ ایک تو پہلے ہی ہم مصیبت میں گرفتار ہیں۔ الٹا آپ نے افواہیں پھیلانا شروع کر دی ہیں۔"

ایک نوجوان نے جو شکل سے طالب علم دکھائی دے رہا تھا۔ مولوی صاحب کو مزید خوف و ہراس پھیلانے سے روکنا چاہا۔

"برخوردار ! ابھی تمہارے دودھ کے دانت مکمل نہیں ہوئے ——— ہم نے ساری زندگی انہی راستوں پہ سفر کرتے گزاری ہے" ——— مولوی صاحب خاصے جلال میں دکھائی دے رہے تھے۔

"چپ کر جاؤ مولوی صاحب خدا کا خوف کرو۔ یہاں عورتیں اور بچے بھی موجود ہیں۔ نوجوان نے کوئی غلط بات نہیں کی ——— ایسی افواہیں پھیلانا یوں بھی جرم ہے۔" ایک پہلوان نما شخص نے مولوی صاحب کو للکارا۔

"صاحب ! سچی بات کہنے کا زمانہ اب نہیں رہا۔ خدا ہمارے حال پر رحم فرمائے۔"

مولوی صاحب کو ایک ہی دھمکی نے ٹھنڈا کر دیا۔

ڈبے میں اب خاموشی چھانے لگی تھی۔

اللہ وسایا اور اس کے ساتھی خاموشی سے صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ جب اچانک انجن نے وسل دیا ———

یہ گاڑی چلنے کا اشارہ تھا ——— !!

شاید ڈرائیور کو سگنل مل گیا تھا۔

"حوالدار صاحب اجازت دیں تو میں ٹائلٹ میں جانا چاہتا ہوں۔" ———

ملزم شیر عالم کی طرف سے حوالدار اللہ وسایا کو پہلی باضابطہ درخواست ملی۔

"کوئی بات نہیں یار اس میں ہمیں کیا اعتراض ہوگا بھئی ———" جس سپاہی نے اس کی ہتھکڑی اپنی پیٹی میں اڑس رکھی تھی کچھ مزاحیہ طبیعت کا معلوم ہوتا تھا۔

"اگر برا نہ منائیں تو برائے مہربانی کچھ دیر کے لئے میرا ایک ہاتھ کھول دیں ——— میرا مطلب ہے۔ طہارت کے لئے ——— عالمے نے بڑے ملتجی انداز میں اللہ وسایا کی طرف دیکھا۔

"کھول دے بھئی اس کا ایک ہاتھ کھول دے ——— میاں ہمارے اختیار میں ہو تو تمہارے دونوں ہاتھ کھول دیں۔ ہم بھی تمہاری طرح بندھے ہوئے ہیں۔ تمہارے ہتھکڑیوں نے باندھ رکھے ہیں اور ہمارے قانون نے ——— حوالدار اللہ وسایا نے اس کی طرف ترحم آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اللہ آپ کو خوش رکھے حوالدار صاحب' آپ بڑے خدا ترس دکھائی دیتے ہیں ——— حالات ہی انسان کو مجرم یا محافظ بناتے ہیں ——— سارا قدرت کا کھیل ہے۔ بندہ تو اپنی مرضی سے ایک قدم نہیں چل سکتا۔" ——— عالم شیر کی اس بات نے حوالدار اللہ وسایا کو مزید موم کر دیا۔

اس نے ہتھکڑی کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا اور دونوں ٹائلٹ کی طرف چل دیئے۔

اس درمیان انجن نے دوسری وسل دے کر رینگنا شروع کر دیا۔

اللہ وسایا ہتھکڑی کا سرا تھامے راستے میں بکھرے سامان اور زمین پر کیڑے مکوڑوں کی طرح لیٹے مسافروں کے درمیان خالی جگہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا چل رہا تھا۔ مبادا کسی کو ٹھوکر نہ لگے۔

تھرڈ کلاس کے اس ڈبے میں مسافر سامان کی طرح لدے تھے۔ بعض لوگ تو اس پوزیشن میں بیٹھے تھے کہ ان کے لئے پہلو بدلنے کے امکانات بھی باقی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

حوالدار اللہ وسایا کے بنائے راستے پر قدم جما جما کر رکھتا شیر عالم عرف عالما ڈکیت اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

گاڑی آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی ---- جو مسافر اپنی جگہوں سے اٹھ گئے تھے وہ دوبارہ اپنی اپنی جگہ فٹ ہو کر اونگھنے کی کوشش کرنے لگے۔

جب تک حوالدار اللہ وسایا گاڑی کے ٹائلٹ تک پہنچا۔ گاڑی سے بلند ہوتی آواز بدلنے لگی تھی۔ بالکل اس انداز میں جیسے گاڑی نے اب آہستہ آہستہ رفتار پکڑ لی ہو۔

عالمے کے ایک ہاتھ میں لگی ہتھکڑی کا سرا اس نے لاپرواہی سے پکڑ رکھا تھا اور اب وہ یہ دیکھنے کے لئے کہ اندر کوئی موجود تو نہیں قدرے جھک کر بیت الخلاء کا دروازہ کھولنے لگا۔

اندر کوئی نہیں تھا ---- !

دروازہ کھول کر اس نے چاہا کہ ایک طرف ہٹ جائے اور عالمے کو راستہ دے دے کہ اچانک اس کے قدم زمین سے اکھڑ گئے۔

عالمے نے اس کی کمر اتنی طاقت سے ہاتھ مارا تھا کہ حوالدار اللہ وسایا سیدھا بیت الخلاء کے اندر جا گرا۔

ہتھکڑی کا ایک سرا جو اس نے تھام رکھا تھا اس کے ہاتھ سے گرنے سے پہلے ہی نکل چکا تھا۔ کیونکہ عالمے نے ایک ہاتھ سے اسے دھکیلا تھا اور دوسرے ہاتھ سے ہتھکڑی کو زور دار جھٹکا مارا تھا۔

اللہ وسایا کے تو وہم و گمان میں یہ بات نہیں تھی کہ ایسا سیدھا سادا اور قسمت کا مارا مجرم فرار ہونے کی کوشش بھی کرے گا۔ اسی لئے شاید وہ اس حملے کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں تھا۔

اس کا سر بیت الخلاء کی دیوار سے ٹکرایا اور ایک پاؤں کموڈ میں پھنس گیا ---- !

عالمے نے بجلی کی سی پھرتی سے دروازے کو باہر سے کنڈی لگا دی تھی ---- !

یہ حادثہ چند سیکنڈ میں بیت گیا۔

شاید کسی کی نظر بھی اس طرف نہیں گئی تھی کیونکہ بیت الخلاء ڈبے کے دروازے سے ملحق تھا اور اس طرف سوائے ایک دو بھاری ٹرنکوں کے اور کچھ نہیں پڑا تھا ---- مسافروں کو تو اس حادثے کا علم اس وقت ہوا جب عالمے نے اچانک دروازہ کھول کر ہتھکڑی سمیت باہر چھلانگ لگا دی تھی۔

گاڑی نے ابھی سپیڈ پکڑنی شروع کی تھی۔

ہکے بکے مسافروں نے بمشکل اپنے کپڑے بھگونے کے بعد دروازہ بند کیا اور حوالدار اللہ وسایا کے ساتھیوں کو چیخ چلا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

سپاہیوں نے بمشکل راستہ بنا کر بیت الخلاء کا دروازہ کھولا۔ اندر کا منظر ان کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ حوالدار اللہ وسایا کا ایک پاؤں کموڈ میں پھنسا تھا اور اس کے سر سے خون جاری تھا۔

بعد از خرابی بسیار انہوں نے اللہ وسایا کو باہر نکالا۔

گاڑی نے اس درمیان رفتار پکڑ لی اور ہوا سے باتیں کرنی شروع کر دی تھیں۔

حوالدار اللہ وسایا کے لئے تو یہ حادثہ جانکاہ تھا۔

لیکن ----

اس کے حواس ٹھکانے تھے ---- اس بات کا اسے شدت سے احساس تھا کہ یہ سب کچھ اس کی نرم پالیسی کا نتیجہ ہے جبکہ انسپکٹر محمد خاں نے دم رخصت اس سے کہہ دیا تھا کہ ملزم خطرناک ہے ---- !!

"زنجیر کھینچ کر گاڑی روکو ---- کمبختو میری طرف کیا دیکھ رہے ہو؟" اس نے اپنے ماتحتوں کو صورت حال کی نزاکت کا احساس دلانا چاہا جن کے ہاتھ پاؤں اس اچانک پیش آنے والے واقعے نے پھلا دیئے تھے۔

یہاں نزدیک کوئی خطرے کی زنجیر نصب نہیں تھی۔ بیت الخلاء کے نزدیک کھڑے

مسافروں کے دہائی دینے پر بمشکل ایک مسافر نے ہمت کر کے اپنے سر پر موجود زنجیر کھینچ دی۔

ٹرین نے مکمل رفتار پکڑ لی تھی۔ رکتے رکتے اس نے پانچ چھ میل کا مزید فاصلہ طے کر لیا ہو گا۔

حوالدار اللہ وسایا نے اندازہ کر لیا تھا کہ عالے نے یہاں سے کم از کم دس میل پیچھے چھلانگ لگائی تھی۔

ٹرین رک گئی ----!

لیکن ----!

کسی کو دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ بارش نے تو جیسے نہ تھمنے کی قسم کھا لی تھی۔ حوالدار اللہ وسایا کے ساتھیوں کو سب سے زیادہ فکر اس کے سر سے بہتے خون کی تھی اور وہ جلد از جلد اس کے لئے ابتدائی طبی امداد چاہتے تھے۔ اس کے برعکس حوالدار اللہ وسایا کو صرف ایک ہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ اس کی طویل ملازمت کے دوران زندگی میں پہلی مرتبہ کسی مجرم کے ہاتھوں کو اسے اس بری طرح زک پہنچی تھی ----!

جسم سے اٹھتی درد کی لہروں اور دل و دماغ سے اٹھتے غصے اور بے بسی کے احساسات کے ساتھ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

لیکن ----!

دوسرے ہی لمحے مسافروں نے گالیاں بکتے ہوئے دروازہ بند کر دیا ----!

اس درمیان حوالدار اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ یہاں کھڑے تقریباً سب ہی مسافروں کے کپڑے بارش سے بھیگ گئے تھے۔

زوردار پانی سے بھی ہواؤں نے ڈبے کے اس حصے کو خاصا گیلا کر دیا تھا ----

"ذرا صبر کر لیں حوالدار صاحب اس سے آدھی پھرتی اگر آپ نے پہلے دکھا دی ہوتی تو شاید یہ حادثہ ہی پیش نہ آتا" ---- ایک دل جلے مسافر نے جس کے کپڑوں سے پانی نچڑ رہا تھا دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"ان لوگوں کو ہوش ہمیشہ بعد میں آتی ہے ---- عموماً واردات کے بعد ہی ہماری بہادر پولیس موقع واردات پر پہنچتی ہے" ---- ایک اور مسافر نے پھبتی کسی۔

"خاموش! خبردار اگر کسی نے بکواس کی" ---- حوالدار اللہ وسایا کے ایک ساتھی کو غصہ آ گیا۔

"ابے زبان سنبھال کر بات کر۔ ہم کوئی چور اچکے نہیں۔ شریف شہری ہیں۔" پان کی گلوری منہ میں دبائے ایک بزرگ نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی مسافروں اور پولیس والوں کے درمیان ٹھن گئی۔

جب تک ٹرین کا گارڈ اور ٹرین میں موجود ریلوے پولیس کے چار جوان اس ڈبے میں پہنچتے جہاں سے خطرے کی زنجیر کھینچی گئی تھی۔ سارا ڈبہ گالی گلوچ کی آوازوں سے گونجنے لگا تھا۔

پولیس والے اگر کسی مسافر کو ایک گالی دیتے تو جواب میں وہ دس گالیاں دیتا۔ جب تک ریلوے گارڈ اور پولیس کے جوانوں نے اس زبانی جنگ کو روکا صورت حال خاصی گھمبیر ہو چکی تھی۔

ڈبے کے باہر بارش کا طوفان تھا اور ڈبے کے اندر عوامی جوش کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ----!

ریلوے پولیس والوں کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنے پیٹی بھائیوں کی مدد کس طرح کریں؟ یہ بات تو ان کی سمجھ میں آ چکی تھی کہ کوئی خطرناک ملزم پولیس کو ہاتھ دکھا گیا ہے۔

لیکن ----

پولیس اور مسافروں کے درمیان گالی گلوچ کیوں ہو رہا ہے؟ ابھی تک انہیں اس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

دس منٹ کی مسلسل منت سماجت اور دھمکیوں کے بعد پولیس والوں نے معاملہ ٹھنڈا کیا۔ اب ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی تھی۔ حوالدار اللہ وسایا اسی وقت گاڑی روک کر نزدیکی مقام سے مقامی پولیس کو مجرم عالے کے فرار کی خبر دینا چاہتا تھا جبکہ گاڑی کے مسافر مزید ایک لمحے کے لئے گاڑی کا یہاں ٹھہرنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ گاڑی میں کوئی وائرلیس نہیں تھا کہ مقامی پولیس یا ذمہ داروں تک اس حادثہ کی اطلاع پہنچ سکتی۔

بالآخر بات اس طرح ختم ہوئی کہ ریلوے پولیس نے ضابطے کی کارروائی پوری کرنے

کے لئے رپٹ درج کی اور اللہ وسایا کو طبی امداد بہم پہنچا کر اس طفل تسلی کے بعد گاڑی چلائی کہ یہاں سے نزدیک ہی قریباً پانچ چھ میل دور ایک سٹیشن پر گاڑی کا سٹاپ ہے جہاں سے انہیں وائرلیس یا ٹیلی فون کی سہولت میسر آ جائے گی۔

اس کارروائی میں آدھا گھنٹہ مزید ضائع ہو گیا ----

پہلے تو جوش غضب میں حوالدار اللہ وسایا کو اس بات کا احساس نہ ہو سکا کہ اس کو چوٹ بھی لگی ہے۔ اب ذرا صورت حال نارمل ہوئی تو اس کے سر سے درد کی ٹیسیں پھوٹ اور کمر کی طرف سفر کرنے لگیں۔

اگلا سٹیشن آنے تک اس کا جسم دکھتا ہوا پھوڑا بن گیا تھا---- !

ستم ظریفی حالات بری طرح اس کے آڑے آ رہی تھی ----

رات دوپہر گزر چکی تھی ---- !

بارش اب قدرے تھم گئی تھی لیکن ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھوں سے ایک خطرناک مجرم کو نکلے قریباً پون گھنٹہ ہونے کو آ رہا تھا اور ابھی تک وہ لوگ مجرم کے فرار کی اطلاع بھی مقامی پولیس کو نہیں دے سکے تھے۔

موسم کی سختی بری طرح آڑے آ رہی تھی۔ حوالدار اللہ وسایا اور اس کے ساتھ قطعاً اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ عالم شیر کا تعاقب کر سکتے ---- !!

حوالدار اللہ وسایا کو زندگی میں جتنا غصہ آج اپنے محکمے کی بے سروسامانی اور اپنی بے بسی پر آیا تھا اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا ---- !!

یہ معمولی سا سٹیشن تھا ---- جہاں دور دور تک کوئی مدد میسر آنے کے امکانات دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

ٹرین کے مسافر الگ عذاب بنے ہوئے تھے۔ انہیں قانونی ضابطوں سے کیا لینا دینا۔ انہیں اس بات سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا کہ ایک خطرناک مجرم فرار ہو گیا ہے۔ انہیں تو جلد از جلد اپنی منزل پر پہنچنے کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

بادل نخواستہ حوالدار اللہ وسایا نے وہیں رکنے اور مدد میسر آنے تک خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ٹرین اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

بارش تھم گئی ---- !!

اللہ وسایا نے شدید تکلیف کی حالت میں علی الصبح ایک تانگے کے ذریعے مقامی پولیس سٹیشن کا رخ کیا۔ یہاں سے انہوں نے پندرہ بیس منٹ کے بعد ٹیلی فون کی لائن پر اعلیٰ حکام کو اس حادثے کی خبر دی۔

حوالدار اللہ وسایا اب نڈھال ہو کر مقامی تھانے ہی کے بینچ پر لیٹ گیا۔ اسے تیز بخار نے آ لیا تھا اور اب مقامی پولیس کے جوان اس کو ہسپتال پہنچانے کے لئے تھانے کی واحد جیپ کو سٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جس کی بیٹری جانے کب سے ڈاؤن تھی اور اب وہ دھکے سے کام چلا رہے تھے۔

عالم شیر نے جب گاڑی سے چھلانگ لگائی تھی تو اس کی رفتار بہت آہستہ تھی۔ اس کی مزید خوش قسمتی کہ وہ گرا بھی گیلی اور قدرے ریتلی زمین پر تھا ---- !!

یہ صورت حال اس کے لئے گھبرا دینے والی نہیں تھی۔ اس کی زندگی ایسے انوکھے اور جان لیوا واقعات سے لبریز تھی۔

اس نے اپنی مختصر مجرمانہ زندگی میں پولیس کو نچا کر رکھ دیا تھا۔

اس کے لئے کوئی صورت حال کبھی غیر یقینی نہیں رہی تھی۔ موت کے منہ میں وہ اتنی مرتبہ گیا اور موت کی سرحد کو چھو کر اتنی مرتبہ واپس لوٹا تھا کہ اب اس کے لئے زندگی اور موت کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا تھا۔

نہ اسے جینے کا شوق رہا تھا ---- نہ موت کا ڈر ---- !!

وہ گذشتہ تین ماہ سے جیل میں بند تھا ---- !!

اس درمیان میں اس نے اپنی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد بنا لیا تھا۔ اس کا ایک ہی ٹارگٹ تھا۔

نورے کا قتل ---- !!

پھیکووال کے نمبردار چوہدری نور دین نے اس کے ساتھ غداری کی تھی۔ اس کی آستین کا سانپ بن کر اسے ڈسا تھا۔

اس کا برابر کا حصہ دار ہونے کے باوجود اس کو مخبری کر کے پکڑوا دیا تھا اور سارے مال

پر قبضہ جما کر اب گلچھرے اڑا رہا تھا۔

اسے رہ رہ کر بشیرے کی یاد آ رہی تھی۔ بشیرے نے اس روز جب دونوں آخری مرتبہ اکٹھے ہوئے تھے۔ عالم شیر سے کہا تھا۔

عالمے! ذرا بچ کے چلنا ---- مجھے عالمے نورے کی آنکھ میں سور کا بال نظر آ رہا ہے۔

عالمے میری ساری زندگی باڈر کے آرپار آتے جاتے گزری ہے ---- میں میلوں دور سے قدموں کی چاپ سن لیتا ہوں ---- میں نے تلوار کی دھار پر سفر کیا ہے۔ مجھے یہ بندہ مشکوک لگتا ہے ----

لیکن ----!

اس نے اپنے دیرینہ ساتھی بشیرے کی بات کو ہنس کر ٹال دیا تھا۔

"بس یار جانے دے ---- تجھے تو اب جھاڑی بھی سانپ دکھائی دینے لگی ہے"
---- اس نے بشیرے کو مطمئن کرنا چاہا۔

"نہیں عالمے ---- میرا دل نہیں مانتا" ---- بشیرا سنجیدہ رہا۔

"بشیرے تیرا دماغ چل گیا ہے کیا؟" عالمے نے قدرے غصے سے کہا۔

"عالمے! میں بحث نہیں کرتا۔ تیرے ساتھ پرانا یارانہ ہے۔ بشیرے نے زندگی میں آج تک اپنے دل و دماغ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا لیکن تیری یاری کی خاطر آج اپنی مرضی کے خلاف تیرے ساتھ چل رہا ہوں ----"

بشیرے نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

بشیرے نے جو کہا تھا حرف بحرف سچ ثابت ہوا۔

عالمے کو اچھی طرح یاد تھا ----!

اس روز جب وہ اپنے محفوظ ٹھکانے سے حسب معمول سرحد کی طرف جا رہے تھے۔
ایک سونے کی جیکٹ عالمے نے اور دوسری بشیرے نے پہن رکھی تھی۔

معمول کے مطابق عالما مطمئن تھا کہ نورے نے "ناکہ" دیا ہوا ہے اور رینجرز اسے کچھ نہیں کہیں گے۔ جہاں تک مقامی پولیس کا تعلق تھا وہ تو اس کے پانڈیوں کی طرح اس کے ساتھ چلا کرتی تھی۔

دونوں شام کے ملگجے اندھیرے میں گھر سے نکلے تھے اور معمول کے راستے پر سفر کر رہے تھے۔ عموماً وہ اس راستے پر سرحد تک جایا کرتے تھے۔ محفوظ رستہ "ناکہ دینے" کے بعد متعلقہ حکام بتایا کرتے تھے۔

سمگلنگ کے لئے عالمے نے بڑا آسان اور محفوظ راستہ اپنایا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے دس سال انٹیلی جنس کی خدمت کی تھی۔ اس درمیان درجنوں مرتبہ وہ سرحد کے آرپار آیا گیا تھا۔ اسے سرحد کا کیڑا سمجھا جاتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ سمگلنگ کا سب سے محفوظ طریقہ کون سا ہے۔ دونوں طرف سے سمگلنگ کرنے والی پارٹیاں اپنی اپنی سرحد پر موجود سرحدی پہرے داروں کو خرید لیا کرتی تھیں اور سرحد پر ہی کسی محفوظ مقام پر اپنے مال کا آپس میں تبادلہ کر لیا کرتے تھے ----!!

نورے کے ساتھ اس کا تعارف بھارت میں ہوا تھا۔ جس کے بعد سے انہوں نے آپس میں مل کر کام کرنا شروع کیا تھا۔ کیونکہ اس علاقے میں نورے کا اچھا اثر و رسوخ تھا اور مقامی بدمعاش اس کا دم بھرتے تھے۔ سرکار دربار میں اس کا آنا جانا لگا رہتا تھا ----!!

مقامی سیاست میں چوہدری نور دین کا کردار کوئی نظرانداز نہیں کر سکتا تھا ----!!

اس لئے مقامی سیاست اور پولیس پر اس کا خاصا ہولڈ تھا۔ یوں بھی عالمے کو اب کسی موٹی پارٹی کی تلاش تھی۔ وہ بھی روز روز کے چکروں سے تنگ آ گیا تھا اور اب کوئی لمبا ہاتھ مارنے کی فکر کر رہا تھا۔

نورے نے اس مرتبہ ان کے ساتھ سونے کی سمگلنگ میں حصہ ڈالا تھا۔ ایک ہی چکر میں ان کے وارے نیارے ہو جاتے۔

ابھی عالما اور بشیر سرحد سے دور ہی تھے۔ جب اچانک "ہینڈز اپ' ہینڈز اپ" کی آوازوں نے انہیں چونکا دیا۔

"دھوکہ" ---- عالم شیر کے ذہن نے چیخ کر کہا۔

دونوں نے بے بسی سے ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں ان کی طرف لپک رہی تھیں۔

رائفلیں تانے رینجرز کے جوان ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"میں نے کہا تھا ناں۔ عالمے کہ نورے کی آنکھ میں سور کا بال ہے ----"

اس کی بات ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ اچانک تین چار رائفلوں کے دھانوں نے شعلے اگلے اور بشیرے کو اگلا سانس لینے کی مہلت نصیب نہ ہوئی۔

عالما سہم کر رہ گیا ----!

اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ چند لمحے کے لئے موت کا خوف محسوس کیا تھا۔ جس میں بے بسی کا عنصر نمایاں تھا۔

یہ بات تو وہ جان گیا تھا کہ نورے نے انہیں ڈسا ہے۔

لیکن ----

اگر ان لوگوں نے اس کے ساتھ بھی بشیرے والا سلوک کیا تو وہ نورے سے انتقام کی حسرت ہی دل میں لے کر مر جائے گا۔

ملاقات اور منصوبہ

بشیرا اس کا جانثار ساتھی تھا ----

دونوں نے زندگی کے بڑے اور اچھے دن اکٹھے گزارے تھے۔ بھارت کی جیل میں جب اس کی ملاقات بشیرے سے ہوئی تو اس کی طرح بشیرے پر بھی جاسوس کا مقدمہ بنا ہوا تھا ----! جس طرح وہ پاکستان انٹیلی جنس کے لئے کام کرتا تھا۔ اسی طرح بشیرا بھی کرتا تھا۔ حسن اتفاق تھا کہ دونوں قریباً ایک ہی علاقے سے سرحد عبور کیا کرتے تھے۔

لیکن ----

الگ الگ ایجنسیوں سے منسلک ہونے کی وجہ سے آج تک دونوں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا بھی نہیں ہوا تھا۔

بشیرا عمر میں اس سے دس بارہ سال بڑا تھا جبکہ عالم شیر اس سے زیادہ پڑھا لکھا تھا۔ بشیرے نے بمشکل میٹرک پاس کیا تھا جبکہ عالم شیر نے گریجوایشن کر رکھی تھی ----!!

دونوں ایک ہی جیل میں اکٹھے ہوئے تھے اور دوسرے پاکستانی قیدیوں کے برعکس ایک دوسرے کے لئے نیک جذبات رکھتے تھے۔

دو مہینے تک دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اپنے تجربات شیئر کرتے رہے ----

عالم شیر نے بشیرے کے لئے اپنے دل میں پہلی مرتبہ محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت کے جذبات بھی محسوس کئے تھے۔

بشیرے نے پاکستان انٹیلی جنس کے لئے بہت کام کیا تھا اور ملکی سلامتی کے لئے بڑے

بڑے خطرات سے کھیلا تھا۔

دونوں نے ایک روز یہاں سے فرار ہونے کے امکانات پر بھی غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس جیل میں پاکستانی قیدیوں پر خصوصاً وہ قیدی جن کے خلاف جاسوسی کے مقدمات درج تھے بطور خاص نظر رکھی جاتی تھی۔

کافی عرصہ تک دونوں نے مختلف فرار کی ترکیبوں کا جائزہ لیا لیکن یہاں نہ تو وہ سرنگ کھود سکتے تھے اور نہ ہی کسی کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے تھے۔

دونوں کے جیل سے باہر مقامی دوست موجود تھے لیکن دونوں اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وہ ایک حد تک ہی ان کی مدد کر سکتے تھے۔ یہ لوگ ان کے لئے تھوڑے بہت پیسوں کا بندوبست کر سکتے تھے یا پھر انہیں کھانے پینے کی چیزیں پہنچا سکتے تھے۔

جیل میں ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر رکھا جاتا تھا اور جب وہ تاریخ بھگتنے کے لئے عدالت میں جاتے تو ان کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی لگائی جاتی تھیں ----- !!

ان ہتھکڑیوں کو کھولنے کی ترکیب دونوں کو معلوم تھی ----- !!

لیکن ----- !

دونوں جانتے تھے کہ ہتھکڑیوں سے زیادہ عذابناک یہ پاؤں کی بیڑیاں تھیں جنہیں کاٹنا کارے درد تھا۔

جب تک پاؤں کی بیڑیاں کٹتیں پولیس ان تک پہنچ جاتی ----- !

صرف ایک موقعہ ایسا تھا جب ان کے پاؤں بیڑیوں سے بے نیاز کر دیئے جاتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا۔ جب وہ کسی مقدمے میں سزا یافتہ ہونے کے بعد حوالاتی سے سزا یافتہ مجرم کی شکل میں کسی دوسری جیل کو منتقل کئے جاتے تھے اور یہ جیل عموماً کوئی سنٹرل جیل ہوتی تھی جہاں ان کا چالان پولیس گارد لے کر جاتی تھی۔ طویل سفر کی وجہ سے ایک جیل سے دوسری جیل تک پہنچنے تک ان کے پاؤں سے بیڑیاں اتار لی جاتی تھیں۔

صرف ان قیدیوں کو بیڑیاں پہنائی جاتی تھیں۔ جنہیں جیل کے قوانین کے مطابق خطرناک قیدی سمجھا جاتا تھا اور جیل حکام کو ان کے فرار کا خطرہ درپیش رہتا تھا۔

اس زمرے میں عموماً وہ قیدی آتے تھے جو ایک آدھ مرتبہ اس سے پہلے فرار ہونے کی

کوشش کر چکے ہوں۔

دونوں کا چال چلن جیل میں خاصا شریفانہ تھا۔

دونوں نے اپنے طرز عمل سے جیل حکام کو یقین دلا دیا تھا کہ ان پر جاسوسی کے جھوٹے مقدمات درج کئے گئے ہیں۔ وہ صرف سمگلنگ کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے۔ چار جماعتیں پڑھنے کی وجہ سے ان پر یہ الزام لگ گیا ہے ----- !!

دونوں نے بالآخر سزا یافتہ ہوکر اس جیل سے دوسری جیل میں تبادلے کے دوران قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا تھا۔

اس روز جب بشیرا اپنی تاریخ بھگتنے کے لئے کچہری میں گیا تو اچانک ہی اسے گورمیل سنگھ نظر آگیا۔

گورمیل سنگھ اس کی جیل کے ایک دوسرے سکھ ملزم کے مقدمے کی پیروی کر رہا تھا جو گورمیل کا نزدیکی رشتہ دار تھا۔

گورمیل سنگھ بشیرے کا پرانا ساتھی تھا۔

بشیرے نے اسے پاکستانی انٹیلی جنس کے لئے کام پر رضامند کیا تھا۔ سابقہ فوجی حوالدار ہونے کے ناطے گورمیل سنگھ پاکستانی انٹیلی جنس کے لئے کام کا آدمی تھا ----- اس نے بشیرے کے ساتھ مل کر سمگلنگ کی آڑ میں جاسوسی کا دھندہ شروع کر رکھا تھا ----- !!

ایک آدھ سرکاری کاغذ یا فوجی نقل و حرکت کی اطلاع کے عوض اسے پاکستانی علاقے میں محفوظ سفر کی اجازت مل جایا کرتی تھی۔ یہ کام اس کے بہت سے بھائی بند کر رہے تھے۔ اس لئے گورمیل نے بھی اسی میں کوئی جھجک محسوس نہ کی۔

پاکستانی انٹیلی جنس کے لئے اطلاعات جمع کرنے میں اسے کمال حاصل تھا۔ یہ اطلاعات عموماً بشیرے کے ذریعے ہی پاکستان منتقل ہوا کرتی تھیں۔ بشیرے نے اس کے عوض اسے دوسری بہت سی سہولیات دلا دی تھیں۔

آج جب اچانک اس کی نظر گورمیل سنگھ پر پڑی تو بشیرے کے لئے بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا ----- !

پولیس گارڈ کے لوگ ملزموں سے بے خبر ایک کونے میں بیٹھے اس "من وسلویٰ" پر

ٹوٹے ہوئے تھے جو ملزموں کے لواحقین ان کے لئے لایا کرتے تھے ----!!

گورمیل نے اس کے ساتھ نظریں ملتے ہی آنکھ دبا دی۔

بشیرا اس کی بات سمجھ گیا تھا۔

لیکن ----

وہ شکار اور موقعہ ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

گورمیل بظاہر اپنے رشتہ دار سے باتیں کرتا اس کے نزدیک آ گیا تھا۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ پاکستانی ملزمان جہاں بھی تاریخ بھگتنے کے لئے جاتے ان کے ساتھ پیشی بھگتنے کے لئے جانے والے مقامی ملزمان کے لواحقین جو عدالت کے احاطے میں اپنے پیاروں کے منتظر ہوتے اپنے عزیزوں سے بڑھ کر پاکستانیوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔

یہ بات ان کے دھرم کا حصہ بننے لگی تھی کہ پاکستانی چونکہ پردیسی ہیں اور دشمن کی قید میں ہیں۔ اس لئے ان کی خدمت کرنے سے جو دعا ان مظلوموں کے دل سے نکلے گی۔ وہ ضرور رنگ لائے گی اور ان کے عزیز رشتہ دار ملزموں کے حق میں بہتر ثابت ہوگی۔

گورمیل کے وہاں پہنچنے سے پہلے اس کے ایک ساتھی ملزم کی ماں بشیرے کے لئے چائے اور پکوڑے لے آئی تھی اور اس کے نزدیک بیٹھ کر اس کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ پھر گورمیل سنگھ کو نزدیک آتے دیکھا کہ وہ اپنے ملزم بیٹے کے پاس جا بیٹھی۔

"گورمیل یہاں ! میرے پاس زیادہ وقت نہیں' مجھے اس بات کا علم ہے کہ تجھے میری گرفتاری کی اطلاع مل چکی ہے ---- اگر میں چاہتا تو آسانی سے تیرا نام دے کر ساری زندگی کے لئے تجھے بھی اپنے ساتھ جیل میں لے آتا۔ لیکن میں نے اپنے یاروں سے غداری کرنا نہیں سیکھا ---- سیدھی سی بات ہے۔ گورمیل یہاں تجھے میرے لئے کچھ چیزوں کا بندوبست کرنا ہوگا۔ میں زیادہ دیر جیل میں نہیں گزارنا چاہتا ---- اگلی تاریخ پیشی پر میں غیر قانونی سرحد عبور کرنے کا الزام تسلیم کر لوں گا اور مجھے سزا ہو جائے گی۔ جس کے بعد میرا چالان یہاں سے دوسری سنٹرل جیل میں بھیجا جائے گا ---- میرا ایک ساتھی بھی میرے ساتھ ہے ---- ہم دونوں کیلئے فرار کا صرف یہی ایک موقعہ ہو گا ---- گارد جو ہمیں پولیس لائنز سے لے کر جائے گی ہمارے لئے اجنبی ہے ---- اس کے بعد کا معاملہ تمہیں سنبھالنا ہے ---- میں تمہیں صرف ایک بات کا یقین دلا سکتا ہوں کہ خدانخواستہ کسی

بھی مرحلے پر گرفتاری کی صورت میں میری زبان پر تمہارا نام ہرگز نہیں آئے گا ---- ! اور ہاں ---- ایک بات کا بطور خاص دھیان رکھنا کہ میں نے تمہیں کنگال سے لکھ پتی بنایا ہے۔ اس لئے نہیں کہ تم گلچھرے اڑاؤ اور میں اپنی ہڈیاں جیل میں چٹخاتا رہوں ---- گورمیل سیہاں تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو ناں ---- " اس نے سرگوشی میں لگی لپٹی رکھے بغیر گورمیل سنگھ کو سب کچھ بتا دیا۔

"بشیرے ہم یاروں کے یار ہیں ---- قسم گورو کی۔ میرے علم میں تمہاری گرفتاری ہی چند روز پہلے آئی ہے ---- میں دہلی گیا ہوا تھا۔ وہ تو جیتے نے مجھے بتایا وہ پار گیا تھا جہاں سے اسے چوہدریوں نے تمہاری گرفتاری کے متعلق بتایا ---- تم تگڑے رہو ---- " میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جس طرح کی مدد چاہو گے ہوگی ---- "گورمیل سنگھ نے اسے تسلی دی۔

بشیرا جانتا تھا کہ گورمیل سنگھ اتنا سیدھا سادا بھی نہیں کہ اس طرح اس کی مدد کو تیار ہو جاتا اس کی گفتگو کے آخری فقرے نے کام دکھایا تھا۔

اس نے گورمیل سنگھ کو بتا دیا تھا کہ اگر اس نے بشیرے کی مدد نہ کی تھی پھر وہ بھی بشیرے کے ساتھ ہی جاسوسی کے الزام میں قید کاٹے گا ----

بشیرا جانتا تھا کہ وہ مر بھی جائے تو بھی کسی ایسے شخص کا نام اس کی زبان پر نہیں آئے گا جو پاکستانی انٹیلی جنس کیلئے کام کر رہا ہو ----

لیکن ----

مرتا کیا نہ کرتا کہ مصداق اس کیلئے گورمیل سنگھ کو ایسا تاثر دینا ضروری تھا۔ بصورت دیگر وہ شاید اتنی سنجیدگی سے اس کی ہاں میں ہاں نہ ملاتا ---- !!

دوسری طرف گورمیل سنگھ آج اپنے رشتہ دار کی ملاقات کو آنے کے اپنے فیصلے پر لعنت ملامت کر رہا تھا۔

اگر اسے علم ہوتا کہ وہاں بشیرا موجود ہے۔ تو شاید وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ اس نے تو بشیرے کی گرفتاری کے بعد نہ صرف اپنا ٹھکانہ بدل لیا تھا بلکہ اپنا دھندہ بھی بدل لیا تھا اور اب بظاہر شہر کے ایک ماڈرن علاقے میں اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ایک رئیس آدمی کی زندگی گزار رہا تھا ---- !! اب اس کیلئے فرار کی کوئی راہ نہیں بچی تھی ---- !

جس نوجوان کی ملاقات کیلئے وہ آیا تھا وہ گورمیل سنگھ کا سالا تھا۔ جس کے ذریعے بھارتی انٹیلی جنس بہر صورت اس تک پہنچ جاتی۔ اب وہ کتنے ہی ٹھکانے بدل لیتا لیکن ایک مرتبہ اگر بشیرا اس کے متعلق انٹیلی جنس کو باخبر کر دیتا تو وہ لوگ گورمیل کے سالے کی مدد سے اسے زمین کی ساتویں تہہ سے بھی باہر نکال لاتے ----!

گورمیل سنگھ نے واقعی بشیرے کی مدد سے لاکھوں روپے کمائے تھے ----

اب یہ لاکھوں روپے کروڑوں میں منتقل ہوتے جا رہے تھے ----!

اس کیلئے اس مصیبت سے چھٹکارے کی صرف ایک ہی راہ تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہے۔ بشیرے کو فرار کروایا جائے۔

"پرسوں جیل سے پولیس جن ملزموں کو تاریخ پیشی بھگتانے کیلئے لا رہی ہے۔ ان میں میرا ساتھی عالما بھی شامل ہے ---- اسی جگہ اس سے ملاقات کر لینا۔ وہ تمہیں سارا منصوبہ سمجھا دے گا۔ جس پر عمل کرنا تمہاری ذمہ داری ہے ---- مجھے امید ہے کہ ہم ماضی کی طرح مستقبل میں بھی اچھے دوست ثابت ہوں گے" ----

"تم بے فکر ہو جاؤ بشیرے! اب یہ میری ذمہ داری ہے۔" ----

اتنا کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر جتنے نوٹ بھی اس کے ہاتھ میں آئے بشیرے کو تھما دیئے تھے۔ جو بشیرے نے بڑی اطمینان سے اپنی قمیض کے نیچے پہنی بنیان کی خفیہ جیب میں منتقل کر لئے تھے۔

یہ ان کی نارمل پریکٹس تھی ----

جیل کی ڈیوڑھی میں ان کی تلاشی نہیں ہوتی تھی۔ جیل حکام کو علم تھا کہ ان پر رحم کھا کر لوگ دو چار روپے یا بیڑیوں کے دو چار بنڈل انہیں دے جاتے ہیں۔

بشیرے نے اسی روز مجسٹریٹ کے سامنے غیر قانونی سرحد عبور کرنے کا الزام تسلیم کر لیا۔ اسے ایک سال قید کی سزا کا حکم سنا دیا گیا ----!

جیل میں پہنچ کر اس نے ساری رام کہانی عالم شیر کو سنا دی۔

"ویل ڈن" ---- عالم شیر کے منہ سے بے ساختہ نکلا ---- "بڑا معرکہ مارا ہے یار! میرے خیال سے قدرت کو بھی ہماری حالت پر رحم آ ہی گیا ہے اور وہ بھی ہماری مدد کرنے

پر تیار ہے ----"

کیوں نہیں ---- کیوں نہیں ---- عالمے! اب انشاء اللہ جلدی ہم تم آزاد فضاؤں میں اپنے پاکستان میں ایک دوسرے سے ملیں گے۔"

اگلا سارا دن دونوں مختلف منصوبوں پر غور کرتے رہے۔ انہیں کوئی ایسی ترکیب نکالنی تھی جس سے وہ گورمیل کو استعمال کر کے اپنے حق میں بہتر نتائج حاصل کر سکیں ----

دونوں چونکہ ایک ہی سیل میں بند تھے۔ اس لئے رات بھی ان کی اپنی ہی تھی۔ رات دیر گئے تک دونوں مختلف تجاویز ایک دوسرے کو پیش کرنے کے بعد اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے کر انہیں رد کرتے رہے۔ پھر دونوں کی آنکھ لگ گئی۔ یوں بھی اب رات کا پہرہ بدلنے والا تھا اور نئے آنے والے پہرے داروں نے معمول کے مطابق قیدیوں کی گنتی کرنی تھی۔ جس کیلئے انہوں نے یہاں آکر صورتحال کا جائزہ لیا تھا ----!

عین ممکن تھا کہ اتنی رات گئے تک دونوں کو جاگتے دیکھ کر انہیں کوئی شک گزرتا جس کے بعد انہیں علیحدہ علیحدہ بند کر دیا جاتا۔

دشمن سے زیادہ انہیں اپنے بزدل ساتھیوں سے ہوشیار رہنا تھا۔ ذرا سی بھنک بھی اگر ان کے منصوبے کی ان کے ساتھیوں کے کانوں میں پڑ جاتی تو ان کیلئے ایک نیا عذاب کھڑا ہو جاتا ----

دن کے اوقات بھی انہوں نے نارمل گزارے ----!

سہ پہر کے بعد انہیں معمول کے مطابق پھر سیلوں میں بند کر دیا گیا۔

مغرب کی نماز دونوں نے اپنے سیل میں اکٹھے ادا کی جس کے بعد دونوں بالآخر ایک منصوبے پر متفق ہو گئے۔

وہ رات بھارتی جیل میں ان کیلئے سکون کی پہلی رات تھی۔

دونوں ساری رات خدا کے حضور گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی اور مقصد میں کامیابی کی دعائیں مانگتے رہے ----

علی الصبح جب جیل کے لنگر سے ان کیلئے کھانا آنا تو عالم شیر کو بتا دیا گیا کہ آج اس کی تاریخ پیشی ہے وہ تیاری کر لے ----!!

اس مرتبہ جو گارد انہیں لینے آئی تھی۔ ان کے ساتھ پہلے تعارف ہی میں عالم شیر نے

خود کو سونے کا سمگلر بتایا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ بھارتی پنجاب پولیس کے جوان سمگلروں کی بہت عزت کرتے ہیں۔

آج وہ جان بوجھ کر گارڈ کے ایک ایک سپاہی کو الگ الگ اپنی گرفتاری کی من گھڑت کہانی سنا رہا تھا۔ جس میں بنیادی بات یہی تھی کہ اس کا دس کلو سونا' ہضم کرنے کیلئے بارڈر سیکورٹی فوس (بی ایس ایف) نے اس پر جاسوسی کا الزام لگا دیا۔

"ویر جی! وہ تو قسمت اچھی تھی شاید ابھی چند روز کی زندگی باقی تھی کہ مجھے گولی مارنے کی طرف ان کا خیال نہیں گیا۔ ورنہ وہ ثبوت مٹانے کیلئے مجھے جان سے بھی تو مار سکتے تھے ----"

اس نے گارڈ کے انچارج حوالدار سے کہا۔

"اوئے میاں! تجھے پتہ نہیں۔ سالوں کو اگر علم ہو جائے کہ سمگلر کی گرفتاری کی اطلاع مقامی تھانے کو ہو گئی ہے۔ تو اس کی جان بچ جاتی ہے۔ ورنہ اتنا سونا ہضم کرنے کے بعد وہ تمہیں زندہ چھوڑ سکتے تھے" ---- ایک بوڑھے سپاہی نے کہا۔

"تجربہ بڑی چیز ہے بزرگو! واقعی آپ نے صحیح بات کی۔ تھانے والوں نے مجھے بتایا تھا کہ انہی مجرموں نے میری گاؤں سے گرفتاری کی اطلاع کر دی تھی ----" عالمے نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"میں! تو عدالت کو سونے کی بات بتا دے۔ سالوں کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم پڑ جائے گا" ---- گارڈ حوالدار نے مشورہ دیا۔

"مہاراج جان سے قیمتی کیا شے ہے ---- آپ تو جانتے ہی ہیں کہ اگر میں نے سچ سچ بتا دیا ان کا تو کچھ بگڑے نہ بگڑے میں کم از کم دس سال کی سزا کھا جاؤں گا ---- اب بارڈر کراس میں زیادہ سے زیادہ ایک سال ہی سزا ہو گی" ---- عالمے نے کہا۔

"سالے بڑا چالاک ہے تو ---- واقعی تو صحیح سمگلر ہے ---- گارڈ حوالدار نے گالی دے کر اسے خراج تحسین پیش کیا۔

وہ مرحلہ تو گارد حوالدار کیلئے بڑا ہی چونکا دینے والا تھا۔ جب اچانک عالم شیر نے اپنی خفیہ جیب سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر اس کی مٹھی میں تھما دیئے۔

"آج رات ہماری طرف سے موج میلہ کرنا مہاراج جی! ----" اس نے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

گارڈ کے انچارج حوالدار نے ہاتھ ایک طرف کر کے جب چوری چھپے سو سو کے دو نوٹ دیکھے تو اس کی باچھیں کھل گئیں ----

"میاں بڑی شے ہو ---- کوئی سیوا کروانی ہے کیا؟" اس نے بے تابی سے دونوں نوٹ اپنی جیب میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

اتنی بڑی رشوت اس ڈیوٹی میں اسے آج تک کسی نے نہیں دی تھی ----

"بس مہاراج دل ملے کا میلہ ہے ---- آپ سے اپنا من لگ گیا ہے ---- پردیس میں جو سجن ہمیں معمولی سی سہولت دے۔ ہم اس کیلئے جان بھی دے سکتے ہیں ---- حوالدار صاحب یہ دولت تو آنی جانی چیز ہے۔ کہیں آپ سے آزادی میں ملاقات ہوئی ہوتی تو آپ کو پتہ لگتا کہ عالما کیا ہے؟ ---- مہاراج جی! ہمارا چالان جلدی ہی سنٹرل جیل جانے والا ہے ---- آپ کوشش کر کے اپنی ڈیوٹی لگا لینا ---- ایسا موج میلہ کروائیں گے کہ یاد رکھو گے کسی مسلمان سے واسطہ پڑا تھا ---- عالمے نے اس کے غبارے میں اچھی طرح ہوا بھر دی۔

حوالدر گیان سنگھ کے دماغ میں رم کی بوتلیں گھومنے لگی تھیں ----

پولیس لائنز میں اس کا تبادلہ بطور سزا ہی ہوا تھا۔ اس بات کا علم تو عالمے کو بھی تھا کہ تھانوں سے پولیس لائنز میں عموماً وہی پولیس والے آتے ہیں۔ جن کے خلاف کوئی انکوائری وغیرہ چل رہی ہو ---- کیونکہ پولیس لائنز کی ڈیوٹی ان کیلئے عذاب سے کم نہیں ہوتی تھی۔

ملزمان کو تاریخ پر لے جانا اور جیل واپس پہنچانا ---- ہنگامی مدد کی اپیل پر مقامی پولیس کی مدد کرنا یا پھر ایک ضلع کی جیل سے دوسرے ضلع کی جیل تک قیدیوں کو لانا لے جانا ----

اس سارے کھیل میں ان کیلئے کوئی دلچسپی نہیں تھی ----!

بس زیادہ سے زیادہ یہی تھا کہ ملزموں کی ملاقات کو آنے والے ان کے لواحقین ہی ان کی تھوڑی بہت سیوا کر دیا کرتے تھے۔ یہ بے چارے پہلے ہی مصیبت کے مارے ہوتے تھے

اور مقدمات کی پیروی کرتے کرتے عاجز آ چکے تھے۔ اس لئے ان سے پانچ دس مل جانا ہی پولیس والوں کیلئے غنیمت تھا۔

آج جب حوالدار گیان سنگھ کو اکٹھے دو سو روپے ملے تو اس کی آنکھیں پھٹنے کو آ گئیں اسے نور تھانے کے وہ سنہرے دن یاد آ گئے جب وہ محرر کی ڈیوٹی کیا کرتا تھا۔

حوالدار گیان سنگھ کو ایمان کی حد تک اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ عالما ضرور کوئی بڑا سمگلر ہے اور اس کی معمولی سی خدمت کا بھی اسے توقع سے بڑھ کر انعام مل سکتا ہے ----!!

یوں بھی اسی کی نوکری زیادہ تر سرحدی علاقوں کے تھانوں میں ہی لگا کرتی تھی۔ اگر ایک آدھ پھیرا بھی ایسے لوگوں کا لگوا دیا جائے تو اس کے وارے نیارے ہو سکتے تھے۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ عالم شیر جیسی سونے کی مرغی پر قبضہ جمائے رکھے ---- کبھی نہ کبھی یہ شخص ضرور اس کی قسمت بدل دے گا۔

عالم شیر نے بھی دیکھ لیا تھا کہ تیر عین نشانے پر لگا ہے ---- کیونکہ دوران سفر حوالدار اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا اور اس نے بطور خاص بس کی اگلی سیٹ اس کیلئے خالی کروائی تھی۔

تمام راستے وہ اسے جعلی خود ساختہ عمر رواں کی کہانیاں سناتا آیا۔ ان کہانیوں کا مرکزی خیال یہ تھا کہ جس پولیس آفیسر نے اس کی مدد کی اس کے وارے نیارے ہو گئے۔ یہ ایک طرح کا گیان سنگھ کیلئے پیغام بھی تھا ---- !

"حوالدار صاحب! اگر یہاں پولیس کا کوئی کام ہو تو ہمیں ایک مرتبہ ضرور بتا دینا۔ اپنے بندے ابھی زندہ ہیں ---- جس تھانے میں چاہو تبادلہ کروا دوں گا۔ ہمارا کیا ہے ہم نے تو کسی سجن دوست کو اشارہ ہی کرنا ہے۔" اس نے کچہری میں پہنچتے ہی حوالدار کی آتش ہوس بھڑکا دی۔

"میاں ساری زندگی تمہارا تابعدار رہوں گا۔ بس ایک مرتبہ میرا تبادلہ پولیس لائنز سے کروا دو ----" حوالدار گیان سنگھ کی رال ٹپکنے لگی۔

"بس بے فکر ہو جاؤ۔ ہماری صرف ایک ہی شرط ہے کہ اس جیل سے سنٹرل جیل

تک جو تین سو میل کا ٹرین کا سفر ہے وہ اچھا کٹ جائے۔ ایک آدھ گھونٹ لگوا دینا ---- تمہارے وارے نیارے کروا دوں گا ---- اپنے بندے ساتھ جائیں گے سارے راستے موج میلہ کرتے جانا گیان سیہاں ----!"

چلتے چلتے عالمے نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"میاں جی! کسی سالے کی یہاں پولیس لائن میں جرات نہیں کہ اپنی بات ٹالے۔ جس روز بھی آپ کے سمن آئے۔ آپ کا غلام خود گارڈ انچارج بن کر جائے گا اور بے فکر رہیں اپنے ساتھ بندے بھی اپنے ہی ہوں گے ---- آپ کہیں تو پورا ڈبہ اپنے لئے ریزرو کروا لیں ---- ہم بھی یاروں کے یار ہیں ---- یہ تو کبھی زندگی میں دوبارہ ملاقات ہوگی تو تمہیں علم ہو گا" ---- حوالدار کے غبارے میں مکمل ہوا بھری گئی تھی۔

اب کسی بھی لمحے یہ بکرا ان کی چھری تلے آنے پر تیار تھا۔

گورمیل سنگھ ان کی آمد سے پہلے ہی اس کا منتظر تھا ----

اس نے دور ہی سے عالمے کو پہچان لیا تھا اور جیسے ہی حوالاتی کچہری کی گراؤنڈ میں بیٹھے وہ بہانے سے اسی کے نزدیک آکر بیٹھ گیا۔

"کیا حال ہے میاں جی!" ---- اس نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔

"بس مہاراج اپنی قسمت کا کیا دھرا بھگت رہے ہیں۔" عالمے نے معصوم لہجے میں کہا۔

گورمیل سنگھ کے ہاتھوں میں سونے کی بھاری انگوٹھیاں اور گلے میں لٹکے سونے کے لاکٹ کے ساتھ بائیں ہاتھ میں سونے کے کڑے نے حوالدار گیان سنگھ کی آنکھیں چندھیا دیں۔ اس نے بظاہر ایک ہمدرد بن کر عالمے اور حوالدار گیان سنگھ کیلئے کھانے کا بندوبست کیا تھا۔

لیکن ----

گیان سنگھ بچہ نہیں تھا۔

اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ شخص ان کا ساتھی ہی ہو سکتا ہے۔

وہ بظاہر لاتعلق بنا کھانا کھانے میں مصروف رہا۔ اسی درمیان گورمیل سنگھ اور عالم شیر باتیں کرتے رہے۔ عالم شیر نے اسے سارے منصوبے سے آگاہ کر دیا تھا ----!! گورمیل سنگھ کو اس علاقے میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ تو دوسرے شہر سے یہاں منتقل ہوا تھا۔ جو

منصوبہ عالم شیر نے اسے سمجھایا تھا۔ اس میں کچھ زیادہ خطرے والی بات نہیں تھی۔ خطرے والی بات ہوتی تو بھی اس کے لئے "ناں" کی گنجائش نہیں تھی۔

اسے بہرصورت بشیرے اور اس کے ساتھی کو فرار کروانا تھا۔ ورنہ کسی بھی وقت مصیبت کا پھندہ بشیرے کی گردن سے اتر کر اس کے گلے میں پڑ جاتا۔

اس درمیان گیان سنگھ ان کے نزدیک آگیا تھا۔

"کوئی سیوا میاں جی!" ---- اس نے بے شرمی سے دانت نکالے۔

"سنتا سیہاں حوالدار اپنا یار ہے ---- اس کا تبادلہ اس کی مرضی کے مطابق چاہئے۔ میں نے زبان دے دی ہے" ---- عالمے نے جان بوجھ کر گورمیل سنگھ کا غلط لیا اور اسے آنکھ دبا کر مخصوص اشارہ بھی کیا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ اسی حوالدار نے قربانی کا بکرا بننا ہے۔

"بابیو! بڑے دھن وان ہو۔ بہت بڑی ہستی نے تمہاری سفارش کی ہے۔ ہماری دوبارہ ملاقات ہوگی تو تمہارے سامنے ہی ایس ایس پی کو حکم دے کر تمہاری مرضی کے تھانے میں بھجواؤں گا ---- بس ہمارے میاں جی کا خیال رکھنا ہے۔ ہماری عزت کا معاملہ ہے۔ پانچ دس ہزار کی پرواہ کرنے والے ہم لوگ نہیں ہیں۔" گورمیل سنگھ بھی کایاں آدمی تھا۔ آنکھ اشارہ اس سے زیادہ اور کون سمجھ پاتا۔ اس نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔

اگر حوالدار گیان سنگھ کا بس چلتا تو ابھی ہتھکڑی کھول کر اسے بھگا دیتا۔

تاریخ بھگتنے کے بعد جیل روانگی کے وقت گورمیل سنگھ نے جہاں اس کی مٹھی میں نوٹ تھمائے تھے۔ وہاں حوالدار کو بھی سو کا نوٹ تھما دیا تھا۔

حوالدار گیان سنگھ کیلئے زندگی کا سب سے شاندار دن آج تھا ---- !

وہ اپنے پورے محکمے میں اپنی بلانوشی کیلئے شہرت رکھتا تھا ---- !!

اس کی شراب نوشی نے ہی اسے یہ بڑے دن دکھائے تھے کہ وہ ہیڈ محرر کی ڈیوٹی یہاں لائن حاضر ہوگیا تھا۔

گورمیل سنگھ کو اس بات کا علم تھا کہ جیل والے جس گارڈ انچارج کو ملزم سونپتے ہیں۔ اس سے ہی پوچھتے ہیں کہ وہ ملزموں کو بیڑی لگا کر لے جانا چاہتا ہے یا بیڑی کے بغیر ----

اگر واقعی گیان سنگھ نے اپنی ڈیوٹی لگوا لی تو یہ اس کی صوابدید ہوگی کہ انہیں بیڑیاں لگ

کر لے جائے یا صرف ہتھکڑیوں سے کام چلا لے ---- !!

عالم شیر نے مجسٹریٹ کے سامنے اپنے پیشرو کی طرح غیر قانونی سرحد عبور کرنے کا الزام تسلیم کر لیا اور عدالت سے کہا کہ وہ لالچ میں آگیا تھا اور کسی کا پانڈی بن کر سرحد عبور کر لی تھی اگر اسے معاف کر دیا جائے تو وہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کرے گا ---- !

اسی کی اداکاری نے سوائے مجسٹریٹ کے باقی سارے عدالتی عملے کو متاثر کر دیا تھا۔

لیکن ----

مجسٹریٹ کیلئے اس کی بھولی بھالی صورت اور آنسو بہاتی آنکھوں سے زیادہ ضروری بات اس کا اقبال جرم تھا۔ اس نے ملزم عالم شیر کو غیر قانونی طور پر بھارت کی سرحد عبور کرنے کے جرم میں ایک سال قید بامشقت کی سزا سنا دی ---- جو ملزم نے بہترین اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنسو بہاتی آنکھوں سے سنی اور عدالت سے باہر آگیا ----

حوالدار گیان سنگھ جان بوجھ کر اس کے ساتھ پیش نہیں ہوا تھا بلکہ دوسرے ملزم کو دوسری کسی عدالت میں پیشی بھگتانے لے گیا تھا۔ اس لئے وہ "سونے کے اس سمگلر" کی اداکاری سے محظوظ نہ ہو سکا۔

دونوں نے واپسی پر بھی اکٹھے ہی سفر کیا تھا اور ڈیوڑھی میں عالمے کو جیل حکام کو سونپتے ہوئے اس نے عالمے کی تعریف بھی کر دی تھی کہ اس کا برتاؤ پولیس کے ساتھ بڑا شریفانہ تھا۔

"یہ تو اللہ میاں کی گائے ہے ---- جانے اس دھندے میں کہاں سے آگیا سالا" ---- اس نے ڈیوڑھی حوالدار کے سامنے عالمے کی ہتھکڑیاں کھولتے ہوئے کہا۔

"سب قسمت کا پھیر ہے بابیو!" ---- عالم شیر نے فلسفیانہ لہجے میں کہا ڈیوڑھی سے جب وہ اپنے سیل کی طرف جا رہا تھا تو بیڑیوں سے بھرا ایک لفافہ حوالدار گیان سنگھ نے اس کو تھما دیا۔

عالم شیر نے مظلوموں کی طرح پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور لفافہ ہاتھ میں پکڑے اپنے سیل میں واپس آگیا۔

اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بشیرے کو کامیابی کا مژدہ سنا دیا تھا۔

جائے اماں!

دو پاکستانی سزا یافتہ قیدیوں کے جمع ہوتے ہی جیل والوں کو ان کے تبادلے کی فکر دامن گیر ہوئی ----

سزا ملنے کے بمشکل چوتھے دن ان کا "چالان" آ گیا ---- !

انہیں سنٹرل جیل نابھہ بھیجا جا رہا تھا۔ جو مسلمان قیدیوں کا سنٹر تھا اور پنجاب کی کسی بھی جیل میں موجود کسی بھی پاکستانی قیدی کو جب عدالت کی طرف سے سزا ملتی تو اسے اسی جیل میں پہنچا دیا جاتا ---- !!

حوالدار گیان سنگھ عالم شیر اور گورمیل سنگھ کے پیش کردہ انعام کی شراب کے نشے میں دھت ہو گیا تھا۔

اسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ مسلمان سونے کے سمگلر اس کی قسمت بدل دیں گے۔ اس نے پولیس لائنز کے منشی محرر کو پہلے ہی سے اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا اور اسے کہا تھا کہ اگر نابھے کا کوئی چالان آئے تو اس کی ڈیوٹی لگائی جائے کیونکہ واپسی میں وہ سنگودر رک کر اپنے سسرال کی خبر بھی لے لے گا ----

اس نوعیت کی فرمائش اکثر یہاں آتی رہتی تھی' قیدیوں کے تبادلے کے دوران اس بات کا بطور خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ جس جیل میں ان کا چالان جا رہا ہے وہاں کا رہنے والا کون ہے؟ یا راستے میں کس کا گھر آتا ہے پھر اسی کی ڈیوٹی لگا دی جاتی تھی۔

نابھے کی ڈیوٹی سے عموماً پولیس لائنز کی گارڈ پناہ مانگتی تھی۔

ان لوگوں کو علم تھا کہ نابھے عموماً پاکستانی مسلمانوں کا چالان جاتا ہے۔ جن سے کچھ ملنے کی تو کیا امید ہوگی الٹا راستے میں انہیں روٹی بھی سرکاری خرچ سے کھلانی پڑتی تھی۔

جس کسی کی نابھے کیلئے ڈیوٹی لگتی وہ بدقسمت سمجھا جاتا تھا کہ اس کی "یاترا" عموماً غیر منفعت بخش ہوتی تھی۔

انہوں نے گرداسپور سے اپنے سفر کا آغاز کرنا تھا۔ پہلے گرداسپور سے ایک پسنجر ٹرین کے ذریعے امرتسر جانا تھا۔ جہاں سے براستہ لدھیانہ سفر کرتے ہوئے نابھے پہنچنا تھا۔ اسی طرح انہیں امرتسر سے ٹرین بدلنی تھی۔

پلان کے مطابق جب حوالدار گیان سنگھ اپنے چار خاص سپاہیوں کے ساتھ ان کا چالان وصول کر کے جیل سے باہر بس اڈے کی طرف جا رہا تھا تو گورمیل سنگھ راستے میں ان کا منتظر تھا۔

"آؤ مہاراج جی! پہلے بھوجن کر لیں" ---- اس نے حوالدار گیان سنگھ سے کہا جس کی باچھیں اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کھل گئی تھیں۔

"ٹھیک ہے حوالدار صاحب بھوکے پیٹ سفر کرنا مناسب نہیں" ---- عالمے نے کہا۔

"کیوں بھئی جوانو! کیا خیال ہے ----" گیان سنگھ نے اپنی گارڈ کی طرف دیکھا جن کی رال ابھی سے ٹپکنے لگی تھی۔

گورمیل سنگھ جسے اس کے ساتھی سنتا سنگھ کے نام سے پکار رہے تھے۔ سب کو ایک ہوٹل پر لے آیا جہاں اس نے گارڈ کے انچارج اور باقی جوانوں کو ان کی توقعات سے بڑھ کر شاندار کھانا کھلایا تھا۔

دوران کھانا اس نے بڑی ہوشیاری سے ان کی جیبیں بھی گرم کر دی تھیں۔ جو ان کے لئے چونکا دینے والی بات تھی۔

"مہاراج ہم تو آپ کی سیوا کریں گے ہی۔ اپنی مرضی سے بھی اگر آپ کچھ کھانا پینا چاہیں تو ----"

گورمیل کی بات کے خاتمے پر گارڈ کے جوانوں نے بے شرمی سے دانت نکال دیئے۔

گورداسپور سے وہ جس پسنجر ٹرین پر سوار ہوئے تھے وہ تقریباً خالی تھی۔ جس ڈبے میں وہ بیٹھے تھے وہاں صرف ایک کونے میں کچھ غریب سے دیہاتی بیٹھے تھے۔ جنہیں حوالدار گیان

سنگھ نے ایک ہی دھمکی دے کر بھگا دیا تھا۔

ٹرین نے آہستہ آہستہ رینگنا شروع کیا اور جیسے ہی اس نے تھوڑی سی رفتار پکڑی۔

گورمیل سنگھ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا چھوٹا بیگ کھولا اور انگریزی وسکی کی ایک بوتل نکال کر ان کے سامنے رکھ دی۔

"مہاراج جی ایک ایک پیگ یہاں لگا لیں۔ باقی راستے میں کام آئے گی" ---- گورمیل سنگھ نے ان کے سامنے بوتل کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

ولایتی شراب کی بوتل پر نظر پڑتے ہی ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ----!!
انہوں نے تو کبھی خواب میں بھی اس کے متعلق نہیں سوچا ہو گا۔

"کیوں ! میں نے کہا تھا ناں کہ تمہاری موجیں کرؤا دوں گا۔ یہ معمولی مسلمان نہیں سونے کے سمگلر ہیں ---- تم لوگوں نے کبھی زندگی میں ولایتی وسکی کی شکل نہیں دیکھی ہوگی ---- سالو! تم گیان سنگھ کو کیا سمجھتے ہو ---- اپنے یار ہیں یہ ---- اور یہ بھی سن لو کہ میں بہت جلدی تھانے میں واپس جا رہا ہوں۔ سردار سنتا سنگھ کا حکم ایس ایس پی بھی نہیں ٹال سکتا ----"

حوالدار گیان سنگھ کو پینے سے پہلے ہی نشہ ہونے لگا تھا۔

گورمیل سنگھ نے عالم شیر کی ایک ایک ہدایت پر عمل کیا تھا بلکہ ضرورت سے زیادہ مستعد دکھائی دیا تھا۔

اس نے اپنے بیگ سے پلاسٹک کے چھوٹے چھوٹے گلاس نکالے اور وہیں ان کیلئے چھوٹا چھوٹا پیگ بنانے لگا۔

پانچوں ندیدے کتوں کی طرح گلاسوں پر نظریں گاڑھے بیٹھے تھے ----!!

"لو مہاراج باقی بوتل ابھی ---- اپنے قبضے میں کر لو ----" اس نے بقیہ شراب کی بوتل حوالدار گیان سنگھ کو تھما دی جس نے بجلی کی سی پھرتی سے بوتل اپنے بیگ میں رکھ لی۔
اس کے ماتحتوں کا بس چلتا تو اس کی بوٹیاں نوچ لیتے۔ وہ جانتے تھے۔ اب یہ کمبخت اکیلا ہی ساری بوتل ہڑپ کر جائے گا۔

پانچوں نے پیگ تھام لئے تھے ----

"مہاراج آپ بھی لگائیں" ---- حوالدار گیان سنگھ نے عالے بشیرے اور گورمیل کی

طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی نہیں مہاراج ہمیں موقعہ ملا تو امرتسر سے ٹرین بدلنے کے بعد ایک آدھ پیگ لگا لیں گے۔ ---- بشیرے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' جتنی احتیاط کی جائے اتنی ہی بہتر ہے۔" ---- گیان سنگھ کے ہمراہی ایک سپاہی نے کہا جس نے ایک گھونٹ حلق میں انڈیل لیا تھا۔

پانچوں نے ایک دو گھونٹوں میں سارا زہر اپنے حلقوم کے راستے اپنے معدوں میں اتار لیا تھا۔

"مہاراج بڑی تیز ہے سالی" ---- حوالدار گیان سنگھ نے لڑکھڑاتی زبان میں کہا۔

اس گدھے کو اس بات کا احساس نہ ہو سکا کہ وسکی اتنی تیز نہیں جتنا اس میں شامل ایک خاص سفوف نے اسے کر دیا ہے۔

شراب ان کے معدے میں پہنچنے کی دیر تھی کہ ان کے اوسان خطا ہونے لگے۔ بمشکل دو منٹ بعد وہ پانچوں بے سدھ پڑے تھے۔

بجلی کی سی پھرتی سے حوالدر کی جیب سے چابیاں نکال کر گورمیل نے ان کی ہتھکڑیاں کھولیں۔ تینوں نے پانچوں کو اسی طرح سیٹوں پر بیٹھا دیا تھا کہ وہ سب اونگھتے دکھائی دے رہے تھے ----

سارا ڈبہ خالی پڑا تھا ----

یوں بھی ہ ٹرین اب خالی ہونے لگی تھی کیونکہ اپنا آدھا سفر اس نے طے کر لیا تھا ---- تینوں ایسے کمپیوٹر کی طرح جسے پہلے سے پروگرام فیڈ کر دیا گیا ہو تیزی اور ڈسپلن سے اپنے کام کر رہے تھے ----

گورمیل سنگھ نے بیگ انہیں دے دیا تھا۔ بشیرے نے کھول کر دیکھا اس میں خاصی رقم اور کچھ کپڑے موجود تھے۔

تینوں کو یہیں سے الگ ہو جانا تھا ----

گورمیل نے انہیں "فتح" بلائی اور ٹین کے اندر ہی اندر انجن کی طرف سفر شروع کر دیا۔ جبکہ عالے اور بشیرے نے مخالف سمت۔ جلد ہی وہ ٹرین کے اندر ہی اندر اطمینان سے حلتے آخری حصے میں آ گئے تھے۔ اب ٹرین ایک چھوٹے سے سٹیشن پر رکنے لگی تھی ----

!!

دونوں بڑے اطمینان سے ٹرین رکنے سے پہلے ہی چلتی ٹرین سے پلیٹ فارم پر اتر گئے تھے۔

یہ علاقہ ان کا دیکھا بھالا تھا ---- !!

عالم شیر کیلئے تو بعض مقامات اجنبی رہے تھے۔

لیکن ----

بشیر کیلئے کچھ بھی اجنبی نہ تھا۔ وہ گذشتہ دس سال سے انہی راستوں پر آ جا رہا تھا۔

عالم شیر اس کے تعاقب میں تیز قدموں سے چل رہا تھا۔

سٹیشن پر ٹرین بمشکل دو تین منٹ کھڑی ہوئی تھی۔ انہیں امید تھی کہ ابھی تک ان کے شکار کسی کو نظر نہیں آئے ہوں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو ٹرین یہاں رکتی اور کم از کم انہیں یہاں اتار کر طبی امداد ضرور دی جاتی۔

دونوں کھیتوں کے سلسلے میں داخل ہو گئے تھے۔ یہاں ایک جگہ رک کر انہوں نے گورمیل سنگھ کے بیگ سے کپڑے نکال کر تبدیل کئے۔ اس میں موجود رقم دونوں نے قریباً آدھی آدھی کر کے اپنی اپنی جیبوں میں ٹھونسی اور بیگ کندھے پر لٹکا کر بے فکرے نوجوانوں کی طرح اپنی راہ لی۔

"گرداسپور سے سرحد محفوظ ہے۔ میرے خیال سے ادھر ہی سرحد پار کر جائیں۔" ---- عالم شیر نے کہا۔

"نہیں عالمے۔ اس کا تصور بھی نہ کرنا۔ بھارتی پولیس تو ہمیں نہیں جانتی لیکن بھارتی انٹیلی جنس ہماری پوری خبر رکھتی ہے۔ ہمارے فرار کو وہ لوگ ٹھنڈے پیٹوں ہضم نہیں کریں گے۔ انہوں نے یہاں چپے چپے پر ناکے لگا رکھے ہوں گے۔ اتفاق سے تم بھی اسی علاقے سے سرحد عبور کرتے رہے ہو اور میں بھی ---- اور ہمارے کچھ جاننے والے بھی ان کی نظروں میں ہیں۔ ٹرین کے امرتسر پہنچتے ہی قیامت برپا ہو جائے گی اور یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں شکاری کتوں کی طرح ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے ---- ہمیں نہ صرف یہ کہ اس طرف سے فی الحال سرحد عبور نہیں کرنی بلکہ اس علاقے سے بھی جلد از

جلد نکلنا ہو گا۔" ----

بشیرے نے عالم شیر کو حقائق کی دنیا میں واپس لاتے ہوئے کہا۔

"واقعی دوست! اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا۔" ----

"بہتر یہی ہے کہ ہم چند دن بھارت میں ہی چھپے رہیں اور پندرہ بیس روز کے بعد قسمت آزمائی کریں ---- جہاں تک سرحد کے محفوظ ہونے کا سوال ہے تو میرے خیال سے ہمارے لئے گرداسپور سے زیادہ محفوظ سرحد کوئی نہیں۔ یوں تو راجستھان کی طرف بھی نکل سکتے ہیں لیکن میں نے وہ علاقہ آج تک نہیں دیکھا۔" ---- بشیرے نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ "اگر کوئی چارہ نہ رہا اور ہمیں راجستھان ہی کا رخ کرنا پڑا تو دیکھ لیں گے میں دو تین مرتبہ اس طرف سے گزرا ہوں ---- لیکن فی الحال ہمیں تمہاری پہلی بات پر ہی عمل کرنا چاہئے۔" ---- عالمے نے کہا۔

دونوں اب پیدل چلتے پکی سڑک تک آ گئے تھے۔ یہ سڑک انہیں فتح پور تک لے جاتی جس کے بعد وہ کسی بھی طرف اپنا سفر جاری رکھ سکتے تھے۔ اس بات پر دونوں متفق تھے کہ انہیں بہرحال ابھی سرحد عبور نہیں کرنی۔

یہاں کے کچھ دیہاتوں کے نام انہیں یاد تھے اور یہ سفر انہیں یادداشت کے سہارے ہی کاٹنا تھا۔ جیل میں قید کے دوران انہوں نے اپنی ڈاڑھیاں اور مونچھیں بڑھالی تھیں اور فی الوقت سکھوں کا روپ دھارنے کا فیصلہ ہی کیا تھا ----

دونوں ایک "ٹمپو" میں بیٹھ کر نزدیکی قصبے کے بازار تک آ گئے تھے جہاں سے عالم شیر نے دو پگڑیاں خرید لی تھیں۔ بازار سے باہر آکر انہوں نے کھیتوں کی آڑ میں چھپ کر اپنے سروں پر پگڑیاں باندھیں۔ اب وہ بادی النظر میں سکھ ہی دکھائی دیتے تھے۔

بازار ہی سے دو تھیلے خرید کر انہوں نے کچھ الم غلم ان تھیلوں میں ٹھونسا اور اپنے پاس موجود بیگ کو نالے میں پھینک دیا۔

اب دونوں لاری اڈے میں آ گئے تھے ---- !!

یہاں سے بس کے ذریعے انہیں فتح پور جانا تھا۔ جہاں سے وہ صورتحال کا اندازہ کرنے کے بعد کوئی اور لائحہ عمل طے کرتے۔

بس میں سوار ہونے کیلئے انہوں نے الگ الگ ٹکٹ خریدے تھے اور الگ الگ سیٹوں

پر بیٹھے تھے۔ بظاہر وہ ایک دوسرے سے اجنبی بن کر سفر کرنا چاہتے تھے تاکہ ایک کی گرفتاری کی صورت میں کم از کم دوسرا تو محفوظ رہے۔

بس میں سوار ہونے کے بعد انہیں جو "خبر" سننے کو ملی وہ پسنجر ٹرین سے دو خطرناک پاکستانی جاسوسوں کے فرار کی خبر تھی۔ بس کی تمام سواریوں کا موضوع گفتگو یہی تھا۔ ہر شخص اس واقعے کو الگ الگ انداز سے پیش کر رہا تھا۔

لیکن ----

سب کی تان بالاخر اس بات پر ٹوٹی تھی کہ دونوں بڑے خطرناک جاسوس ہیں اور پولیس والوں کو زہریلی دوا سے بیہوش کرنے کے بعد فرار ہو گئے ہیں ---- بس کے مسافروں نے ہی یہ انکشاف بھی کر دیا تھا کہ "بی ایس ایف" (بھارتی سرحدی پولیس) کے مختلف ٹرک کمپنی ہیڈ کوارٹروں سے سرحدی علاقوں کی طرف چلے گئے ہیں۔

اس علاقے میں موجود "سی آر پی" کو بھی سارے علاقے میں پھیلا دیا گیا ہے۔ پولیس بھی بڑی سرگرمی سے دونوں جاسوسوں کو تلاش کر رہی ہے۔ سرحدی دیہاتوں کے سرپنچوں کو اس صورت حال سے باخبر کر دیا گیا ہے۔

عالمے نے اب تک دل ہی دل میں نجانے کتنی مرتبہ بشیرے کی عقل مندی کی داد دی تھی جس نے اسے سرحد کے نزدیک بھی نہ پھٹکنے کا مشورہ دے کر بچا لیا تھا اگر وہ اکیلا ہوتا تو تمام خطرات کو بالائے طاق رکھ کر سیدھا سرحد کا رخ کرتا۔

دونوں اپنی بساط کے مطابق لاری کے مسافروں کے ساتھ گفتگو میں اپنا حصہ بھی ڈال رہے تھے اور بادل نخواستہ ان کی ہاں میں ہاں بھی ملاتے جا رہے تھے۔

خیریت گزری کہ فتح پور تک لاری کو کسی ناکے پر نہیں روکا گیا ورنہ عین ممکن تھا کہ ان کی تازہ تصاویر جیل سے پولیس تک پہنچا دی گئی ہوتیں اور وہ دھر لئے جاتے۔

فتح پور آ گیا تھا ---- !!

دونوں لاری کے مختلف دروازوں سے باہر نکلے تھے اور اب پھر پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق عالم شیر بشیرے کے تعاقب میں چل رہا تھا۔

اس سفر کا اختتام قصبے کے ایک ویران سے حصے پر ہوا۔ جہاں دونوں کھیتوں کی سمت

جاتی ایک پگڈنڈی کے کنارے لگے درخت پر اکٹھے ہو گئے تھے۔

"میرے خیال سے ہمیں فوراً موجودہ حلئے سے نجات حاصل کرنی چاہئے۔" عالمے نے تجویز پیش کی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو ---- میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ہماری بڑھی ہوئی داڑھیوں کے ساتھ تصاویر پولیس اور انٹیلی جنس ریکارڈ میں موجود ہیں ---- میرے خیال سے کم از کم میری تو کلین شیو تصویر ان کے پاس نہیں ہے۔" ---- بشیرے نے جواب دیا۔

"تم سامنے والی سادھ کے نزدیک میرا انتظار کرو۔ میں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں واپس آ جاؤں گا۔ اگر دیر ہو جائے تو آگے پیچھے ہو جانا۔ اگر میں وقت سے پہلے بھی آ جاؤں تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھنا کہ میرے ساتھ کوئی اور نہ ہو ---- نہ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہو۔" ---- بشیرے نے کہا۔

"ٹھیک ہے ----" عالم شیر نے جواب دیا۔

بشیر بازار کی طرف چلا گیا اور عالم شیر کھیتوں کے کونے میں درختوں کے جھنڈ تلے ہی ایک "سادھ" کے نزدیک بازار سے اس طرف آنے والے راستے پر نظریں جما کر بیٹھ گیا۔

وہ دل ہی دل میں بشیر کی کامیاب واپسی کیلئے خدا کے حضور گڑگڑا کر التجائیں کر رہا تھا کیونکہ یہ عام گزرگاہ نہیں تھی۔ صرف نزدیکی دو تین دیہاتوں ہی سے راستہ اس طرف آتا تھا۔ اس لئے اکا دکا لوگ ہی اس طرف آتے تھے۔ یوں بھی یہ وقت ایسا نہیں تھا۔ شام ہونے کو آئی تھی اور کسی بھی لمحے اب سورج غروب ہونے جا رہا تھا۔

دس بارہ منٹ گزر چکے تھے ----

ایک ایک پل ایک ایک صدی پر محیط تھا۔

انتظار کے کرب سے اس کے اعصاب تڑخنے لگے تھے۔

ایسا جان لیوا انتظار زندگی میں اس سے پہلے اس نے نہیں کیا تھا۔ اس کے پاس گھڑی بھی نہیں تھی کہ وقت کا صحیح اندازہ کر سکے۔

خدا خدا کر کے اذیت کے ان لمحات سے اسے نجات ملی اور اس نے بشیر کو واپس آتے دیکھا۔

بشیرے نے جان بوجھ کر دو مرتبہ رک کر گردوپیش کا جائزہ لیا تھا۔ اس طرح وہ جہاں خود

مطمئن ہو رہا تھا۔ وہاں عالم شیر کو بھی اس بات کی تسلی دے رہا تھا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا۔

"خدایا تیرا شکر ہے۔ کسی کا میری طرف دھیان نہیں گیا حالانکہ اسی بس کے مسافر یہاں بھی جاسوسوں کے فرار کی خبر سنا دی ہوگی اور تم جانتے ہو یہاں منہ سے نکلی بات کس طرح آسمان پر چڑھتی ہے۔" ---- بشیر نے لمبا سانس لے کر کہا۔

"شکر ہے یار تم آ گئے ورنہ تھوڑی دیر بعد میرے دماغ کی کوئی نس پھٹ جاتی اور میں انتظار کی اس اذیت کے ہاتھوں مر جاتا۔" ---- عالم شیر نے کہا۔

"لو پہلے یہ کھا لو۔ تمہارا دل ذرا سنبھل جائے گا۔" بشیر نے اس کے سامنے فروٹ کے دو لفافے رکھتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے "سمادھ" کی دوسری طرف چلتے ہیں۔ وہاں ایک پرانا مندر ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ میں اس راستے سے دو تین مرتبہ گزرا ہوں۔ شاید ایک دفعہ یہاں سے کسی دوست کو وصول کر کے پاکستان واپس پہنچانا تھا ---- " عالم شیر نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہمیں یوں بھی اب کسی محفوظ جگہ پر پہنچنا ہے۔" بشیر نے جواب دیا۔

ایک طرف "بھجن کیرتن" ہو رہا تھا اور دوسری طرف "شبد کیرتن"
لیکن ----

دونوں میں سے کسی کی کوئی بات سننے والے کے پلے نہیں پڑتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے شام کا ملگجا اندھیرا چاروں طرف پھیلنے لگا۔

سرخی مائل اجالے والے درخت آسیب زدہ سایوں کی طرح دکھائی دینے لگے تھے۔ نزدیکی دیہاتوں میں مکانوں کی چمنیوں سے دھواں نکل کر اندھیرے کا حصہ بننے لگا تھا۔ بلب روشن ہو رہے تھے۔

مندروں اور گوردواروں پر رنگ دار روشنیوں کا جال چمکنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے دن کے اجالے نے رات کی سیاہ چادر تان لی۔

دونوں مندر کی بوسیدہ سیڑھیوں پر سنبھل سنبھل کر پاؤں رکھتے اب مندر کی چھت پر آ گئے تھے۔ اب عالم شیر کو اس بات کی سمجھ بھی آ گئی تھی کہ بشیر اپنے ساتھ مٹی کے لوٹے میں پانی کیوں بھر کر لایا ہے۔

اس نے اپنے تھیلے سے وہ سامان باہر نکالنا شروع کر دیا تھا جو وہ فتح پور کے بازار سے خرید کر لایا تھا۔ سب سے پہلے اس نے عالم شیر کو سامنے بٹھا کر قینچی سے اس کی داڑھی کترنا شروع کی پھر ایک سیفٹی ریزر میں بلیڈ لگانے کے بعد اس نے ماہر نائیوں کی طرح اس کی شیو بنا دی۔

پانچ سات منٹ ہی میں اس نے عالم شیر کو داڑھی مونچھ سے مکمل بے نیاز کر کے اس کے گلے میں "جنیئو" (ایک دھاگہ جو براہمن اپنے گلے میں ڈالتے ہیں) ڈال دیا تھا۔

"اب تم یہی سلوک اتنی ہی ہوشیاری کے ساتھ میرے ساتھ کرو۔ جس طرح میں نے تمہارے چہرے پر کوئی نشان نہیں لگایا۔ اس طرح تم بھی میرے چہرے پر کوئی نشان نہ لگنے دینا۔ باقی حلیہ بعد میں تبدیل ہوگا ----"

یہ کہتے ہوئے بشیر نے سیفٹی ریزر میں نیا بلیڈ لگا کر قینچی اور سیفٹی اس کو تھما دی۔

"کوشش کرتا ہوں۔" ---- عالم شیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ جیلوں میں ایک دوسرے کی داڑھی پرانے بلیڈوں کو مسواک میں پھنسا کر مونڈا کرتے تھے۔ یہ تو بڑا شہنشاہی طریقہ تھا۔

اس نے بھی کمال مہارت سے اگلے سات آٹھ منٹ میں بشیر کی شکل اپنے جیسی بنا دی۔

"ویل ڈن" ---- بشیر نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

دونوں نے لوٹے کے بچے کچے پانی سے اپنے منہ دھوئے۔

اب دوسرا مرحلہ شروع ہوا جب بشیر نے اس کے ماتھے پر بڑا سا تلک لگا کر اس کے اوپر ایک سفید سی لکیر کھینچ دی۔ یہی کچھ اس نے اپنے ماتھے کے ساتھ کیا۔ جس کے بعد انہوں نے بازار سے خرید کردہ لمبے لمبے کرتے اور تنگ پائجامے پہن لئے۔

ان کا حلیہ بالکل براہمنوں والا ہو گیا تھا۔

"اب ہم چاہیں تو رات آسانی سے کسی بھی آشرم سرائے میں بسر کر سکتے ہیں۔" بشیر

نے رائے دی۔

"شاید اس کی ضرورت پیش نہ آئے۔ قدرت نے اس شکل کا بھی بڑا شاندار حل نکال دیا ہے۔ ---- شاید اللہ تعالیٰ کو ہم گناہگاروں کی حالت پر رحم آگیا ہے اور اس نے ہماری مصیبت کا سامان کر دیا ہے۔" عالم شیر نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ---- بشیر نے حیرانگی سے پوچھا۔

"تمہاری غیر موجودگی میں سوائے تمہارا انتظار کرنے کے اور کوئی کام تو مجھے تھا نہیں ---- اس اذیت سے بچنے کیلئے میں نے مندروں کے سپیکروں سے برآمد ہوتی آوازوں پر کان لگانے شروع کئے اور یہ مشورہ سننے کو ملا کہ فتح پور سے کوئی "سوامی مہاراج" یاتریوں کا ایک جتھہ لے کر "بملا دیوی" کی یاتری کیلئے ہی ہماچل پردیش جا رہے ہیں" ---- اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سوامی جی کے یاتری وہاں موجود ان کے آشرم میں قیام کریں گے جہاں سے پھر اگلے ماہ شروع ہونے والے "بملاماتا" کے میلے کی تقریبات میں شرکت کریں گے۔ اس درمیان سوامی بھی اپنے چیلوں کے ساتھ مل کر صبح شام "بھگوان کا جاپ" کیا کریں گے۔" ----

عالم شیر نے اسے بتایا۔

اس کی بات کا مطلب بشیر سے زیادہ بہتر کون سمجھ سکتا تھا۔

"واہ میرے مولا! اب مجھے یقین ہو چلا ہے کہ ہم ضرور انشاء اللہ اپنے وطن کی آزاد فضاؤں میں سانس لیں گے ---- جلدی ---- بہت جلدی ----" بشیرے نے احساس تشکر سے ڈوبی آواز میں کہا۔

"انشاء اللہ" ---- عالم شیر نے اس کا ساتھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں بازار میں موجود تھے۔ ایک "ڈھابے" سے انہوں نے کھانا کھایا اور وہیں ہوٹل میں "سوامی مہاراج" کا ایڈریس پوچھنا شروع کر دیا۔

"ہم مہاراج کی شہرت سن کر امرتسر سے ان کی سیوا میں آئے ہیں۔" وہ اپنا تعارف اس طرح لوگوں سے کرواتے تھے۔

سوامی مہاراج نے جس مندر میں قیام کر رکھا تھا۔ وہ فتح پور کا سب سے بڑا مندر تھا۔

دونوں "سوامی مہاراج کی جے" کے جیکارے (نعرے) لگاتے اور "رام نام" کا جاپ کرتے مندر کی طرف چل دیئے جہاں پہلے سے سوامی مہاراج کی بھگتوں کی بھیڑ لگی تھی

سوامی مہاراج کے بھگتوں میں زیادہ تعداد عورتوں کی تھی۔ ان میں بیشتر وہ نوجوان لڑکیاں تھیں۔ جو ہماچل سے سوامی مہاراج کے ساتھ ہی آئیں تھیں۔

یہ ان کی خاص سیوا دار تھی ---- ان کا کام سوامی مہاراج کے روزمرہ معمول کا خیال رکھنا اور ان کے نئے بھگتوں کو مہاراج کے درشن کروانا تھا۔

دونوں نے بطور خاص یہ بات محسوس کی تھی کہ اس جتھے میں شامل ہونے والے ہر یاتری کا سوامی مہاراج کی ایک خوبصورت سیکرٹری اپنے پاس موجود رجسٹر میں اندراج کرتی تھی وہی ہر نئے آنے والے کو یہاں کے آداب محفل سے آگاہ کرتی تھی۔

عالما اور بشیر دونوں اس قطار میں کھڑے ہو گئے۔ جو نئے آنے والوں کی قطار تھی۔ یہ قطار ایک چھوٹے سے کمرے کے سامنے لگی تھی جس کا دروازہ بند تھا۔ ایک "بھگت" اندر جاتا اور دوسرے دروازے سے باہر آتا تھا۔

عالم شیر آگے تھا اور بشیر اس کے پیچھے۔ عالم شیر کے آگے ایک موٹی سی عورت کھڑی تھی جو شاید اسی شہر سے یاتریوں کے جتھے میں شامل ہونے آئی تھی۔ اس کے جسم سے اٹھتی ایک گھٹیا سی خوشبو کی لپٹوں نے عالم شیر کا دماغ چکرا کر رکھ دیا تھا اور وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ یہ مصیبت جلدی ٹل جائے ----

عالم شیر کی کوشش اس بلا سے دور رہنے کی تھی۔ جس کا موٹی عورت نے کچھ اور مطلب لے لیا وہ جب بھی گردن موڑ کر عالم شیر کی طرف دیکھتی اسے بادل نخواستہ مسکرانا پڑتا۔ موٹی عورت نے اس مسکراہٹ کو غنیمت جان کر بار بار گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ یہ نئی مصیبت آگئی تھی ----

عالم شیر کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ اپنی توجہ اس سے ہٹا کر بشیر پر مبذول کر لے ---- اس نے بشیرے سے سوامی مہاراج کے متعلق باتیں شروع کر دی تھیں۔

"آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں ؟" موٹی نے محسوس کیا کہ شکار ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ "امرتسر سے" ---- عالم شیر نے کڑوا گھونٹ بھرا۔

"میرا نام کوشلیا ہے۔ میں فتح پور کی رہنے والی ہوں۔ سوامی مہاراج کے میں نے کئی مرتبہ درشن کئے ہیں۔ ان کی سیوا میں بھی رہی ہوں۔" اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے ان پر رعب گانٹھنا چاہا۔

"میرا نام گگن دیپ ہے اور یہ میرا دوست راج ہے۔ ہم دونوں بھی مہاراج کے چرنوں میں بیٹھ کر من کی شانتی حاصل کرنے آئے ہیں۔" ---- عالم شیر کے لئے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا۔

"آپ لوگ یاترا پر جا رہے ہیں" ---- موٹی کوشلیا نے دوبارہ دریافت کیا۔

"ہاں ---- بملا ماں کی یاترا مہاراج سوامی کے سنگ کریں گے تو زیادہ آنند آئے گا۔"

عالم شیر کے بجائے بشیر نے جواب دیا۔

"آپ دونوں رشتہ دار ہیں ؟"

"نہیں۔ ہمارا تعارف دو تین روز پہلے ہی ہوا تھا ---- ہم امرتسر میں جوگی بابا کے آشرم میں ملے تھے ---- جس کے بعد سے ہم نے اکٹھے ہی یاترا کا فیصلہ کیا ہے" ---- بشیر نے کہا۔

"دراصل میں نے منت مانی تھی ماتا نے کرپا کی اور میرا کام ہوگیا۔ اب میں ماتا کے درشنوں کو جا رہا ہوں تاکہ اسے "ماتھا ٹیک" کر اپنی منت پوری کر سکوں۔" ----

عالم شیر نے اپنا کیس بیان کیا ----

"میری گھر والی مجھے دغا دے کر بھاگ گئی ہے ---- میرا من بہت خراب ہو رہا تھا۔ میں تو من کی شانتی ڈھونڈنے نکلا ہوں" ---- بشیر نے اپنا مسئلہ بیان کر دیا۔

دونوں کے لئے موٹی کوشلیا کی اس بات میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ مہاراج کی پرانی بھگت ہے اور ان کی بھگتی میں بھی رہ چکی ہے۔

دونوں سمجھتے تھے کہ اس طرح کے سوامیوں اور مہاراجوں کی "سیوا" میں رہنے کا شرف بہت کم بھگتوں کو نصیب ہوتا تھا ---- اس عورت کو قابو کر کے وہ کچھ اچھا اور

محفوظ وقت گزار سکتے تھے۔

عالم شیر نے دو تین باتوں میں ہی محسوس کر لیا تھا کہ موٹی کوشلیا کو بشیر سے ہمدردی ہونے لگی ہے۔ کیونکہ اس بے چاری کی گھر والی کسی کے ساتھ اسے دغا دے کر بھاگ گئی تھی۔ شاید موٹی کوشلیا کا گھر والا اسے دغا دے کر کسی کے ساتھ بھاگ گیا ہو گا۔ اس نے سوچا۔

اس نے بشیر کی طرف منہ کر کے اپنی بائیں آنکھ دبا کر اسے اشارہ بھی کر دیا تھا کہ اس شکار کو قابو کر لے ---- اس کے ساتھ ہی بڑے نامحسوس طریقے سے آپس میں باتیں کرتے ہوئے انہوں نے جگہ بدل لی اور اب بشیر اس کے بجائے کوشلیا کے نزدیک ہو گیا تھا۔

تین چار منٹ میں بشیر نے کوشلیا کو اپنی دردناک کہانی گھڑ کر سنا دی۔ کوشلیا اداکاری کر رہی تھی یا حقیقت میں ایسا ہی تھا۔ اس کا اندازہ تو عالم شیر کو نہ ہو سکا لیکن اس نے کوشلیا کے چہرے پر بدلتے رنگوں سے اس بات کا اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔

انہیں یاتریوں کے اس جتھے میں کم از کم ایک ہمدرد خاتون ضرور میسر آ گئی تھی جس کی آڑ میں وہ اپنا کھیل آسانی سے کھیل سکتے تھے ---- !!

کوشلیا کی باری آ گئی تھی ---- !!

اس نے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے بشیر اور عالم شیر کو اندر پیش آنے والی صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا اب کم از کم کمرے میں وہ ایک اعتماد کے ساتھ ضرور داخل ہو سکتے تھے۔

بشیر پہلے اندر گیا تھا۔ اس کے بعد عالم شیر کی باری تھی۔ بشیر نے یہاں بھی اپنی گھر والی کا قصہ سنا دیا اور یہی سبب دنیا داری تیاگنے کا بتا کر اپنا جعلی نام پتہ لکھوا دیا۔

عالم شیر اندر داخل ہوا تو سامنے لگی میز کے پیچھے ایک آرام دہ کرسی پر اس نے گیروی رنگ کے چولے میں ملبوس جس ساحرہ کو موجود پایا اس کی شکل پہ نظر پڑتے ہی اسے اپنا دل بے قابو ہوتا محسوس ہوا۔

بھارت کے مختلف حصوں میں گھومتے اسے پانچ سال ہونے کو آئے تھے۔ اس نے اپنے

شوق کی خاطر اس زمین کا چپہ چپہ دیکھا تھا۔ پنجاب سے چین کی سرحد تک جاسوسی معر سر کئے تھے۔ راس کماری سے کنیا کماری تک کی خاک چھانی تھی۔ بھارت کے ہر بڑے ش کے بازار حسن سے گزرا تھا۔

لیکن ----

حسن کا جو مجسمہ اس کی آنکھوں میں جم گیا تھا۔ ایسا نظارہ اس نے اس سے پہلے کبھ نہیں کیا تھا۔ سانولے رنگ کی گہرے سیاہ آنکھوں والی یہ ناگن جس کے لانبے بال اس کی کم تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ گیروی رنگ کے کپڑے پہنے اور گلے میں بڑی سی مالا ڈالے اپ جسم سے بے نیاز بیٹھی تھی۔

اس نے جب ایک لمحے کے لئے رجسٹر سے آنکھیں اٹھا کر عالم شیر کی طرف دیکھا عالم شیر کو اپنے خون کا خمیر بدلتا محسوس ہوا۔

ایک سنسنی تھی جس نے اس کے جسم کے روئیں روئیں کو بیدار کر دیا۔ اسے اپنا آپ سنبھالنا مشکل دکھائی دے رہا تھا۔

اس پری جمال کے دائیں بائیں دو اور مہاراج سوامی کی چیلیاں بیٹھی تھیں۔ جو ک بھی طرح حسن و جمال میں اس سے کم نہیں تھیں۔

لیکن ----

عالم شیر کو یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ راستہ بھول کر حسن کے ایک ایسے جزیر میں آ گیا ہے۔ جہاں خوبصورت عورتوں کی حکومت ہے اور اس جزیرے کی ملکہ اپنی خادماؤں کے ساتھ اس سے ہم کلام تھی۔

"آپ کا شبھ نام"؟ ---- حسن کی دیوی کے ہونٹوں نے جنبش کی۔

"گگن دیپ ورما" ---- عالم شیر نے عالم ہوش میں واپس لوٹتے ہوئے کہا۔

"براہمن ہو" ---- ؟ دوسرا سوال ہوا۔

"جنم سے تو براہمن ہوں لیکن براہمنوں والے گن نہیں رکھتا۔" وہ سنبھل چکا تھا۔

"مہاراج کے چرنوں میں آنے کے بعد "گنی" بن جاؤ گے ---- تم صحیح ٹھکانے پر گئے ہو۔ سوامی جی کے چرنوں کی دھول اپنے ماتھے پر لگا لو ---- سارے روگ دھل جائیں گے۔ من اس طرح دھلے گا کہ کرودھ اور لوبھ کی ساری دھول تمہارے بدن سے جھڑ جا

گی۔ تازہ جنم لینے والے بچے کی طرح تمہاری آتما پوتر ہو جائے گی" ---- اسی سندری نے کہا۔

عالم شیر اس کی باتوں کو اس طرح دل لگا کر سننے کی اداکاری کر رہا تھا جیسے اس پر سحر طاری ہو گیا ہو۔

"کیا ایڈریس ہے ؟ ---- ساتھ بیٹھی دوسری کنیا نے پوچھا۔

"مہاراج سوامی کا بھگت ہوں سارا جیون ان کے چرنوں میں بیتانے آیا ہوں۔ یہی میرا صحیح ایڈریس ہے۔ آج سے پہلے کے تمام ایڈریس میں نے بھلا دیئے ---- یوں جانیئے کہ میرا نیا جنم ہوا ہے۔ میں اپنے جیون کا آغاز آج کرنے جا رہا ہوں آج جنماہوں میں ---- بس اب یہی میرا پتہ ٹھکانہ ہے" ---- عالم شیر نے مدہوشی کی اداکاری کی۔

"ہرے رام ہرے رام" ----

یہ کہتے ہوئے تینوں کنیاؤں نے قریباً جھومنا شروع کر دیا۔

"تمہاری مکتی ضرور ہو گی بھگت ---- ہمارے سوامی جی ہمارے بھگوان ہیں۔ ان کے چرنوں کی دھول میں تمہیں جیون کا آنند پراپت ہو گا ---- جیون کا صحیح ارتھ (مطلب) جان جاؤ گے ---- پرسن (پرباش) ہو جاؤ گے" ---- ساحرہ نے کہا جس کی آنکھوں میں عالم شیر کو اپنا آپ ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔

"آوشے ---- آوشے ---- (ضرور۔ ضرور) ہری اوم ---- ہری اوم ----"

عالم شیر نے آوازوں کے تعاقب میں دائیں ہاتھ کھلنے والے دروازے کی طرف نظریں گھمائیں تو ایک لمبے تڑنگے اور قدرے فربہ شخص کو اندر داخل ہوئے دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھ قیمتی جواہرات اور نگینوں سے لبریز تھے۔ پہلی نظر میں عالم شیر ان انگوٹھیوں کو نہیں گن پایا۔

گیروی رنگ کا لمبا چولا اور سر پر اسی رنگ کی پگڑی باندھے گلے میں لمبی مالا لٹکائے اس نے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی مالا پکڑ رکھی تھی۔ جس کے منکے چمک رہے تھے۔

"بھگوان آ گئے ---- سوامی جی مہاراج آ گئے" ---- کہتے ہوئے تینوں کنیائیں اس کے سامنے ڈنڈوت (کسی کے قدموں میں لوٹنا) کرنے لگیں۔

"بھگوان ---- سوامی جی مہاراج ----" کا نعرہ بلند کر کے عالم شیر بھی ان کی تقلید

مین سوامی مہاراج کے قدموں سے لپٹ گیا۔

"ہری اوم ---- ہری اوم ----" کا جاپ کرتا سوامی مہاراج اپنا ایک ہاتھ دعائیہ انداز میں ان کے سروں پر لہراتا دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔

سوامی مہاراج

"یہ شخص سوائے سوامی کے اور سب کچھ ہو سکتا ہے۔" اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی عالم شیر کے دل نے کہا۔

سوامی مہاراج کی آنکھوں میں اس وقت بھی شہوت اور شراب کا نشہ چمک رہا تھا۔ جسے ان کے بھولے بھگت ان کی شکتی کا چمتکار سمجھ رہے تھے۔ جس کنیا نے اس کا نام رجسٹر میں لکھا تھا اسے گیتا بجلی کہہ کر اس کی ساتھیوں نے مخاطب کیا تھا۔

واقعی وہ گیتا بجلی تھی ----

نغمہ و شعر کی کتاب ---- جس کے ایک ایک لفظ سے سر کے ساگر بہتے تھے جن میں کسی بھی بھگوان کے بھگت کا من بہتا چلا جاتا ---- !!

عالم شیر کے جواب اور سوامی مہاراج کی اچانک آمد نے اس کی خانہ پری مکمل کروا دی تھی۔ خدا جانے اس نے ایڈریس والے خانے میں کیا لکھا ہوگا۔ بہرحال یہ ضرور تھا کہ دوبارہ اس نے عالم شیر سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

یاتریوں کے لئے اس کمرے سے باہر نکلنے والے دروازے کے باہر مندر کے صحن میں عورتیں اور مرد مختلف ٹولیوں میں بٹے شاید روانگی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ عالم شیر نے باہر نکلتے ہی بشیر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تو ایک کونے میں اسے کوشلیا کے ساتھ کھڑے پایا۔

عالم شیر سمجھ گیا کہ بشیر نے کوشلیا کو شیشے میں اتار لیا ہے۔

عالم شیر کے وہاں پہنچنے پر بشیر نے اسے پہلی اطلاع یہی دی تھی کہ کوشلیا ان کی ہم سفر ہو گی۔ جس کا مطلب تھا کہ ان کا سفر قدرے محفوظ گزرے گا۔

کسی عورت کے ہم سفر ہونے کا مطلب یہی تھا کہ یہ کوئی کنبہ ہے۔ بشیر نے اس درمیان کوشلیا کو اس بات کا احساس دلا دیا تھا کہ اس کی بھاگ جانے والی "گھر والی" پر وہ لعنت بھیجتا ہے اور اسے زندگی بھر کوشلیا جیسی ہمدرد اور سمجھدار خاتون کی تلاش رہی ہے جو اب اسے مل گئی ہے۔

سارے یاتری مندر کے ہال میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ یہ مندر سوامی مہاراج کے آشرم سے منسلک تھا اور سال میں ایک دو ہفتے وہ یہاں بھی قیام کیا کرتے تھے----!!

اس بڑے ہال کمرے میں لوبان اور عود کی خوشبو مہک رہی تھی اور دیواروں پر مہاراج سوامی کے بڑے بڑے پورٹریٹ لٹک رہے تھے۔ سامنے ایک ہفت ہاتھ دیوی اپنا بڑا سا منہ کھولے بیٹھی تھی۔ پتھر سے بنی اس دیوی کی سجاوٹ پر خاصا روپیہ خرچ کیا گیا تھا۔

اس کے ہاتھ میں سونے کے کڑے پہنائے گئے تھے اور سر پر جو تاج تھا اس میں بھی قیمتی موتی جڑے تھے۔

سوامی مہاراج کی آمد سے پہلے گیتا نجلی نمودار ہوئی اس کے ساتھ وہی دونوں کنیائیں تھیں۔ جنہوں نے ہاتھوں میں دیویوں کی طرح "ترشول" اٹھا رکھے تھے ----

تینوں "ہری اوم ---- ہری اوم" کا جاپ کرتی اندر آئی تھیں۔ گیتا نجلی نے سارے مجمع کو شانت ہو جانے کی اپیل کی اور سوامی مہاراج کی آمد سے مطلع کیا۔

اگلے ہی لمحے لمبا تڑنگا سوامی مہاراج ان کے سامنے تھا۔ جیسے ہی وہ ایک دروازے سے نمودار ہوا۔

"سوامی مہاراج کی جے" کے زور دار نعرے بلند ہونے لگے۔

یہاں موجود تمام یاتری اس کے سامنے بالکل اس طرح سجدہ ریز ہو رہے تھے جیسے وہ ان کا بھگوان ہو۔

بشیر اور عالم شیر کو بھی بادل نخواستہ اپنی گردن جھکانی پڑی۔ احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھے ہوئے وہ ایک دوسرے سے فاصلے پر اس طرح بیٹھے تھے کہ دونوں ایک دوسرے کی نظروں

کے سامنے رہیں۔ ابھی تک انہوں کسی یاتری کو اپنے اکٹھے ہونے کا تاثر نہیں دیا تھا اور بالکل اسی انداز میں باتیں کر رہے تھے جیسے ایک ہی راہ کے دو مسافر آپس میں کیا کرتے ہیں۔

جیسے ہی عالم شیر نے اپنی گردن سیدھی کی اور اس کی آنکھیں بشیر کی آنکھوں سے ٹکرائیں تو بشیر نے اسے اشارے سے ہال کے ایک دروازے کی طرف متوجہ کیا۔

عالم شیر نے نظریں گھمائیں تو خوف کی ایک سرد لہر اس کے رگ و پے میں اتر گئی۔

اندر آنے والے پانچ چھ یاتریوں نے گو کہ سویلین لباس پہن رکھے تھے----

لیکن----

دونوں کی جہاندیدہ نظروں نے ان کی شناخت کر لی تھی----!

یہ بھارتی انٹیلی جنس کے اہلکار تھے----!!

شاید ان کا تعلق کسی مقامی "فیلڈ انٹیلی جنس یونٹ" سے رہا ہو گا اور اس اطلاع پر کہ دو خطرناک جاسوس اس علاقے سے فرار ہو گئے ہیں اس طرف نظر ڈالنے آ گئے تھے۔

ان کی آمد کے ساتھ ہی دونوں کی یہ غلط فہمی تو کم از کم دور ہو گئی تھی کہ انٹیلی جنس کا دھیان اس طرف نہیں جائے گا۔ انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس بڑی کایاں ہے اور وہ لوگ فرار کے ہر پہلو پر نظر رکھتے تھے۔

جس علاقے سے وہ پولیس کو چکر دے کر بھاگے تھے وہ یہاں سے تیس چالیس میل دور تھا۔ اور یوں بھی یہ سرحدی علاقہ نہیں تھا اس کے باوجود یہاں بھی انٹیلی جنس سرگرم تھی۔

اگر یہاں یہ حالت تھی تو ان لوگوں نے سرحدوں پر تو اپنا جال بچھا دیا ہو گا----!!

عالم شیر نے سوچا----

اس نے دل ہی دل میں بشیر کے مشورے پر عمل پیرا ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اندر آنے والے بڑی ہوشیاری سے الگ الگ ہو کر یاتریوں کے ہجوم میں پھیلنے لگے تھے۔

انہیں ہجوم میں پھیلتے دیکھ کر بشیر کوشلیا سے بالکل چپک کر بیٹھ گیا تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دونوں میاں بیوی بھگوان کے بڑے سچے بھگت ہیں اور بڑے خشوع و خضوع سے بھجن گا رہے ہیں جو سوامی مہاراج کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا اور سٹیج پر موجود گانے والوں کی ٹولی کے ساتھ ہم آواز ہو کر سارے یاتری گانے میں مصروف تھے۔

"عالم شیر کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا"۔

اس کے ساتھ بیٹھے ایک جوڑے کا بچہ بار بار کسی وجہ سے رونے لگتا اور وہ اسے ڈانٹ کر چپ کروا دیتے تھے۔ اچانک ہی ایک منصوبہ اس کے ذہن نے ترتیب دیا اور عالم شیر نے اس پر عمل پیرا ہونے کی ٹھان لی۔

اس نے دو ڈھائی سال کے اس بچے کو بڑے پیار سے پچکارا۔ ایک اجنبی اور ہمدرد کے اس طرح محبت سے بچے کو بہلانے کے انداز نے بچے سے زیادہ اس کے والدین کو متاثر کیا تھا۔

دراصل بچہ باپ یا ماں کی گود میں بیٹھنے کی ضد کر رہا تھا اور دونوں اس سے احتراز برت رہے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ بھی ان کے ساتھ زمین پر بیٹھے۔ عالم شیر نے بچے کو پیار سے پچکارتے ہوئے اپنی گودی میں بٹھا لیا۔

پہلے تو بچے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا پھر اس کے چہرے پر اپنے لئے محبت اور ہمدردی کے جذبات پاکر اس نے چپ سادھ لی۔ بچے کے والدین نے اس حرکت کا جواب مسکراتے ہوئے شکریہ ادا کر کے دیا تھا۔

"میرا بھانجا بالکل اتنی ہی عمر کا ہے۔ وہ بھی میرے ساتھ خوش رہتا ہے۔ اپنے ماتا پتا کے ساتھ نہیں۔"

اس نے بات آگے بڑھائی۔

"شکریہ بھائی صاحب مجھے دے دیجئے۔ آپ کو زحمت ہو گی" ---- نوجوان عورت نے کہا

"ارے نہیں بہن مجھے تکلیف اسے واپس کرنے پر ہوگی۔ میرا دل بھی ادھر گوگی میں اٹکا ہوا تھا۔ بہت محبت کرتا ہے۔ آپ یہ سمجھئے کہ آپ کا سفر آسانی سے کٹ گیا ---- کیا نام ہے اس کا" ----؟

"منوں" ---- اس کے باپ نے جواب دیا۔

"بس! منوں کو خوش رکھنا اب میری ذمہ داری ہے۔ آپ شانت ہو کر اور من لگا کر بھگوان کا پاٹھ کیجئے ----"

عالم شیر اتنی اپنائیت کا مظاہرہ کر رہا تھا کہ دونوں کے لیے سوائے اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے اور کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا۔

منوں کو اس نے بازو کے سہارے اپنے کندھے سے لگا کر باقاعدہ سہلانا شروع کر دیا تھا۔ جب تک سیکورٹی والے گہری نظروں سے لوگوں کا جائزہ لیتے وہاں تک پہنچتے۔ ننھا منوں عالم شیر کے زانوں پر اطمینان سے سو رہا تھا اور عالم شیر آنکھیں بند کئے۔ منوں کی ماں کے پہلوں میں بیٹھا "نام سمرن" (عبادت) کر رہا تھا۔

پہلی نظر میں جو کوئی بھی دیکھتا انہیں میاں بیوی سمجھتا۔ ایسے خاوند یہاں عام پائے جاتے تھے جو اپنی بیویوں سے خوفزدہ رہتے اور بچوں کو خود سنبھالتے تھے ----!

بالآخر ایک ایک کر کے انٹیلی جنس کے لوگ واپس چلے گئے ----

اس دوران بشیر کی نظریں مستقل ان پر لگی رہی تھیں۔ اس نے جب عالم شیر کو ایک بچہ اٹھائے دیکھا تو خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے بھی کوئی Cover میسر آگیا۔

بھارتی انٹیلی جنس والے سفید کپڑوں میں یہاں کوئی روپ بدل کر بھی آ سکتے تھے جہاں تک پولیس کا سوال تھا۔ پولیس کے کسی باوردی ملازم کی ہمت نہیں تھی کہ وہ سوامی مہاراج کے کسی آشرم کے نزدیک وردی میں پھٹک سکے۔

وہ جانتے تھے "سوامی مہاراج" کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں ----!!

ایک مرتبہ ایک ایس پی نے اپنے طور پر کوئی شک گزرنے پر سوامی مہاراج کی خفیہ انکوائری کے لیے اپنے ایک خاص انسپکٹر کو ہدایات دی تھیں کسی طرح یہ بات اعلیٰ افسران تک پہنچ گئی جس کے بعد ایس پی کی وہ درگت بنی تھی کہ اس نے اپنا تبادلہ یہاں سے تیسرے ضلع میں کروانے ہی میں عافیت جانی تھی ----!!

اس بات کا اندازہ انہیں نہ ہو سکا کہ انٹیلی جنس والے واقعی ان کی تلاش میں آئے تھے یا صرف عبادت کرنے ----!!

یاتری اب مندر کے باہر آ گئے تھے ----!!

تمام لوگ بھگوان نام کا جاپ کرتے اس بس کی طرف جا رہے تھے۔ جس نے انہیں یہاں سے شملہ لے جانا تھا جہاں مہاراج سوامی کا ہیڈکوارٹر تھا۔ دراصل یہ لوگ ایک طرح سے ایک مہینے کا چلہ کاٹنے جا رہے تھے۔

ایک مہینہ مہاراج سوامی کے آشرم میں گزارنے اور ان کے سنگ بھگوان نام کا جاپ کرنے کے بعد بہت سے دکھوں سے چھٹکارہ مل جاتا تھا۔ ان کی مکتی ہو جاتی تھی یہ تھا ان لوگوں کا عقیدہ، جس کی بنیاد پر وہ "سوامی مہاراج" کے آشرم کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

سوامی مہاراج نے اسی طرح کے اپنے آشرموں کا جال سارے بھارت میں پھیلا رکھا تھا وہ ہر دوسرے تیسرے مہینے ملک کے کسی بھی کونے میں موجود اپنے کسی بھی آشرم میں پہنچ جاتے جہاں اپنے بھگوان کو "رام نام سمرن" کروا کے ان کے دلوں میں اپنی عقیدت بڑھا کر ان کی جیبیں خالی کروا لیتے تھے۔ سوامی مہاراج نے اب سال میں دو تین ہفتے بیرون ملک بھی بسر کرنے شروع کر دیئے تھے لندن اور امریکہ میں اپنے آشرم قائم کرنے پر توجہ دینے لگے تھے کیونکہ ان کے چیلوں کی تعداد بیرون ملک بھی تیزی سے بڑھنے لگی تھی۔

مندر یوں تو عبادت گزاروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا لیکن مہاراج سوامی کے سنگ چلہ کرنے والوں کی تعداد چالیس پچاس کے درمیان ہی تھی جن میں ان کے دو نئے چیلے گگن دیپ اور ہنس راج بھی شامل ہو گئے تھے جو ان کی شہرت سن کر امرتسر سے یہاں آئے تھے۔

دونوں کی شادی کو تین سال ہوئے تھے۔ آنند ورما ایک بینک میں چھوٹا سا آفیسر تھا اور نیلم ورما ہسپتال میں نرس تھی۔ دونوں نے شادی سے پہلے ہی "بلایاترا" کی منت مان رکھی تھی اور سوامی مہاراج کے ساتھ چلہ کاٹنے کا ارادہ باندھا تھا۔۔۔۔!!

دو ڈھائی سال تک انہیں مہلت نہ مل سکی۔ جب دو سال کے بعد پے در پے مصائب نے گھیرنا شروع کیا تو کمزور عقیدے کے براہمنوں نے اس کا کچھ اور ہی مطلب نکال لیا اور یہی سمجھے کہ ایسا کچھ ان کے ساتھ شاید اسی لیے ہو رہا ہے کہ انہوں نے جو منتیں مانی تھی پوری نہیں کیں۔۔۔۔

بڑی مشکل سے دونوں نے ایک ایک ماہ کی چھٹی لی تھی اور اب بادل نخواستہ اس غلطی کا ازالہ کرنے جا رہے تھے جو انہوں نے منت مان کر کی تھی۔۔۔۔!!

گگن دیپ نے ان سے ساتھ اپنا تعارف ایک براہمن امیرزادے کے روپ میں کروایا تھا اور ان کی قدرے آزاد خیالی سے متاثر ہونے کے بعد انہیں کہا تھا کہ وہ کوئی ایسا "دھارمک" (مذہبی) بندہ نہیں ہے کہ ایک مہینے کے لیے بھگوان کا ہی ہو کر رہ جائے وہ تو یہ

سفر صرف بھگوان کی پوجا کرنے نہیں نکلا بلکہ اس بہانے اسے کچھ تبدیلی بھی نصیب ہو جائے گا اور ایڈونچر بھی ہو جائے گا۔۔۔۔

عالم شیر کا تیر نشانے پر بیٹھا اور اس نے محسوس کیا کہ دونوں میاں بیوی اس کی چکنی گفتگو سے متاثر ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ دونوں بھی باتوں سے پڑھے لکھے دکھائی دے رہے تھے۔ ننھے منوں کو اس نے مستقل کندھے سے لگائے رکھا تھا۔ حالانکہ اس کو تھکاوٹ کا احساس ہونے لگا تھا۔

لیکن۔۔۔۔!

ابھی وہ منوں کو خود سے الگ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اس مجمع میں بھی انٹیلی جنس کے لوگ موجود ہوں جو یاتریوں کو الوداع کہنے کے لیے اکٹھا ہو گیا تھا۔

یاتری ایک ایک کر کے بس میں سوار ہونے لگے تھے۔۔۔۔!!

دونوں میاں بیوی عالم شیر کے ساتھ ایک ہی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ اس معاشرے میں عورت اور مرد کا اکٹھے بیٹھنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بشیر جان بوجھ کر کوشلیا کے ساتھ بس کے پچھلے حصے میں دو سواریوں والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

"تمہارا ساتھی کہاں گیا"۔۔۔۔ کوشلیا کو جانے کہاں سے عالم شیر یاد آ گیا تھا۔

"اس کے نزدیک کے رشتہ دار مل گئے ہیں ان کے ساتھ بیٹھ گیا ہے۔ تم اس کی زیادہ فکر نہ کرنا بڑا بے وفا اور بددماغ آدمی ہے۔ چھ ماہ بعد اپنی محبوبہ بدل لیتا ہے۔ چار تو میرے سامنے تبدیل کر چکا ہے"۔۔۔۔ بشیر کے جواب پر کوشلیا اچانک اتنی زور سے ہنسی تھی کہ بس کی کچھ سواریوں نے گردن پھیر کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس حرکت کا نوٹس لیا تھا۔

اب وہ کھسیانی سی ہو کر بشیر پر بوجھ ڈال کر دوبارہ سنجیدہ ہو گئی۔

بس کے باہر موجود لوگ "سوامی مہاراج کی جے"۔۔۔۔ "بلا ماتا کی جے" کے جیکارے (نعرے) گلہ پھاڑ پھاڑ کر لگا رہے تھے۔

سوامی مہاراج نے بس کے اگلے دروازے سے داخل ہو کر اپنی سیوا دار کنیاؤں کی معیت میں چند سیکنڈ تک کچھ الٹے سیدھے شعر الاپے پھر دائیاں ہاتھ سیدھا کھڑے کر کے "

شانتی شانتی" پکارتے نیچے آ گئے---- وہ خود بذریعہ ہوائی جہاز شملہ جا رہے تھے---- البتہ ان کی سیوا دار تین چار کنیائیں یاتریوں کے ساتھ اسی بس میں موجود تھیں جنہوں نے تمام راستے ان کے ساتھ مل کر پاٹھ کرتے ہوئے سوامی مہاراج کے آشرم تک شملہ جانا تھا۔

گیتانجلی سوامی مہاراج کے ساتھ ان کے ذاتی ہوائی جہاز میں سفر کرتی تھی----!!

سوامی مہاراج اپنی قیمتی "ماروتی" کار میں براجے ان کے ساتھ دو سیوا دار کنیائیں بیٹھ گئیں جبکہ دوسری کار میں ان کے مسلح باڈی گارڈ موجود تھے دونوں کاروں پر ان کے مریدوں نے پھولوں کی پتیاں نچھاور کرنا شروع کر دی تھیں۔

سوامی مہاراج کی کاریں آگے بڑھیں۔

ان کی منزل "راجا سانسی" کا ہوائی اڈہ تھا جہاں سوامی مہاراج کا ذاتی چھوٹا جہاز کھڑا تھا جس میں بیٹھ کر وہ بھارت کے کونے کونے میں موجود اپنے پجاریوں سے رابطہ کرتے اور ان کو آنند اور مکتی دیا کرتے تھے۔

کاروں کی روانگی کے چند منٹ بعد "جے کاروں" کی گونج میں، بس نے اپنے سفر کا آغاز کیا---- مندر میں جمع ہونے والے ہجوم نے بس کے ساتھ ساتھ بھاگتے ہوئے اس پر پھول پھینکنے شروع کر دیئے تھے۔

جیسے ہی بس سٹارٹ ہوئی۔ سوامی مہاراج کی ایجنٹوں نے جو ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹوں پر قابض تھیں اپنے ہاتھوں میں پکڑے لوہے کے چمٹے اور چھنے بجاتے ہوئے بھجن الاپنا شروع کر دیا۔ بس کے مسافر ان کے ہم آواز تھے۔ عالم شیر نے محسوس کیا کہ اسی کی طرح مسٹر اور مسز ورما بھی بادل نخواستہ ہی آہستہ آہستہ گنگنا رہی تھیں۔

تینوں کو ڈر لگا تھا کہیں منوں دوبارہ نہ جاگ جائے----!!

یاتریوں کی بس مندر سے ملحقہ چھوٹی سی سڑک کے ذریعے فتح پور کے بازار کی طرف جا رہی تھی ابھی یہ لوگ امرتسر کی طرف جانے والی سڑک پر چند فرلانگ ہی آگے چلے تھے کہ اچانک ڈرائیور کو بس روکنا پڑی۔

یاتریوں کا جوش و خروش اب کچھ ٹھنڈا پڑنے لگا تھا۔

یہ "سی آر پی" کا ناکہ تھا----

بھارت کی سنٹرل ریزرو پولیس کی متعدد کمپنیوں نے سارے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور ہر آنے جانے والی بس کی تلاشی لینے کے بعد ہی اسے آگے جانے کی اجازت دیتے تھے۔ یہ بس سوامی مہاراج کے آشرم کی ملکیت تھی اور اس کے چاروں طرف گیروی رنگ کے بڑے بڑے بینر آویزاں تھے۔ عام پولیس کو شاید اس طرف توجہ دینے کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔

لیکن----

خدا جانے ان لوگوں کو کتنی سخت ہدایات ملی تھیں کہ "سی آر پی" والوں نے بس کے اندر نظر ڈالنا ضروری سمجھا۔ جہاں "بلا ماتا کے پجاری" بڑے انہماک سے بھجن الاپ رہے تھے دوسرے ہی لمحے بس کو جانے کی اجازت مل گئی۔

عالم شیر اس خوش قسمت گھڑی کو یاد کر کے خدا کا بار بار شکر ادا کر رہا تھا جب اس نے نزدیکی مندر سے اس یاتری کا اعلان سن لیا تھا اور اس کے ذہن نے فوراً اس سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی تھی۔ اسے اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ آج رات اور اگلے چند دنوں تک بھارتی انٹیلی جنس اس سارے علاقے کو اپنے محاصرے میں لیے رکھے گی اور اگر وہ یہیں رہ جاتے تو کسی بھی لمحے اپنی معمولی سی غلطی کے سبب دوبارہ قابو آ سکتے تھے۔

بس کا پہلا پڑاؤ پٹھانکوٹ تھا----!!

اس شہر سے بھارتی صوبے ہریانہ، ہماچل اور پنجاب کو شاہراہیں پھوٹتی تھیں۔ ان لوگوں نے یہاں سے شہر جانا تھا۔

سفر طویل تھا----

لیکن----

بہتر موسم کی وجہ سے مسافروں کو امید تھی کہ وہ وقت سے شملہ پہنچ جائیں گے۔

پٹھانکوٹ جب وہ لوگ پہنچے تو رات ڈھل چکی تھی۔

بس ڈرائیور نے صبح تک یہیں رکنے کا مژدہ سنایا اور مسافروں سے حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کا کہہ کر بس سے باہر چلا گیا۔ کچھ یاتری وہیں بس کی سیٹوں پر ٹک گئے اور کچھ باہر آ گئے۔

ننھا منوں بیدار ہو چکا تھا----

اس کے والدین کو عالم شیر نے اس کی فکر سے بے نیاز کر دیا تھا اور اب مسٹر اور مسز

ورما کے ساتھ بس سٹینڈ میں واقع اس "ڈھابے" (ایسا ہوٹل جہاں صرف سبزیاں اور دال پکائی جاتی ہے) کی طرف جا رہا تھا جہاں انہیں چائے پی کر خود کو تازہ دم کرنا تھا۔

بس سٹینڈ کے نزدیک کسی مندر کے سپیکر جاگنے لگے تھے۔

صبح کی آمد آمد تھی۔

مسافروں کی آمد و رفت میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ دونوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ بس سٹینڈ پر سیکیورٹی انتظامات بہت سخت ہیں سفید کپڑوں میں ملبوس پولیس اہلکار ہر مسافر پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

عالم شیر نے منوں کو گود اٹھائے رکھنا ہی مناسب جانا جبکہ بشیر کو شلیا کے اتنے قریب ہو کر چل رہا تھا جیسے انہوں نے کل ہی شادی کی ہو اور آج "بلا ماتا" کی یاترا کو چل دیئے ہوں۔

عالم شیر نے دونوں میاں بیوی کی "ناں ناں" کرنے کے باوجود چائے کے نام پر اچھے خاصے ناشتے کا آرڈر دے دیا تھا--- دونوں بہت جھجک کر کچھ کھا رہے تھے جبکہ عالم شیر انہیں بار بار کھانے کی ترغیب دے رہا تھا۔

ناشتے کے خاتمے پر وہ ہاتھ دھونے کے بہانے اٹھا اور کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کر آیا۔ گورمیل سنگھ نے ان کے لیے بڑی خطیر رقم کا بندوبست کر دیا تھا۔ یوں بھی اب وہ آزاد تھا اور جب چاہتا پیسے حاصل کر سکتا تھا۔ اس مرحلے پر اسے ان دونوں کی ہمدردی کی بہت ضرورت تھی اور ہندو معاشرے میں توجہ اور محبت حاصل کرنے کے لیے اس سے بہتر ہتھیار اور کوئی نہیں تھا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی بھائی صاحب--- آپ نے ہم پر بڑا بوجھ ڈال دیا۔" سانولے رنگ کی تیکھے نقوش والی مسز ورما نے کہا۔

"بھائی بھی کہتی ہو اور بوجھ بھی سمجھتی ہو۔" عالم شیر نے اس پر صدقے واری ہوتے جواب دیا۔

"ارے نہیں بھائی صاحب کچھ ہمارا بھی تو حق بنتا ہے۔" مسٹر ورما نے بھی حاضری لگائی۔

"آپ کی باری بھی آ جائے گی۔ فی الوقت گاڑی میں بیٹھئے۔ اس نے دونوں میاں بیوی

نہیں ہو گی--- عالم شیر تمہیں تو علم ہے کہ اچانک بھارت میں آزادی پسند تحریکوں نے زور پکڑ لیا ہے۔ خصوصاً پنجاب' مقبوضہ کشمیر' ہریانہ' ہماچل اور یوپی میں پولیس اور انٹیلی جنس نے بڑے سخت بندوبست کر رکھے ہیں--- ہمیں کم از کم ایک مہینہ یہاں گزارنا ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ ہم کوئی مضبوط کور Cover بنائے رکھیں--- تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہاں تک دوران سفر ہم کئی مرتبہ چیک ہوئے ہیں' یہ تو آشرم کی بس ہے اور سوامی مہاراج کی وجہ سے پولیس والے یاتریوں کو کچھ کہتے ڈرتے ہیں۔ عام بسوں کے مسافروں کو باہر نکال کر ان کی تلاشی لی جاتی ہے اور معمولی شک پڑنے پر ان کے سامان کی بھی تلاشی لی جاتی ہے۔ مجھے کوشلیا نے بتایا ہے کہ عام لوگ تو اب گھر سے نکلتے ہوئے خوفزدہ رہتے ہیں--- عالم شیر! پولیس کو دلی سرکار نے اتنے زیادہ اختیارات دے رکھے ہیں کہ خدا کی پناہ! معمولی شک گزرنے پر یہ لوگ کسی کو بھی گولی مار دیتے ہیں خواہ بعد میں وہ سچا ہی کیوں نہ نکلے---" بشیر نے اسے صورتحال کی نزاکت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ سوامی مہاراج ہم پر ہی شک نہ کرنے لگے"--- عالم شیر نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔

"یوں تو کچھ بھی ممکن ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ ہم دونوں کو یہاں کھڑے دیکھ کر کوئی پولیس والا ہی نہ آ جائے۔ لیکن اپنے ذہن سے سوچ کر میں نے بہترین راہ اپنائی ہے۔ تم بے فکر رہنا کوشلیا میرے ہاتھوں میں ہے اور میں اس بلا کا بہترین استعمال کروں گا"--- بشیر نے کہا۔

"ٹھیک ہے یوں بھی ہمیں خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنا ہے خدا کے بھروسے پر ہی آگے بڑھنا ہے--- اچھا اللہ بہتری کرے۔ میرے خیال ہے دونوں میاں بیوی جلدی واپس بھاگ جائیں گے۔ شاید آشرم میں ایک ہفتہ بھی نہ گزار سکیں۔ "بلایاترا" کر کے کھسک جائیں اس لیے ان کا سہارا بھی عارضی ہی ہے--- کوشش کرو ہمیں سوامی کے خاص طبقے تک رسائی حاصل ہو جائے"--- عالم شیر نے کہا۔

"انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا"----

بشیر نے دور ہی سے کوشلیا کو ہوٹل سے باہر آتے دیکھ لیا تھا اور اب وہ عالم ش ہدایات اگلے سفر کے متعلق دے کر کوشلیا کی طرف جا رہا تھا---

ئے جا رہا فرار کے

عالم شیر بس میں داخل ہوا تو اس نے فروٹ کا ایک تھیلا ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ ن منوں کی دلچسپی کا سامان اس سے سوا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر نظر پڑتے ہیں دونوں میاں بی پھر اس کی شخصیت سے متاثر ہو گئے۔

اوہو! یہ کیا بھائی صاحب---- آپ تو کمال کرتے ہیں"---- مسٹر ورما نے کھڑے کر اس کا استقبال کیا۔

"جو کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں"---- عالم شیر نے فروٹ اسے تھماتے ہو کہا---- "ابھی ہم نے لمبا سفر کرنا ہے' بچے کا ساتھ ہے راستے میں یہ کام آئے گا--- اور ہاں دیکھئے ورما جی! اب برائے مہربانی مجھے یہ احساس اپنی کسی بات سے نہ دلائیے کہ م اور آپ اجنبی ہیں مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے کسی پچھلے جنم میں ضرور مسز ورما سے میرا کوئ رشتہ رہا ہے۔ یہ آتما کا کسی کی طرف کھنچے چلے جانا یوں ہی نہیں ہوتا----"

اس کی بات کے خاتمے پر مسٹر ورما نے قہقہہ لگایا۔ شاید عالم شیر کو بھی سمجھ نہیں آئ تھی کہ اس نے کیا کہہ دیا ہے۔

مسز ورما کے چہرے پر پہلی معصومیت گہری ہو گئی تھی۔

اس کا سنولاہٹ پن مزید نکھرنے لگا تھا۔

عالم شیر کی بات سن کر اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ ساری رات مسلسل جاگنے اور کبھی کبھی اونگھنے سے اس کی سیاہ آنکھوں میں سرخ ڈورے اتر آئے تھے اور اس کا سانولا کتابی چہرہ بنگال کی ان "وش کنیاؤں" جیسا ہونے لگا تھا جن کا سارا جیون کسی آشرم کے سوامی یا مندر کے پروہت کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔

اور اس تشکر سے اس نے اپنی انکھیں مکمل کھول کر عالم شیر کی طرف دیکھا اور پھر انہیں جھکا لیا----!

آٹھ گھنٹے کے تھکا دینے والے سفر کے بعد بالآخر وہ تھکے ہارے شملہ پہنچ گئے---- اسی درمیان دونوں میاں بیوی الگ الگ سیٹوں پر باری باری سو کر قدرے نیند پوری کر چکے تھے۔ ننھا منوں کبھی سو جاتا اور کبھی جاگ پڑتا۔ لمبے سفر نے اسے اکتا دیا تھا۔

لگائی۔ لیکن----

"آپ پوشیدہ صلاحیتیں بروئے کار لا کر عالم شیر نے اسے سنبھالے رکھا تھا۔ راستے میں دو

تین جگہ رک کر انہوں نے کھانا کھایا اور چائے پی تھی۔ اس سارے سفر میں عالم شیر نے ان کا ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہونے دیا تھا۔ سفر کے خاتمے پر وہ عالم شیر سے اتنے زیادہ مانوس ہو چکے تھے کہ اسے اپنا ہی حصہ سمجھنے لگے تھے۔

شملہ شہر کے باہر ایک پہاڑی کے دامن میں مہاراج سوامی کا آشرم چالیس پچاس ایکڑ کے رقبے میں پھیلا ہوا تھا اور اب تمام یاتری بس سے اتر کر پہاڑیوں میں بنی سیڑھیوں کے ذریعے اسی طرف جا رہے تھے----

دوسرا روپ

انہوں نے دو کمرے آمنے سامنے لے لئے تھے۔

یہاں جدید سہولیات کے ساتھ سینکڑوں کمرے قطار در قطار موجود تھے۔ جہاں ملک کے کونے کونے سے سوامی مہاراج کے پیروکار آ کر قیام کرتے تھے۔ اس آشرم میں رہنے والوں کی جملہ ضروریات یہیں پوری کی جاتی تھیں۔ یاتریوں کو صبح شام سوامی مہاراج کے درشن ہوتے تھے جب وہ لیکچر دیا کرتے تھے۔ ان کے چیلے اور چیلیاں سوامی مہاراج کے تازہ مریدوں کو یوگا کے مختلف آسن بتایا اور ان کی پریکٹس کروایا کرتے تھے۔

ایک کمرے میں کوشلیا' بشیر اور عالم شیر ٹھہرے ہوئے تھے اور دوسرے کمرے میں مسٹر اور مسز ورما اپنے بچے کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ ننھا منوں عالم شیر کے ساتھ کچھ زیادہ ہی انس محسوس کرنے لگا تھا اور عالم شیر کو بادل نخواستہ ہی سہی دن کا کچھ حصہ ان کے ساتھ گزارنا پڑتا تھا۔

"بھائی صاحب آپ نے تو اس کی عادتیں خراب کر دی ہیں۔ اب یہ ہمارے لیے مصیبت بنا رہے گا"----

جانے کتنی مرتبہ یہ بات سانولے رنگ کی مسز ورما نے اسے کہی تھی۔

"بے فکر رہیے---- میں اب آپ کو چھوڑنے والا نہیں' وہاں فتح پور میں بھی آپ لگالی

"آپ آتا جاتا رہوں گا۔ ارے فاصلہ ہی کتنا ہے۔ ایک گھنٹے کا تو سارا سفر ہے۔"---- وہ

کوشلیا کو آشرم کے اس خاص حصے میں جانے کی اجازت تھی جہاں ان میں سے اور کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ یہ حصہ مہاراج سوامی کے خاص چیلوں کے لیے کھلا تھا۔ اس آشرم میں ایسی جگہیں بھی تھیں جہاں کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ ان جگہوں کے متعلق بہت سی کہانیاں اخبارات میں چھپتی رہتی تھیں۔

لیکن----

آج تک کسی کو یہ ہمت نہیں ہوئی تھی کہ کھل کر کچھ کہہ سکے۔

دونوں معمول کے مطابق دو تین دن سے صبح شام مہاراج سوامی کے لیکچر سنتے تھے عالم شیر نے تو اب یوگا کی مشقوں میں حصہ لینے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا----

آشرم چونکہ شہر سے کچھ فاصلے پر بنایا گیا تھا اس کا رابطہ ایک طرح شہر سے کٹا ہوا تھا۔ یوں بھی آشرم میں آنے والوں کو شہر میں گھومنے پھرنے کی مہلت نہیں ملتی تھی۔ ایک تو وہ خود پر اخلاقی پابندی عائد کر لیتے تھے کہ یہاں وہ "نام جاپ" کے لیے آئے ہیں۔ بھگوان کی بھگتی کرنے کے لیے آئے ہیں سیر کرنے نہیں آئے دوسرے یہاں آنے کے بعد انہیں کسی ضرورت زندگی کی کمی ہی محسوس نہیں ہونے دی جاتی تھی۔

آشرم پہاڑی سلسلوں کے درمیان بڑی مہارت سے کھڑا کیا گیا تھا۔ ایک طرف طویل و عریض درختوں کی قطاریں تھیں جسے ایک طرح کا جنگل ہی کہا جا سکتا ہے۔ باقی تینوں اطراف بے آباد پہاڑیاں تھیں البتہ چاروں طرف سے سڑکیں اس طرف ضرور آتی تھیں جو مہاراج سوامی نے اپنے اثر و رسوخ سے بطور خاص بنوائی تھیں۔

کوشلیا نے آج شام ہی انہیں مطلع کیا تھا کہ اس نے گیتا نجلی کو اعتماد میں لے کر ان کے متعلق اشارے کنائے سے بتایا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں جلد ہی مہاراج سوامی کی خدمت میں شرف باریابی حاصل ہونے والا ہے۔ انہوں نے سوامی مہاراج کو بے وقوف بنا کر اس کے ذریعے راجستھان کی سرحد سے نکلنے کے لیے ایک پلان بھی تیار کر لیا تھا۔ اگر یہ شخص غلط ہتھکنڈوں کے ذریعے دولت کے انبار لگا رہا تھا تو ان کا بہترین شکار ہو سکتا تھا۔

شام کے بعد عالم شیر آج پہلی مرتبہ بشیر کے ہمراہ ارد گرد کے حالات کا جائزہ لینے جا رہا تھا۔ دونوں نے اپنی تربیت کے مطابق کسی پیش آمدہ مشکل سے نمٹنے کے لیے فرار کے

راستوں کو پہلے سے مدنظر رکھا تھا۔

اس دروازے سے وہ اپنے کمروں کی مغربی سمت والے پہاڑی سلسلے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پہاڑیوں میں مختلف حصوں میں بنی آشرم کی بلڈنگوں کے اندر روشنی ہو رہی تھی۔ ان کے بائیں ہاتھ بالکل آخری کونے میں بنی ایک بلڈنگ کے اندر روشنی بہت مدھم تھی۔ دونوں نے ٹہلتے ٹہلتے اسی طرف جانے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ اس کونے سے اس طرف آنے اور جانے والے راستوں کا جائزہ لے سکیں۔

دونوں دبے قدموں ایک دوسرے کے تعاقب میں جا رہے تھے اچانک ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بشیر نے اسے روک دیا۔

"میرے خیال سے میں مخالف سمت کا جائزہ لوں تم اس طرف جاؤ۔ ہم دونوں کا اکٹھے ایک طرف جانا ٹھیک نہیں۔ اس طرح شک کیا جا سکتا ہے"۔۔۔۔ بشیر نے کہا۔

"ٹھیک ہے یہی مناسب رہے گا"۔۔۔۔۔ عالم شیر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

بشیر بلی کی طرح دبے قدموں چلتا دوسری سمت گھوم گیا۔۔۔۔

پہاڑی سلسلے میں اندھیرا پھیل رہا تھا اور سرچ لائٹس روشن نہ ہونے کے سبب یہاں اتنا اندھیرا ضرور تھا کہ قریب سے ہی کوئی نظر آ سکتا تھا دور سے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔۔۔۔ البتہ مختلف کونوں میں ہی عمارتوں سے کچھ روشنی چھن چھن کر ضرور باہر آ رہی تھی۔۔۔۔!!

عالم شیر اپنی دانست میں چوکنا ہو کر بڑی احتیاط سے قدم دھرتا اس طرف جا رہا تھا۔ اس وقت اس کے ذہن میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ وہ فرار کے راستوں کا جائزہ لے کر واپس آ جائے کیونکہ چاروں طرف سے پہاڑیوں میں گھرے اس آشرم میں کوئی بھی ناگہانی مصیبت آنے کی صورت میں انہیں کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کس طرف منہ اٹھا کر بھاگیں۔ سوائے اس راستے سے جس پر چل کر وہ یہاں آئے تھے' جہاں تین چار لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک لگائے گئے تھے جو رات کو مختلف اوقات میں بند کر دیئے جاتے تھے۔ یوں بھی اس راستے پر جگہ جگہ سوامی مہاراج کے حفاظتی دستے کے محافظ موجود رہتے تھے جو ملک کے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے اور یہاں مہاراج سوامی کے چیلے بن کر حکومت کی نظروں سے چھپے بیٹھے تھے۔

اچانک ہی ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز نے عالم شیر کو چلتے چلتے چونکا دیا۔

آشرم میں اس طرح کی بے ہنگم مغربی موسیقی اس کے لیے پریشان کن ضرور ہوتی اگر اس نے اس سے پہلے مہاراج سوامی کی شخصیت کے متعلق ایک رائے نہ قائم کر لی ہوتی۔

اپنی جبلت کے ہاتھوں مجبور اب وہ اس بلڈنگ کی طرف جا رہا تھا۔ جس کی کھڑکیوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ اس کی تیز نظروں نے ایک ایسے کونے کا انتخاب کر لیا تھا جہاں اپنے قدم جما کر وہ ایک روشندان سے اندر کے منظر کا نظارہ کر سکتا تھا۔

بڑی احتیاط سے قدم رکھتا بالآخر وہ اس جگہ تک پہنچ گیا۔۔۔۔ اب مضبوطی سے اپنے قدم جما کر وہ اس کمرے کے روشندان کے ذریعے اندر جھانک رہا تھا۔۔۔۔!! جہاں سے موسیقی کی لہریں بلند ہو رہی تھیں۔

یہ کمرہ شاید کسی پہاڑی ٹیلے پر بنایا گیا تھا کیونکہ اس کی چھت پہاڑی کی سطح سے ٹکرا رہی تھی جبکہ دوسری طرف اس کی کھڑکیاں جنگل کی طرف کھلتی تھیں۔ اس بڑے سے ہال نما کمرے کا محل و قوع ایسا تھا کہ عام حالت میں تو یہ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔

کمرے کے اندر کا منظر دیکھ عالم شیر کو اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔۔۔۔!!

اس کمرے میں مشرق بعید کے ممالک سے تعلق رکھنے والے پانچ آدمی سوامی مہاراج کے ساتھ بیٹھے داد عیش دے رہے تھے۔

ان کے ہاتھوں میں شراب کے جام پکڑے تھے اور سوامی مہاراج کی دیوداسیاں ان کے دل بہلانے کا اہتمام کر رہی تھیں۔ وہ سب نشے میں دھت تھے اور ہر ایک کے پہلو سے ایک نیم برہنہ سوامی مہاراج کی دیوداسی چمٹی ہوئی تھی۔

اچانک ہی عالم شیر نے یوں محسوس کیا جیسے کمرے کی ایک دیوار اپنی جگہ سے ہٹ رہی ہو اس کے بائیں ہاتھ والی دیوار تھوڑی سی سرک گئی تھی بالکل اسی انداز میں جیسے فلموں میں ہوا کرتا ہے اس خلاء سے روشنی پھوٹی اور اس مرتبہ جو منظر عالم شیر نے دیکھا وہ انسانی وحشت و بہیمیت کا ایسا مظاہرہ تھا کہ اسے اپنا آپ زمین میں دھنستا دکھائی دینے لگا۔

تین نوجوان لڑکیوں کو جن کے لباس تار تار تھے۔ مہاراج سوامی کے درندوں نے مہمانوں کے قدموں میں اس طرح دھکے دے کر پھینکا جیسے ان کی حیثیت یہاں موجود وحشیوں کے غلاموں کی سی ہو۔

یوں دکھائی دیتا تھا جیسے ان بدقسمت لڑکیوں کو یہ لوگ اپنی درندگی کی بھینٹ چڑھانے کے لیے کہیں سے اٹھا لائے تھے یا پھر ان کے عقل کے اندھے ضعیف الاعتقاد والدین نے انہیں مہاراج سوامی کی "سیوا دار" بنانے کے لیے مہاراج سوامی کے ان وحشی درندوں کے حوالے کر دیا تھا۔

لڑکیوں کے جسموں پر ضربات کے نشانات نمایاں تھے۔ شاید ان وحشیوں نے انہیں یہاں لانے سے پہلے اس گھناؤنے فعل پر آمادہ کرنے کے لیے ان پر تشدد بھی کیا تھا۔ عالم شیر محسوس کر رہا تھا کہ لڑکیوں پر اتنا جبر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے شاید سانس بھی نہیں لے پا رہی تھیں۔

دیوار اپنی جگہ واپس آ گئی----!

جو درندے انہیں یہاں پھینک گئے تھے وہ دیوار کے پیچھے اسی طرح غائب ہو گئے جیسے یکایک نمودار ہوئے تھے۔

ان بے کسی اور بے چارگی کی وحشت زدہ تصویروں کو دیکھتے ہی یہاں موجود ذہنی جنسی مریضوں نے وحشیوں کی طرح قہقہے لگانا شروع کر دیئے۔ یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے آدم خور جنگلیوں کو بڑی مدت کے بعد انسانی گوشت نصیب ہوا ہے----!!

اگلا منظر اس سے بھی زیادہ کراہت آمیز تھا جب زمین پر گری بے بس لڑکیوں پر یہاں پہلے سے موجود سوامی مہاراج کی برہنہ دیو داسیاں چیختی چلاتی ہوئی جھپٹ پڑیں انہیں سر کے بالوں سے پکڑ کر اٹھانا اور ان کے جسموں پر رہے سہے کپڑے پھاڑنا شروع کر دیئے۔

مظلوم اور مقہور لڑکیوں نے خوف اور دہشت سے چلانا شروع کر دیا۔ روتے ہوئے ان کے حلق سے ڈھنگ سے آواز بھی نہیں نکل پا رہی تھی۔

یوں لگتا تھا جیسے یہاں رومن اکھاڑہ لگا ہو----!!

سوامی مہاراج کی دیوداسیاں پاگلوں کی طرح چیخ چلا رہی تھیں۔ ان کی چیخوں نے مظلوم لڑکیوں کو مزید دہشت زدہ کر دیا تھا۔

اچانک سوامی مہاراج اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ہری اوم---- ہری اوم----

اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلنے کی دیر تھی کہ یہاں موجود وحشی خونخوار درندوں کی طرح

لڑکیوں پر جھپٹ پڑے----

وہ ان کے بدن پاگل کتوں کی طرح نوچ رہے تھے اور مہاراج سوامی کی دیوداسیاں معمولی مزاحمت کرنے والی لڑکی کو جکڑ کر شکاری کتے کے سامنے کر دیتی تھیں۔ اس منظر کو مزید دیکھنے کی تاب عالم شیر میں باقی نہیں رہی تھیں----

اس کا دماغ شل ہو رہا تھا----

کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے----

عالم شیر کو اپنے کانوں سے آگ نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

اسے یوں لگا جیسے وہ کسی آدم خور قبیلے کے جزیرے میں موجود ہو۔ سوامی مہاراج اور اس کی چنڈال چوکڑی اسے ایسی بدروحوں کی طرح دکھائی دے رہی تھی جو دن کو تو عام انسانوں کی شکل میں گھومتے ہیں اور رات کو خون پینے والی بلاؤں کا روپ دھار لیتے ہیں----!! عالم شیر بڑے مضبوط جسم اور دل و دماغ کا نوجوان تھا۔

لیکن----

پہاڑی سے اترتے ہوئے اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اسے اپنی آنکھوں میں جلن کا احساس ہونے لگا تھا۔

وحشت و بہیمت کے ایسے مناظر کسی ہندو سوامی کے آشرم ہی میں دیکھے جا سکتے تھے۔ انسانی بہیمت کی ایسی نظیر تو اسے درندگی کی تاریخ میں بھی نہیں مل سکتی تھی۔

اپنی دانست میں بہت چوکنا ہو کر وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا اس سرائے کی طرف جا رہا تھا جہاں سے وہ اس جہنم کی طرف آیا تھا۔ ابھی وہ بمشکل سات آٹھ قدم ہی چل پایا تھا جب اچانک ایک ٹارچ کی روشنی اس کے منہ پر پڑی۔

عالم شیر کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں----!!

چند سیکنڈ کے لیے تو وہ اندھا ہی ہو گیا----

لیکن----

جیسے ہی وہ کچھ دیکھنے کے لائق ہوا سامنے موجود شکل پر نظر پڑتے ہی اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی---- اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔

یہ گیتانجلی تھی----!!

عالم شیر نے اندازہ کر لیا کہ وہ پھنس چکا ہے اور معمولی سی کمزوری کا مظاہرہ اسے زن درگور کروا دے گا۔ اس نے دوسرے ہی لمحے خود کو سنبھال لیا---- یہ اس کی زندگی فیصلہ کن مرحلہ تھا اس نے گیتانجلی کو اپنی چرب زبانی سے اعتماد میں لینا تھا بصورت دیگر گ گھونٹ کر اسے مار دینا تھا اگر گیتانجلی کی مدد کے لیے کوئی آ جاتا یا اس کے ذریعے یہ با سوامی مہاراج تک پہنچ جاتی تو وہ عالم شیر کو کتے کی موت مار دیتے۔

اس نے چند لمحوں ہی میں اپنا اعتماد بحال کر لیا۔

کسی چوکنے چیتے کی طرح اب وہ ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیا تھا۔

"کیا کر رہے تھے تم یہاں؟" گیتانجلی کی آواز اس کے مضبوط ارادوں کی غماز تھی۔

"میرے خیال سے اب تم ٹارچ بجھا دو---- میں یہاں سے بھاگ تو سکتا نہیں لیکن ہم اطمینان سے بات ضرور کر سکتے ہیں---- اسی میں تمہارا بھی بھلا ہے اور میرا بھی"----

عالم شیر کے طویل اور بے مقصد جواب نے گیتانجلی کو چند لمحوں ہی کے لیے سہی بوکھلا ضرور دیا۔

"کون ہو تم"---- اس نے ٹارچ کا رخ زمین کی طرف کر دیا تھا۔

"تم مجھے جانتی ہو گیتانجلی"---- عالم شیر کا اعتماد بحال تھا---- "میں کون ہوں اس کا علم بھی تمہیں ہو چکا ہے لیکن میں اتنا گرا ہوا انسان نہیں ہوں کہ آدم خوری پر اتر آؤں مہاراج سوامی کی طرح"----

"زبان سنبھال کر بات کرو۔ سوامی مہاراج کے متعلق اپنے دل و دماغ میں بھی کوئی غلط بات سوچنے والوں کو بڑی اذیت ناک موت ملتی ہے"----

عالم شیر کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ گیتانجلی نے جتنا زور لگا کر یہ بات کہی ہے اس میں گیتانجلی کے دلی جذبات شامل نہیں۔

"میں جانتا ہوں پھر بھی اطلاع پہنچانے کا شکریہ۔ مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ جتنی خوبصورت اور باکمال عورت جو چاہے تو لاکھوں دلوں پر راج کر سکتی ہے۔ جو چاہے تو اس

ملک کی کسی بھی بڑی سے بڑی ہستی کے ساتھ شادی کر کے دولت، اقتدار، شہرت، عزت سب کچھ حاصل کر سکتی ہے---- میں جانتا ہوں کہ تمہیں کسی مجبوری نے ایسے وحشی درندے کے ساتھ رہنے پر مجبور کر رکھا ہے"----

"کس مجبوری نے---- کیا کہہ رہے ہو تم"---- گیتانجلی نے اب ٹارچ بجھا دی تھی۔

"بلیک میلنگ"---- عالم شیر نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"تت تم----"

"دیکھو گیتانجلی---- میں تمہارا دوست ہوں۔ میں نے تمہیں فتح پور میں پہلی مرتبہ نہیں دیکھا۔ میں نے آج سے تین ماہ پہلے تمہیں دیکھا تھا جب تم اسی آشرم میں آئی تھیں----" اس نے گیتانجلی کی بات کاٹ کر اس پر بھرپور نفسیاتی حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ میں نے کہا ناں کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ میری پوری بات سن لو پھر مجھے شوق سے گولی مار دینا----" عالم شیر نے اسے ایک پتھر پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا وہ خود بھی اس پتھر کے سامنے والے ایک پتھر پر بیٹھ گیا تھا۔

گیتانجلی نے کسی سحرزدہ معمول کی طرح اس کے حکم کی پیروی کی تھی۔

"ہاں گیتانجلی میں نے جس روز تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا اس روز سے میرا دل میرے قابو میں نہیں ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ تمہیں اپنا حال دل بتا دوں لیکن رعب حسن کے سامنے میری زبان گنگ رہی۔ یوں بھی میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں لیکن کب تک---- گیتانجلی میری زندگی میں درجنوں لڑکیاں آئیں اور چلی گئیں لیکن میں ایک لمحے کے لیے بھی تمہیں دل سے اتار نہیں سکا---- اور بے بس ہو کر کھنچا چلا آیا ہوں---- ہاں گیتا نجلی جان لو کہ میں تمہارے سوامی مہاراج پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں میں یہاں کسی یاترا کے لیے نہیں صرف تمہارا قرب حاصل کرنے آیا ہوں۔ اس کمرے تک جانے کا مقصد صرف تمہیں دیکھنا تھا۔ میں کل سے اس آشرم میں دھکے کھاتا پھر رہا ہوں کہ مجھے تمہارا ٹھکانہ معلوم ہو جائے---- گیتانجلی میں برا انسان ضرور ہوں لیکن وحشی نہیں---- میں نے زندگی میں دولت کسی پر جبر کر کے نہیں کمائی---- میں سمگلنگ کرتا ہوں لیکن انسانی

سے اپنی ہوس نہیں مٹاتا۔۔۔۔ تم نے پوچھا تھا یہاں کیا کر رہا ہوں۔ میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔۔۔۔ اچھا ہوا تم مل گئیں۔۔۔۔ میں تمہارے سوامی مہاراج کے کالے کرتوت دیکھنے نہیں نکلا اس کمرے میں جو کچھ میں نے دیکھا۔ وہ بالکل غیرارادی تھا۔ مجھے کسی سے کچھ نہیں لینا دینا۔۔۔۔ میں نے تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے اب جو سلوک چاہو میرے ساتھ کر لو۔۔۔۔ گیتا نجلی میں نے زندگی کے پانچ قیمتی سال سرحدوں کے آر پار سمگلنگ کرتے گزارے ہیں۔ میں کسی بھی صورتحال سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔۔۔۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں بزدل انسان ہوں میں چاہوں تو ابھی تمہیں اس راز سمیت جو تمہارے علم میں آگیا ہے دفن کر سکتا ہوں لیکن میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔۔۔۔ تم جو بھی سلوک میرے ساتھ کرو گی میں اس پر کبھی اف بھی نہیں کروں گا۔۔۔۔ تمہارا دل چاہے تو مجھے یہیں گولی مار دو۔۔۔۔ دل چاہے تو اپنے سوامی مہاراج کے سامنے پیش کر دو۔۔۔۔"

آخری کلمات ادا کرتے ہوئے اس نے اداکاری کی معراج کو چھو لیا تھا اور اپنی آواز ایسی گھمبیر بنالی تھی جیسے ابھی رو دے گا۔

اب وہ اس طرح مسکینوں کی طرح گردن جھکائے بیٹھا تھا جیسے ابھی اگر گیتا نجلی نے اسے حکم دیا تو اپنے ہاتھوں خود کو گولی مار لے گا۔

"تم پاگل ہو۔۔۔۔ احتیاط سے چلو ورنہ مارے جاؤ گے۔ تم ان لوگوں کے نزدیک کسی کیڑے مکوڑے جتنی اہمیت بھی نہیں رکھتے۔۔۔۔ سمجھے تم۔۔۔۔" گیتا نجلی بظاہر اسے ڈانٹ رہی تھی۔

لیکن۔۔۔۔

عالم شیر محسوس کر رہا تھا کہ اسی کے دل و دماغ میں ایک حشر برپا ہے اور وہ کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پا رہی۔

"تمہیں کس گدھے نے اس طرف آنے کا مشورہ دیا تھا۔۔۔۔ تمہیں کوشلیا نے نہیں بتایا میں کہاں بسرام کرتی ہوں۔۔۔۔ تمہارے متعلق تو اشارے کنائے سے بہت کچھ بتا گئی ہے مجھے۔۔۔۔ اسے کنٹرول کرو۔۔۔۔ تمہیں مروا دے گی وہ موٹی۔۔۔۔ تم!۔۔۔۔"

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ عالم شیر کو کیا کہے۔

عالم شیر نے جان لیا تھا کہ گیتا نجلی اندر سے ٹوٹ چکی ہے وہ مشرقی عورت کی کمزوری

سے بخوبی آگاہ تھا۔

"میں جانتا ہوں تمہارے دل و دماغ میں کیا الجھن چل رہی ہے۔ گیتا نجلی میں بھی نفسیات کا طالب علم ہوں۔۔۔۔ میں نے اپنے کالج میں ہمیشہ ٹاپ کیا ہے۔۔۔۔ میں پیدائشی برا انسان نہیں ہوں۔۔۔۔ اور جو تم نے جان لیا ہے اسے بھی میں برائی نہیں مانتا۔۔۔۔ تمہارے لیے دو ہی راستے ہیں یا میری محبت کو اپنالو۔۔۔۔ یا مجھے مار ڈالو۔۔۔۔"

عالم شیر نے بڑے ڈرامائی لہجے میں کہا۔

"تم۔۔۔۔ دیکھو گگن دیپ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ فی الوقت بھگوان کے لیے تم یہاں سے چلے جاؤ میں تمہاری منت کرتی ہوں۔ کسی بھی لمحے یہاں سوامی مہاراج کے حفاظتی دستے کا کوئی آدمی آ سکتا ہے۔۔۔۔ ان لوگوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ اس طرف کوئی چڑیا بھی پر مار سکتی ہے۔۔۔۔ اگر انہیں بھنک بھی لگ گئی تو تمہیں مار ڈالیں گے اور کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔۔۔۔ تم خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے کہ سوامی مہاراج کے ہاتھ کتنے مضبوط اور کتنے لمبے ہیں"۔۔۔۔ اب تم جاؤ۔ بس کوئی اور بات نہ کرنا"۔۔۔۔

"ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں جانے سے پہلے۔۔۔۔"

"کیا"۔۔۔۔؟

"کہ تم کم از کم دن میں دو مرتبہ مجھے اپنی شکل ضرور دکھاؤ گی"۔۔۔۔

"جاؤ گگن دیپ جاؤ۔۔۔۔ پاگل مت بنو۔۔۔۔"

گیتا نجلی اچانک اٹھ کھڑی ہو گئی تھی اس نے آہستہ سے عالم شیر کے کندھے پر دباؤ ڈال کر اسے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا تھا۔ جیسے ہی عالم شیر اٹھ کر کھڑا ہوا وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی پھر اچانک تیز تیز قدموں سے دوسری طرف چلی گئی۔

"خدایا تیرا لاکھ شکر ہے"۔۔۔۔ عالم شیر بڑبڑایا۔

ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا جب اپنے تعاقب میں اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ بجلی کی سی پھرتی سے وہ واپس گھوما۔

"بچ گئے بیٹا! برے پھنسے تھے۔ پر تمہاری چرب زبانی کام دکھا گئی۔۔۔۔ بڑے خوش قسمت ہو میاں۔۔۔۔"

یہ بشیر تھا۔۔۔۔!

"تم کہاں سے آن ٹپکے۔۔۔۔"

"میں نے اس سمت ٹارچ روشن ہوتے دیکھ لی تھی۔۔۔۔ میرے دل نے کہا تھا کہ تم قابو آ گئے ہو۔ اپنی دانست میں تو میں تمہاری مدد کو آیا تھا کہ اگر ایک دو بندوں نے تمہیں قابو کیا ہے تو ان سے مل کر نمٹ لیں۔۔۔۔ لیکن یہاں کا منظر دیکھ کر اپنی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہا۔۔۔۔ بھئی کمال کے اداکار ہو۔۔۔۔"

بشیر نے اسے داد دی۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔

بشیر محسوس نہ کر سکا کہ آج اس کا دوست عالم شیر کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آ کر اپنی اداکاری میں کچھ حقیقت کا رنگ بھی بھر گیا تھا۔ عالم شیر کو احساس ہوا کہ اس نے گیتا نجلی کو جو کچھ کہا تھا ضرور اس میں کوئی بات اس کے دلی ارادوں کی نمائندگی بھی کر رہی تھی۔ گیتا نجلی کے چلے جانے کے بعد اسے واقعی یوں لگا جیسے اس نے گیتا نجلی سے سچ کہا ہو کہ وہ تو یہاں صرف اور صرف اس کے لیے آیا تھا۔

"یار اس موٹی کو ذرا قابو میں رکھو۔۔۔۔ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں"۔۔۔۔ عالم شیر نے حقائق کی دنیا میں لوٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں کچھ کرنا ہو گا"۔۔۔۔ بشیر نے اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

دونوں چپ چاپ اپنے کمروں تک آ گئے تھے۔۔۔۔!

رات کا اسرار گہرا ہونے لگا تھا۔

شملہ کی ٹھنڈک گو کہ ابتدائی مراحل میں تھی لیکن برف کی طرح جسم کو کاٹتی تھی۔۔۔۔

دونوں چپ چاپ اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئے۔ خیریت گزری کہ کوشلیا ابھی نہیں آئی تھی ورنہ وہ سوالات کر کے ان کا ناک میں دم کر دیتی۔

عالم شیر نے اپنی دانست میں گیتا نجلی کو قابو کر لیا تھا۔

لیکن۔۔۔۔

ساری رات انہیں دھڑکا لگا رہا۔ عین ممکن تھا کسی بھی لمحے گیتانجلی کا ارادہ بدل جاتا اور وہ سوامی مہاراج کے غنڈے جو پجاریوں کے روپ میں یہاں موجود تھے ان کی جان کو آ جاتے۔۔۔۔!

صبح انہوں نے معمول کی عبادات میں شرکت کی یہاں گیتانجلی بھی موجود تھی۔ عالم شیر کے ساتھ اس کی نظریں جب بھی دوچار ہوتیں وہ مسکرا کر نظریں دوسری طرف پھیر لیتی۔

اس صورت حال نے دونوں کو قدرے مطمئن کر دیا تھا بصورت دیگر دونوں نے آج ہی یہاں سے نکل جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔

عبادات کے بعد تمام پجاریوں کے ساتھ وہ بھی لنگر میں چلے گئے۔۔۔۔

یہاں پجاریوں کو "بھوجن" دیا جا رہا تھا۔۔۔۔

مہاراج سوامی کی داسیاں ہر پجاری کے سامنے تھالی رکھ کر اس میں کھانے پینے کی چیزیں رکھ رہی تھیں۔

لنگر تقسیم ہو چکا تھا لیکن ابھی تک کسی نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ "بھوجن" کا آغاز ابھی نہیں ہوا تھا۔ جیسے ہی مہاراج سوامی نے وہاں "پرویش کیا" (قدم رکھا) پجاریوں نے "ہری اوم۔۔۔۔ ہری اوم" کے جیکارے بلند کئے اور مہاراج سوامی کے اشارہ کرتے ہی بھوجن پر ٹوٹ پڑے۔

بھوجن کے خاتمے پر تمام بھگتوں کو ایک ہال کمرے میں جمع ہونے کو کہا گیا یہاں مہاراج سوامی ان کے ساتھ خصوصی بات چیت کرنے جا رہے تھے۔۔۔۔!!

سوامی جی نرم گدیلوں سے مزین ایک تخت پوش پر بیٹھ گئے اور ان کے عقیدت مندوں نے ان کے سامنے فرش پر بچھی دریوں پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ سوامی مہاراج کے سامنے اپنی نظر اٹھانے کی جرات بھی نہیں کر سکتے تھے۔۔۔۔

آج کے "بھاشن" میں سوامی جی نے بطور خاص اپنے "بالکوں" سے کہا تھا کہ وہ اس آشرم کے ڈسپلن کی ہر طرح پابندی کریں اور یہاں کے کسی اصول کی خلاف ورزی نہ کریں یہ ان کی تربیت کے لیے ضروری تھا کیونکہ سوامی جی کے ساتھ رہ کر اگر انہوں نے زندگی میں نظم و ضبط نہ اپنایا تو پھر ان کی ساری بھگتی بیکار جائے گی۔

"کہیں اسے کوئی شک تو نہیں پڑ گیا۔۔۔۔" عالم شیر نے بشیر کے کان میں سرگوشی کی

"خاموش رہو----" بشیر نے اشارے سے یہاں موجود باقی یاتریوں کی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر تک دونوں کا مغز چاٹنے کے بعد سوامی مہاراج اپنے سنگھاسن سے اٹھے اور جس دروازے سے اندر آئے تھے اسی کے راستے باہر چلے گئے----!!

یاتری بھی اپنے کمروں میں واپس لوٹ آئے----

یہاں کے رواج کے مطابق سوامی مہاراج باری باری سب کو درشن دیتے تھے۔ اور ان کے آشرم میں آنے والے نئے مریدوں سے بھی وہ الگ الگ ملاقات کرتے تھے۔

ابھی انہیں اپنے کمرے میں بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی جب موٹی کوشلیا وہاں آگئی۔

"آج سوامی مہاراج تمہیں درشن دیں گے"---- اس نے آتے ہی اپنی دانست میں انہیں خوشخبری سنائی تھی۔

دونوں ایک لمحے کے لیے بھونچکا کر تو رہ گئے----!

ابھی تک وہ ذہنی طور پر اس صدمے کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے۔ قریباً آدھ گھنٹہ تک انہوں نے بڑی ردوقد کے بعد ایک کہانی گھڑی جو اچانک ملاقات کی صورت میں انہوں نے سوامی جی کے گوش گزار کرنی تھی۔

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ ہمارا اندازہ غلط ثابت ہو"---- کہانی سوچنے کے بعد بشیر نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں---- اب اس مفروضے کی گنجائش نہیں رہی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے اگر میں نے نہ دیکھا ہوتا تو اس لائن پر سوچا جا سکتا تھا۔"

ابھی دونوں کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش ہی کر رہے تھے جب گیتا نجلی انہیں لینے کے لیے وہاں آگئی۔ "سوامی مہاراج نے آپ کو یاد کیا ہے۔" گیتا نجلی نے عالم شیر سے نظر ملائے بغیر کہا۔

"ہمارا سوبھاگیہ (خوش قسمتی) ہے"---- عالمی شیر نے جواب دیا۔

گیتا نجلی کچھ اور کہنے کے بجائے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گئی۔

دونوں تھوڑی دیر بعد مہاراج سوامی کے حضور حاضر تھے۔ مہاراج سوامی نے انہیں جس کمرے میں بلایا تھا۔ اس کی سج دھج دیکھ کر دونوں کو بخوبی اندازہ ہو گیا کہ کوشلیا کے

ذریعے جو کہانی انہوں نے مہاراج سوامی کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش کی تھی وہ ان کی مرضی کے مطابق پہنچ چکی ہے۔

دونوں نے جھک کر مہاراج کی قدم بوسی کی۔

"ہرے اوم---- ہرے اوم----" مہاراج سوامی نے دونوں کو اٹھنے اور سامنے والی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کون ہو تم لوگ اور یہاں کیوں چلے آئے ہو"---- انہوں نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

"آپ کے چیلے ہیں مہاراج۔ من کی شانتی کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔" عالم شیر نے کہا۔

"تن کی شانتی ہے تمہارے پاس؟"---- مہاراج نے براہ راست عالم شیر کی آنکھوں میں دیکھا تو اسے اپنے بدن کو بجلی کے کرنٹ کا جھٹکا لگنے کا احساس ہوا۔

"آپ تو دلوں کا حال جانتے ہیں۔ آپ سے تو کچھ چھپا نہیں"---- اس مرتبہ بشیر نے کہا۔

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم خفیہ پولیس کے آدمی ہو۔" سوامی نے اچانک ہی انہیں بوکھلا دیا۔

"آپ جانتے ہیں مہاراج کہ یہ ممکن نہیں-----" بشیر نے کہا۔

"پھر تمہارا ساتھی چھپ کر کیا دیکھنے گیا تھا"---- اچانک ہی سوامی نے اس کے سر پر ہتھوڑا برسایا---- "شاید تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ اس عمارت کے کسی بھی ایک حصے سے دوسرے حصے کی طرف جانے والے کی مکمل حرکات پر ہماری نظر ہوتی ہے یہاں شارٹ سرکٹ کیمروں کا خفیہ جال بچھا ہے---- تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ کسی بھی حساس نوعیت کے کمرے کے نزدیک تم محفوظ ہو----"

ایک لمحے کے لیے تو زمین عالم شیر کو پاؤں تلے سرکتی محسوس ہوئی۔

"جانتے ہو میرے لیے دو ہی راستے تھے ایک تو یہ کہ تم دونوں کو ابھی کتے کی موت مروا ڈالوں---- اور دوسرا یہ کہ تمہیں اس گناہ کے پراشچت (کفارہ) کا موقعہ دوں----" مہاراج سوامی نے کہا۔

کمرے میں تینوں کے علاوہ ایک اور شخصیت بھی موجود تھی اور وہ گیتا نجلی تھی جو ایک کونے میں سر جھکائے مہاراج کے اگلے حکم کی منتظر بیٹھی تھی۔

"آپ جانتے ہیں سوامی کہ ہم یہاں کسی بڑے دھندے کی تلاش میں آئے تھے۔ ہم سرحدی علاقوں میں کام کرتے کرتے تنگ آ چکے ہیں اور اب انٹرنیشنل بزنس میں آنا چاہتے ہیں---- ہمیں امید تھی کہ اگر آپ کی آشیرواد مل جائے تو ہم ضرور دل کی مراد پالیں گے----"

عالم شیر نے سنبھل کر کہا۔

"کیا کر سکتے ہو تم؟" سوامی نے ان کو نظروں ہی نظروں میں پرکھنا چاہا۔

"ہم نے گذشتہ سال بزنس میں بہت نقصان اٹھایا ہے۔ کچھ قرضہ ہمارے سر پر ہے دوسری طرف کا---- لیکن ہم اب بھی اس پوزیشن میں ہیں کہ سرحد پار سے اپنی مرضی یا آپ کے حکم کے مطابق مال حاصل کر سکیں۔" بشیر نے کہا۔

"تم نے ایڈریس غلط لکھایا تھا----" سوامی نے نجانے ان کے لیے کتنے داؤ ابھی سنبھال رکھے تھے۔

"آپ جانتے ہیں اس بزنس میں اصل ایڈریس نہیں لکھایا جاتا۔" عالم شیر نے فوراً ہی کہا۔

سوامی نے دونوں کی طرف دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا دکھائی دے رہا تھا۔ اس درمیان گیتا نجلی نے ایک دو مرتبہ نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا لیکن جیسے ہی اس کی نگاہیں عالم شیر سے ٹکراتیں وہ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیتی۔

قریباً ایک ڈیڑھ منٹ بعد جب ان دونوں کو یقین ہو چلا تھا کہ ان کے دلوں کی بے قابو دھڑکنیں اچانک رک جائیں گی اور دونوں کی موت واقع ہو جائے گی اچانک ہی گیانی نے آنکھیں کھول دیں۔

"میں اپنے دوستوں اور دشمنوں کو ایک موقعہ ضرور دیا کرتا ہوں۔ یوں بھی مجھے بندھا ہوا شکار مارنے میں مزا نہیں آتا---- تم دنیا کے کسی بھی کونے میں اگر مجھ سے بغاوت کا تصور بھی کرو گے---- مارے جاؤ گے---- اگر یہاں اچھے من سے آئے ہو تو بامراد لوٹو

گے۔ اگر تمہاری نیت میں کوئی فتور ہے تو بچ نہیں پاؤ گے---- اور ہاں یہ بات شاید تمہارے لیے نئی نہ ہو کہ میرا دوسرا روپ دیکھ لینے والے کو ہر وقت اپنی زبان اور آنکھیں میری طرف سے بند رکھنی پڑتی ہیں---- اگر تم اس ملکوں کی سڑکوں پر چیخ چلا کر بھی یہ کہتے رہو کہ میں شیطان ہوں تو کوئی گدھا تمہاری باتوں پر یقین نہیں کرے گا---- ہمارے بدیسی (غیر ملکی) دوست چاہتے ہیں کہ اب ہم "پاؤڈر" کا کام کریں---- ہمیں سرحد پار سے ہیروئن چاہئے۔ میں تمہیں صرف دو باتوں کی گارنٹی دیتا ہوں جب تک میرے وفادار رہو گے---- فائدے میں رہو گے۔ تمہاری ہوا کی طرف بھی کوئی نہیں دیکھے گا---- لیکن جیسے ہی تمہارا دماغ خراب ہوا۔ ہوائیں تمہیں ڈس لیں گی---- اور دوسری گارنٹی یہ ہے کہ اگر اپنے دعوے کے مطابق تم نے ہمارا ضرورت پوری کرنے کا اہتمام کر دیا تو چند پھیروں کے بعد ہی تم اتنے دولت مند ہو جاؤ گے کہ دنیا تمہارے قدموں تلے مختصر ہونے لگے گی----"

"جے ہو مہاراج کی---- مہاراج سوامی جی کی جے ہو"---- دونوں نے زندگی کی نوید ملنے پر مہاراج سوامی کے قدموں میں گرنے کی شاندار اداکاری کی۔

نئی آفت

سوامی مہاراج نے تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کے مزید کچھ نہ کہنے کے باوجود دونوں سمجھ گئے تھے کہ انہیں اس ملاقات کا تذکرہ کسی سے نہیں کرنا۔ یہ بات دونوں کے دل میں کہیں موجود تھی کہ اگر سوامی نے عالم شیر کو کمرے میں تانک جھانک کرتے واقعی اپنے خفیہ کیمروں کی مدد سے دیکھ لیا تھا تو انہیں یوں ہی زندہ نہیں چھوڑ دیا گیا۔ شاید سوامی مہاراج کو ہیروئن کی ضرورت تھی اور سرحد پار اس نے ابھی کوئی رابطہ نہیں بنایا تھا۔ عین ممکن ہے کہ وہ ان دونوں کو اس سلسلے میں کار آمد جان رہا ہو----

یہ بھی تو ممکن تھا کہ اس نے ان پر اپنا نفسیاتی دباؤ بڑھانے کے لیے انہیں زندہ چھوڑ دیا ہو۔

سوامی مہاراج انہیں باور کروانا چاہتا تھا کہ دونوں کے جان لینے کے باوجود کہ اس کی اہمیت کیا ہے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

وجہ کچھ بھی رہی ہو---- دونوں نے وہ رات قدرے پر سکون گزاری۔ اب انہیں سوامی مہاراج کی آشیرواد حاصل ہو گئی تھی اور یہاں سے پاکستانی سرحد تک وہ آسانی سے پہنچ سکتے تھے۔

جس کے بعد راستہ انہیں خود بنانا تھا----

انہیں اس آشرم میں دس دن ہونے کو آ رہے تھے اور دونوں کو امید تھی کہ اب

سرحدی علاقے میں ان کی تلاش پہلے کی طرح زور شور سے جاری نہیں رہی ہو گی اور دشمن نے یہ باور کیا ہو گا کہ وہ سرحد پار کر چکے ہیں۔

اگلے روز پھر سوامی مہاراج نے انہیں شام کے بعد اپنے اسی کمرے میں بلایا جہاں اسے ایک مرتبہ غیر ملکیوں کے ساتھ عالم شیر نے دیکھا تھا۔

شام ڈھل رہی تھی جب گیتا نجلی انہیں لینے کے لیے آئی۔ اس نے صرف سوامی مہاراج کا پیغام ہی پہنچانے پر اکتفا کیا تھا اس سے زیادہ کچھ نہ کہا۔ اس کی مسلسل خاموشی نے عالم شیر کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔

"تم ناراض ہو مجھ سے" اس نے چلتے ہوئے گیتا نجلی سے پوچھا۔

"نہیں"---- مختصر سا جواب ملا۔

"پھر بات کیوں نہیں کرتی تم----"

"میں نے سوامی جی کو کچھ نہیں بتایا تھا لیکن میں نے تمہیں کہا تھا کہ اس آشرم میں کچھ بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ بھگوان کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ جب تم واپس لوٹ رہے تھے تو میری ملاقات بھی تم سے ہوئی تھی---- مجھے امید ہے کہ یہ بات ان تک نہیں پہنچے گی---- کوشلیا سے خبردار رہنا"---- گیتا نجلی نے پہلی مرتبہ رک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تم گھبرا رہی ہو---- اتنی پریشان کیوں ہو حالانکہ پریشان تو ہمیں ہونا چاہیے تھا"---- عالم شیر نے کہا۔

"میں---- تم اس بات کو نہیں سمجھو گے۔ مجھے الجھن ہو رہی ہے"----

"اسی بات پر----"

"تم نے اسی روز سوامی جی کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا تھا۔ کیا وہ صرف مجھے پرکھنے کے لیے کہہ رہے تھے----" گیتا نجلی نے بالآخر دل پر پتھر رکھ کر کہہ ہی دیا۔

"نہیں گیتا نجلی---- وقت آنے پر تم پر ساری حقیقت واضح ہو گئی تو شاید تم سمجھ پاؤ۔ ہمیں اس مرحلے پر سوامی کی مدد درکار ہے"---- عالم شیر نے صفائی پیش کی۔

"ایک بات تو میرا دل بار بار مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تم وہ نہیں جو نظر آ رہے ہو"---- گیتا نجلی نے اچانک ہی یہ بات کہہ کر ایک لمحے کے لیے تو دونوں کے دلوں کی

دھڑکنوں کو بے قابو کر دیا تھا۔

"کون ہیں ہم؟"

اس مرتبہ بشیر نے اپنی تسلی چاہی۔

"تم جو کوئی بھی ہو---- ابھی میں کچھ نہیں بتاؤں گی---- لیکن وقت آنے پر تم جان لو گے کہ مجھے بھی تمہاری اصلیت کا علم تھا۔"

گیتا نجلی نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

"تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے---- بھئی ہم نے کب چھپائی ہے اپنی حقیقت۔ ہم اچھے لوگ نہیں ہیں---- برے لوگ ہیں۔ سمگلر ہیں، پولیس سے جان چھپائے پھر رہے ہیں۔" عالم شیر نے وضاحت کی۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو---- اور اب خاموش ہو جاؤ یہاں کی دیواروں کے ہی نہیں درختوں اور پتھروں کے بھی کان ہیں"----

گیتا نجلی نے انہیں حقائق کی دنیا میں واپس لاتے ہوئے کہا۔

دونوں خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

اب واقعی وہ "حساس علاقے" میں داخل ہو رہے تھے کیونکہ یہاں کچھ "شردھالو" (عقیدت مند) پہرے پر موجود دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے کندھے سے جدید آٹومیٹک رائفلیں لٹک رہی تھیں۔ گیتا نجلی جہاں سے بھی گزرتی وہ سب اپنی نظریں جھکاتے ہوئے اس کی طرف دونوں ہاتھ باندھ کر اسے "نمسکار" کہتے تھے۔ تینوں بالآخر اسی دروازے تک پہنچ گئے جہاں سے گیتا نجلی کو واپس لوٹ جانا تھا۔

"پدھاریئے (چلئے)---- اس نے دونوں کو ہاتھ کے اشارے سے دروازے کی طرف بڑھایا۔

عالم شیر نے دروازے کے اوپر ایک کیمرہ نصب دیکھ لیا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس دروازے کے آگے کھڑے ہونے والے ہر شخص کی تصویر اندر دکھائی دیتی ہے۔

دونوں نے گیتا نجلی کو "دھنواد" (شکریہ) کہا اور آگے بڑھ گئے۔

دروازہ شاید اندر سے آپریٹ ہوتا تھا انہوں نے جیسے ہی اسے ہاتھ لگایا دونوں پٹ کھل گئے۔ دونوں اندر داخل ہو گئے۔

کمرے کے اندر کا ماحول راجا اندر کے اکھاڑے جیسا تھا----!!

یہاں دنیا کی تمام پرتعیش سہولیات موجود تھیں۔ سب سے بڑا شیطان سوامی مہاراج اپنے گیروی رنگ کے چولے اور گلے میں موجود بڑی سی مالا سمیت سامنے صوفے پر براجمان تھا۔ اس کے پہلو میں حسب معمول دو سندریاں موجود تھیں اور گیانی کے سامنے والی ٹرالی پر ولایتی شرابوں کا انبار لگا تھا۔

دونوں نے اندر داخل ہوتے ہی دل پر جبر کر کے گیانی مہاراج کے چرن چھوئے اور ایک طرف باادب ہو کر کھڑے ہو گئے۔

"بیٹھ جاؤ----" اس نے ہاتھ سے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا پیو گے---- جن، سکاچ، وہسکی-----" دونوں کے بیٹھتے ہی سوامی مہاراج نے اچانک حملہ کیا۔

"آپ تو انتریامی (دلوں کا حال جاننے والا) ہیں مہاراج---- جانتے ہیں کہ آپ کے دونوں داس (غلام) وچن دے کر اس کو چھوڑ گئے ہیں---- دیوی ماں کے چرنوں میں ہم نے وچن دیا تھا کہ اگر اس نے ہمیں بچالیا تو ہم شراب کو ہاتھ نہیں لگائیں گے"---- بشیر نے کہا۔

گیانی مہاراج نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس کے ساتھ موجود دونوں فاحشاؤں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھنا شروع کر دیا۔

بشیر نے شراب سے جان بچانے کے لیے بڑی شاندار چال چلی تھی اور اسے "انتریامی" کہہ کر بال اسی کے کورٹ میں پھینک دی تھی۔

"ٹھیک ہے---- لیکن جلدی تم اس وچن کا پرسچت نہ کر دینا"---- سوامی مہاراج نے اپنا دایاں ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

"ضرور مہاراج ضرور کریں گے----- ہم بھی گوشت پوست کے انسان ہیں، اپنا من قابو میں نہیں رہتا---- کالی ماں کے چرنوں میں بھلے دس بکروں کی بلی چڑھانی پڑے۔ آخر اس "سوم رس" (جنت کے شربت) سے محرومی کب تک قابل برداشت ہو گی۔" عالم شیر نے اپنی چرب زبانی کا مظاہرہ کیا۔

"ہرے اوم---- ہرے اوم----" سوامی مہاراج نے ان کی روانگی کے فوراً ہی بعد کہا اور اپنے سامنے رکھا آدھا گلاس ایک ہی سانس میں چڑھا لیا۔

"سمے (وقت) آگیا ہے شردھالوؤ کہ تم میدان میں اترو---- پورن ماشی کی رات نے دیوی ماں کے چرنوں میں بیٹھ کر ان سے اجازت مانگ لی ہے۔ وہ شبھ گھڑی جس کا انتظار تھا آ گئی ہے---- تم ہمارے بالکیے بن کر ایک سرحدی علاقے کی طرف جاؤ گے---- ہمارے آشرم کی گاڑی میں---- پرچار کرنے کے لیے---- دھرم کا پرچار کرنے کے لیے---- وہاں تمہاری ملاقات ہمارے ایک اور بالکیے سے ہوگی۔ ٹھہرو اسے لو----"

اتنا کہہ کر مہاراج سوامی نے صوفے کے ایک طرف لگے پش بٹن کو دبایا۔

دوسرے ہی لمحے ایک دروازے سے نیم برہنہ لڑکی اندر داخل ہوئی اور اس نے سوامی مہاراج کو ڈنڈوت (منہ کے بل لیٹ کر تعظیم دینا) کیا۔

"اسے بھیج دو---- ہرے اوم---- ہرے اوم"---- سوامی مہاراج نے اشارہ کیا اور لڑکی الٹے قدموں واپس لوٹ گئی۔

اس مرتبہ دروازہ کھلنے پر جو شخصیت اندر داخل ہوئی ایک لمحے کے لیے تو اسے دیکھ کر دونوں چونک اٹھے۔

جیل میں وہ اخبارات پڑھتے رہتے تھے اور اس شخص کی تصویریں اکثر اخبارات میں چھپتی تھیں۔

یہ مدن لال تھا----

بی ایس ایف کا ڈپٹی کمانڈنٹ---- پنجاب کی سرحد پر اس کی بادشاہت تھی۔ اس شخص کے متعلق بڑی پراسرار کہانیاں زبان زد خاص و عام رہتی تھیں اپنی خونخواری کے باعث وہ سمگلروں میں خصوصاً "ہلاکو" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس نے آج تک کسی سمگلر کو زندہ گرفتار نہیں کیا تھا----

کروڑوں روپے کا سونا وہ ہضم کر چکا تھا----

کروڑوں روپے کی منشیات اس نے اڑائی تھیں----

اس کے اشارے کے ساتھ ہی اس کے زیر کمان علاقے میں زندگی جاگتی اور سوتی

تھی۔ سمگلروں سے بھاری حصہ وصول کرنا وہ اپنا حق جانتا تھا اور اپنے عہد کے ساتھ بیوفائی اس کا مشغلہ تھا۔

اس کے متعلق مشہور تھا کہ کئی نامور سمگلروں کو اس نے اپنا حصہ وصول ہونے کے باوجود محض اس لیے گولی مار دی کہ ان کا سارا مال خود ہڑپ کر سکے۔ سرحدی علاقوں کی لڑکیوں پر وہ بلاشرکت غیرے اپنا حق جتلاتا تھا۔ درجنوں لڑکیاں اس کی ہوس کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں۔

اس کی دہشت اور حد سے سے بڑی غنڈہ گردی کی وجہ سے لوگ اپنی بیٹیوں کو گھروں میں چھپا کر رکھتے تھے۔

لیکن----

سرکاری طور پر کسی کو اس کے خلاف زبان کھولنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔

کہا جاتا تھا کہ اس کی پشت پر دلی سرکار کا مضبوط ہاتھ ہے اور کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

کئی بے گناہ پاکستانی شہریوں کو جو بے چارے اپنے ڈھور ڈنگر کے تعاقب میں یا پھر راستہ بھٹک کر بی ایس ایف (بارڈر سکیورٹی فورس) کے ہتھے چڑھ جاتے۔ مدن لال نے اپنے ہاتھوں سے گولیاں مار کر شہید کیا تھا۔

ایسے بے گناہ پاکستانیوں کی لاشوں کو وہ اخباری نمائندوں کے سامنے ٹھوکریں مار کر انہیں "گھس پیٹھئے" قرار دیتا اور انہیں اپنی بہادری کے جھوٹے قصے سنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا کہ اس سے زیادہ محب وطن سپوت بھارت ماتا نے جنم نہیں دیا۔

صرف وہ پاکستانی زندہ بھارت کی جیل تک پہنچتا تھا جسے سرحدی علاقے کی کوئی اور ایجنسی گرفتار کرتی تھی۔ مدن لال کے متعلق یہ بات عام طور پر کہی جاتی تھی کہ پولیس حراست سے بھی کسی ملزم کو حاصل کر کے گولی مار دیتا تھا۔

شاید اسے خصوصی اختیارات کے ساتھ اس سرحدی علاقے میں تعینات کیا گیا تھا۔ دونوں کا خون اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کھول اٹھا تھا۔ اس درندے کے ہاتھ بہت سے بے گناہ پاکستانیوں کے خون بھی رنگے تھے۔

"تم جانتے ہی ہو گے اسے تو----" سوامی مہاراج نے دونوں کی طرف دیکھا۔

"انہیں کون نہیں جانتا مہاراج-----!" بشیر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"سرحدوں پر حکومت ہے اس کی----- اور اس پر ہماری' بے دھڑک ہو کر کام کرنا۔ مدن لال بالکیوں کا خاص خیال رکھنا ہے"---- سوامی مہاراج نے مدن لال کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

آوشے مہاراج----- آوشے (ضرور) مدن لال نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں سے جانا چاہو گے"---- اس مرتبہ اس نے براہ راست سوال کیا تھا۔

"مردانا پوسٹ سے----" عالم شیر نے سرحدی علاقے کی ایک خاص پوسٹ کا نام لیا۔

"اس طرف کیا وریام خان کے ساتھ کام کرتے ہو"---- اس نے فوراً ہی اگلا سوال کیا اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے دونوں نے سوامی مہاراج کی طرف دیکھا۔ جنہوں نے اچانک ہی انہیں خون آلود آنکھیں مدن لال پر گاڑ دیں۔

دونوں نے دیکھا مدن لال کے جسم پر کپکپی طاری ہونے لگی تھی----

"مدن لال تم سوامی مہاراج کے آشرم میں کھڑے ہو---- اس بات کو کبھی نہ بھولا کرو"-----

"شما چاہتا ہوں مہاراج"---- مدن لال نے جھک کر اس کے پاؤں چھوئے اور معافی مانگی تھی۔

"اب تمہارا رابطہ وہاں جا کر ہو گا---- جس تاریخ کو واپس لوٹنا ہے۔ مدن لال کو بتا دینا تاکہ سارے بندوبست ہو جائیں---- اور ہاں سامان لے کر آشرم کی گاڑی ہی میں واپس آنا---- ہرے اوم---- ہرے اوم----"

"آپ کے حکم کی پالنا کریں گے سوامی جی مہاراج---- ہمیں تین چار دن ہی لگیں گے۔ ادھر پاکستانی علاقے میں ہمارے پہنچتے ہی کام شروع ہو جائے گا اور ہم یاتریوں کے ساتھ ہی واپس لوٹ آئیں گے"---- بشیر نے کہا۔

"تم جاؤ----" سوامی نے اچانک ہی مدن لال کی طرف دیکھا۔

"جاتا ہوں مہاراج"---- اس نے سوامی کی طرف دیکھا اور جھک کر اس کے پاؤں چھو کر دونوں کو ہاتھ باندھ کر نمسکار کرتا ہوا الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

"کتا ہے سالا---- ہمارا کتا ہے۔ ہمارے ٹکڑوں پر پل رہا ہے۔ اسے کتے سے زیادہ اہمیت نہ دینا۔ اگر سالے حرام خور نے تمہاری مرضی کے خلاف اونچی آواز بھی نکالی تو اس کا سانس بند کروا دوں گا----" سوامی مہاراج کا قہقہہ بڑا خونخوار تھا---- "تم لوگ پرسوں نکل جانا---- سارا بندوبست ہو جائے گا۔" ابتدائی اخراجات کے لیے یہ رکھ لو---- ادھر کچھ دینا تو ہو گا----" اس نے کینوس کا ایک تھیلا ان کی طرف پھینک دیا۔

"دھنے ہو مہاراج---- دھنے ہو----"

بشیر نے تھیلا سنبھالتے ہوئے کہا۔

"مال ایک دم شاندار ہونا چاہیۓ۔ ہمارے بدیشی گاہکوں نے خاص فرمائش کی ہے۔ ان کا دل خوش ہو جائے تو تم ایک ہی چکر میں مالا مال ہو جاؤ گے---- اور ہاں دوسری مرتبہ مجھے شکل دکھانے سے پہلے کالی ماتا کے سامنے اپنے وچن توڑنے کی بھینٹ دے کر آنا----"

"ایسا ہی ہو گا مہاراج---- ایسا ہی ہو گا"---- عالم شیر نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

"جاؤ---- ہرے اوم---- ہرے اوم"---- اس نے دونوں کو جانے کا اشارہ کیا۔

دونوں نے پہلے جانے والوں کی تقلید میں اس کے چرن چھوئے اور جس طرح یہاں تک آئے تھے اسی طرح الٹے قدموں واپس لوٹ گئے۔

دونوں جس دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے وہ اچانک ہی ان کی پشت پر کھل گیا تھا۔

دروازے کے باہر گیتا نجلی دو اور سیوا داروں کے ساتھ ان کی منتظر تھی۔

"تم لوگ جاؤ"---- اس نے سیوا داروں کو ان کی شکل پر نظر پڑتے ہی ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

دونوں سیوا دار ہاتھ باندھ کر جھکتے ہوئے دوسری سمت چل دیئے۔

"آؤ---- چلیں"---- گیتا نجلی نے صرف دو الفاظ میں انہیں واپس آنے کا اشارہ کیا "مجھے امید ہے کہ تمہارے ساتھ ہمارا رابطہ کبھی نہیں ٹوٹے گا"---- عالم شیر نے چلتے چلتے گیتا نجلی سے کہا۔

اس کی مسلسل خاموشی عالم شیر کو کھلنے لگی تھی۔

"آنے والے سمے کے متعلق بھگوان ہی جانتے ہیں---- یا پھر سوامی جی مہاراج۔ ب
ان کی طرح "انترہامی" نہیں ہوں"---- اس کا لہجہ بڑا زہریلا اور کاٹ کھانے والا تھا۔

دونوں محسوس کر رہے تھے کہ اس کے دل میں سوامی مہاراج کے خلاف نفرت ب
ہے اور شاید عالم شیر کی طرف سے اچانک سوامی مہاراج کی بے پناہ تابعداری نے ا
غصہ دلا دیا تھا کیونکہ پہلی ملاقات میں عالم شیر نے اسے کچھ اور تاثر دیا تھا۔

"گیتا نجلی میں تمہارے جذبات کچھ کچھ سمجھنے لگا ہوں---- میری بات سن لو"---

"مجھے کوئی فضول بات نہیں سننی"---- گیتا نجلی نے عالم شیر کی بات کاٹتے ہو
کہا۔ بشیر جان بوجھ کر اپنا فاصلہ بڑھا رہا تھا۔ وہ گیتا نجلی کو یہی تاثر دیئے جا رہا تھا کہ وہ
دونوں کی باتیں نہیں سن رہا۔

"گیتا نجلی بھگوان کے لیے ایسا مت کہو---- میرے متعلق تمہاری بدگمانی غلط ہ
کچھ دن انتظار کر لو---- میں یہ نہیں کہتا کہ تم میرے متعلق اپنی رائے بدل ڈالو لیکن
بنتی ضرور کروں گا کہ ابھی کچھ عرصہ میرے متعلق کوئی رائے قائم نہ کرو---- کم از کم
آشرم سے ہمارے باہر نکلنے تک نارمل رہو----"

اس کی آخری بات نے گیتا نجلی کو پھر گڑبڑا دیا تھا۔

"تم مجھے پاگل کیے دو گے---- مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم کیا ہو؟ پل میں ماشہ پل
تولہ---- تمہارے آخر کیا عزائم ہیں---- اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو چھپاتے ک
ہو----" گیتا نجلی نے آخری بات بے ساختہ کہی تھی۔

"نہیں گیتا نجلی---- میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا۔ میں وعدہ کرتا ہوں---
سے کچھ نہیں چھپاؤں گا---- لیکن بھگوان کے لیے ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو---
بھی اس شبھ گھڑی کا انتظار ہے جب میں اپنے اوپر لپٹا خول اتار کر ایک طرف رکھ د
اور تمہیں یقین آ جائے گا کہ میں نے کم از کم تم سے دغا نہیں کیا----"

گیتا نجلی نے اس کی اس بات کا جواب نہیں دیا صرف زخمی نظروں سے اس کی ط
دیکھا تھا۔

اندھیرے میں بھی اس کی آنکھوں میں گہری چمک عالم شیر کو آنکھوں کے راس
میں اترتی محسوس ہوئی تھی۔

دونوں خاموش ہو گئے----

گیتا نجلی میں کچھ اسرار ضرور پوشیدہ تھا۔ وہ جب بھی عالم شیر کے سامنے آتی اسے اپنے وجود میں کچھ نامعلوم سی تبدیلیوں کا احساس ہوتا۔

اس کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو جاتا---- اور خون کا خمیر بدلنے لگتا۔

اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ زندگی کے اس مرحلے پر جب وہ موت و حیات کے دوراہے پر کھڑا ہے اور ان کی ایک لمحے کی کوتاہی سے یا تو ساری زندگی بھارتی جیل خانوں میں سڑتے گزر جاتی یا پھر میسے کی گولی ان کے جسموں سے پار ہو جاتی---- اس مرحلے پر یہ کونسا جذبہ تھا جس نے اچانک ہی اس کو مسخر کر لیا تھا۔ اس کے رگ و پے میں گیتا نجلی کو دیکھتے ہی ایک نشہ سا اترنے لگتا تھا اور وہ بہت کوشش پر بھی اس کے سامنے خود کو نارمل نہیں رکھ سکتا تھا۔

"کیا اس لڑکی کو سوامی مہاراج نے ان کی اصلیت جاننے کے لیے تو ان کے پیچھے نہیں رکھا---؟"

یہ سوامی کئی مرتبہ اس کے ذہن میں آیا۔

لیکن----

ہر دفعہ اسے اس کا جواب "ناں" میں ملا۔

بہت ہوشیار اور کایاں ہونے کے باوجود گیتا نجلی کی معصومیت پر شک نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے کئی مرتبہ سوچا کہ سوامی مہاراج کی خصوصی سیکرٹری ہونے کے ناطے گیتا نجلی اس کے ہر گناہ میں برابر کی شریک ہو گی۔ نجانے کتنی مرتبہ اسے سوامی مہاراج اور اس کے گرگوں کی ہوس کی آگ بجھانی پڑتی ہو گی---- ایسی بے حیاء اور مکار عورت کو معصوم نہیں کہا جا سکتا----

لیکن----

اس کا دل اس کے ذہن کا فیصلہ قبول کرنے سے انکار کر دیتا۔

دونوں اب ان کمروں کے سامنے پہنچ گئے تھے جہاں عالم شیر اور بشیر قیام پذیر تھے----

میں چلتی ہوں---- گیتا نجلی نے کھڑے کھڑے کہا۔

اس کا انداز اطلاعی تھا لیکن وہ اجازت طلب کر رہی تھی۔

"میں چاہوں بھی تو تم رکو گی نہیں"---- عالم شیر نے کہا۔

"وقت آنے پر تمہیں بھی بہت سے سوالوں کا جواب مل جائے گا---- اس دنیا ِ تمام رشتے جھوٹے ہو سکتے ہیں لیکن دل کا رشتہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے---- اپنے دل سے پو لینا کہ میں کیا سوچتی ہوں۔"

عالم شیر کا جواب سنے بغیر وہ اپنے ٹھکانے کی طرف واپس لوٹ گئی۔

بشیر کمرے میں موجود تھا----!

"عالم شیر---- تمہیں احساس ہے اس بات کا کہ ہم کون ہیں؟ اور یہاں کس چکر م پھنسے ہیں دیکھنا خدا کے لیے کہیں گھن چکر ہی نہ ہو کر رہ جانا----"

بشیر نے اسے صورت حال کی نزاکت کا احساس دلایا۔

"بشیر میرے بھائی میں جانتا ہوں کہ صورت حال کتنی خطرناک ہے۔ انشاء اللہ م کہیں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا لیکن میں گیتا نجلی کے سلسلے میں بہت مجبو ہوں۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے میں کس جان لیوا کیفیت سے گزر رہا ہوں----"

بشیر نے مزید کچھ نہ کہا۔

وہ جان گیا تھا کہ عالم شیر پر کیا گزر رہی ہے۔

دوسرے دن سوامی مہاراج نے پھر انہیں طلب کیا اور دونوں نے اسے بتا دیا کہ و پنجاب کے کسی سرحدی علاقے سے سرحد عبور کرنا چاہتے ہیں' انہوں نے ایک لاکھ روپیہ دینے پر سوامی مہاراج کا بطور خاص شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس ایک لاکھ روپے سے وہ دس لاکھ کی ہیروئن لا سکتے ہیں جس کی فروخت سے انہیں کم از کم پچاس لاکھ روپے مناف ہو گا۔

سوامی مہاراج نے انہیں بتایا تھا کہ وہ لوگ کل صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور سوامی جی کے آشرم کے مشنری کی حیثیت سے اس گاؤں میں ڈیرے جمائیں گے جہاں سے انہیں سرحد عبور کرنی ہے۔

بشیر نے بطور خاص اس بات کا علم کوشلیا کو نہیں ہونے دیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کوشلیا ہر ممکن طریقے سے اس سے چپکے رہنا چاہے گی۔

علی الصبح وہ آشرم کی بس میں سوئے منزل گامزن تھے۔

حسب روایت گیتا نجلی اور سوامی مہاراج کی تین اور داسیاں اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ "تبلیغی مشن" پر چل دیے۔

شام ڈھلے وہ لوگ اس سرحدی علاقے میں پہنچے تھے۔

یہ ڈیرہ بابا نانک کا علاقہ تھا----

دونوں کا دیکھا بھالا---- دونوں نے متعدد مرتبہ یہاں سے سرحد عبور کی تھی وہ یہاں کے چپے چپے سے آشنائی رکھتے تھے۔

"موراں والی" اس گاؤں کا نام تھا جس کے باہر بنی پرانی آشرم میں انہوں نے ڈیرے جمائے تھے۔ سوامی جی کی ہدایت کے مطابق ان دونوں کو دو تین روز تک یہاں قیام کرنا تھا۔ سوامی جی کے بھگت اور داسیاں ٹولیوں کی شکل میں نزدیکی دیہاتوں کی یاترا پر نکلتی تھیں یہ لوگ مختلف ساز بجا کر بھجن کیرتن کر کے یہاں پرچار کرتے تھے---- سوامی بڑا گھاگ کھلاڑی تھا----

اس نے دونوں کو اس طرح موقعہ فراہم کر دیا تھا کہ وہ گھوم پھر کر اچھی طرح صورت حال کا جائزہ لے لیں کہ کونسا علاقہ مناسب رہے گا۔ اس نے اپنی دانست میں بھارتی علاقے کے لیے تو ان کا بندوبست کر دیا تھا۔

لیکن----

پاکستانی سرحد کا جائزہ انہیں خود لے کر دو دن کے اندر سرحد عبور کرنا تھی۔ سوامی مہاراج کے حکم کے مطابق مدن لال ڈپٹی کمانڈنٹ بی ایس ایف نے اس سلسلے میں ان کی مدد کرنی تھی اور اپنی مکمل معاونت کے ساتھ اپنی حفاظت میں سرحد کے پار پہنچانا اور پھر ان کی واپسی پر انہیں بخیروعافیت وصول کرنا تھا۔

ان کے قافلے کا استقبال کرنے والوں میں مدن لال بھی شامل تھا۔

سوامی مہاراج کی ہدایات کے مطابق وہ بالکل اجنبیوں کے سے انداز میں ایک دوسرے سے ملے تھے۔

رات انہوں نے آشرم میں بسر کرنی تھی۔

آشرم میں پہلے ہی سے ان کے لیے سوامی مہاراج کے مقامی پیروکاروں نے لنگر بندوبست کر رکھا تھا۔

کھانے کے فوراً بعد گیتا نجلی کے حکم پر بھجن کیرتن شروع ہو گیا اور رات دیر گئے تک وہ لوگ بھجن کیرتن کرتے رہے۔

آشرم میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی یہاں چپے چپے پر موجود ہندوؤں کو سوا مہاراج کے مشن کی آمد کا علم ہو چکا تھا اور وہ لوگ صبح ہی آشرم کے آنگن میں اکٹھے ہونے لگے تھے۔

عالم شیر اور بشیر دونوں گیروے رنگ کے لمبے لمبے کرتے پہنے اور سوتی کپڑوں کی کانو تک لمبی ٹوپیاں اوڑھے، ماتھے پر تین تین سفید لکیروں کا "چندرا" بنائے اس "بھجن کتھا" میں شامل تھے۔

دونوں اس طرح بڑھ چڑھ کر بھجن میں حصہ لے رہے تھے جیسے جنم جنم سے یہی کا کرتے چلے آ رہے ہوں۔

"میں کھلی ہوا میں سانس لے آؤں---" عالم شیر نے بشیر کے کان میں سرگوشی ک اسے بہت دیر سے مسلسل گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔

"میں بھی چلتا ہوں--- بہت ہو گئی بھگتی---" بشیر اس سے بھی زیادہ بے چین دکھائی دے رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میرے پیچھے پیچھے آنا--- اکٹھے دونوں کا اٹھ کر جانا ٹھیک نہیں ہ گا"--- عالم شیر نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد عالم شیر بڑی آہستگی سے اپنی جگہ سے سرکتا ہوا آشرم میں ہال کے دوازے تک پہنچ گیا جہاں سے پھر وہ باہر نکل آیا۔

باہر آ کر اسے قدرے سکون ہوا آشرم کے اندر تو پجاریوں کی مسلسل چیخ و پکار، با تاشے کی آوازوں اور یہاں سلگائی گئی اگر بتیوں سے نکلنے والے دھوئیں نے اس کے نا

میں دم کر دیا تھا۔

یہ آشرم گاؤں کے باہر ایک کونے پر واقع تھا اور سرحد یہاں سے بمشکل دو تین کلومیٹر دور تھی۔

آشرم سے کچھ فاصلے پر کھیتوں کا وسیع و عریض سلسلہ تھا جو سرحد کے نزدیک سرکنڈوں کے جنگل میں گم ہو جاتا تھا سرکنڈوں کے اس میلوں لمبے جنگل کا سلسلہ دونوں ملکوں کی سرحد کے ساتھ ساتھ میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔

عالم شیر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کھیتوں کی طرف جا رہا تھا۔ جب اچانک اسے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ عالم شیر نے یہی سمجھا کہ بشیر اس کے پیچھے ہی نکل آیا ہو گا۔ یوں بھی رات کے سناٹے میں اس کے کان دور ہی سے قدموں کی آہٹ سننے کے عادی ہو چکے تھے۔

لیکن---

اسے مڑ کر دیکھنا تو چاہیئے---

اس نے سوچا---

"عالے--- اچانک ہی ایک آواز نے اس کے سارے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ اس نے غیر ارادی طور پر بجلی کے سے جھٹکے سے گردن گھمائی اور لرز کر رہ گیا اس کے سامنے نتھو رام کھڑا تھا۔

نتھو رام گرداسپور جیل کا حوالدار تھا--- جیل میں وہ اپنے نام سے کم اور قصائی کے نام سے زیادہ جانا جاتا تھا--- مشہور تھا کہ اپنی بارہ سالہ نوکری میں اس نے درجنوں قیدیوں کے ہاتھ پاؤں اپنے ہاتھ سے توڑے تھے۔

جیل میں معمولی باتوں کا بہانہ بنا کر "الارم" کروا دینا اور اسی "الارم" کی آڑ لے کر بے کس اور بے بس خصوصاً پاکستانی قیدیوں پر تشدد کے پہاڑ توڑنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ جب بھی جیل کے اس احاطے میں دورے پر آتا جہاں پاکستانی قیدیوں کو رکھا جاتا تھا تو کوئی بھی سیل کھول کر کسی بھی پاکستانی قیدی کو باہر نکال کر اس پر وحشیانہ انداز میں تشدد کرنا اس کی عادت تھی۔

یہی سلوک وہ جیل کے سکھ قیدیوں کے ساتھ بھی کرتا تھا۔

جس سکھ کے متعلق اسے علم ہوتا کہ وہ اپنے دل میں پاکستانی قیدیوں کے لیے نرم گو رکھتا ہے اسے کسی نہ کسی بہانے وہ اس بری طرح پیٹتا کہ بے چارے کے لیے کئی روز اپنے ہاتھ پاؤں پر کھڑے ہونا ہی ناممکن بن جاتا تھا۔ مشہور تھا کہ اس نے نابھ جیل میں ا ایسے ہی سکھ قیدی پر اتنا تشدد کیا کہ اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔

لیکن----

جیل حکام نے اس کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیا اور انکوائری میں اسے بے گناہ ثابت کر کر بری کروا دیا تھا۔

عالم شیر اس کے ہاتھوں متعدد مرتبہ پٹ چکا تھا۔

اسے اس بات کا علم تھا کہ عالم شیر پاکستانی انٹیلی جنس کا آدمی ہے اور کسی بھی ای پاکستانی کو جس کے متعلق حوالدار نتھو رام کو یہ خبر ہو جاتی کہ اس کا تعلق پاکستانی انٹیلی جن سے بھی رہا ہے وہ اپنا ذاتی دشمن سمجھنے لگتا تھا۔

اس نے گرداسپور جیل میں ایک سال گزارا تھا جس کے بعد اس کا تبادلہ امرتسر جیل م ہو گیا تھا۔

لیکن----

اس ایک سالہ دور میں اس نے عالم شیر اور بشیر کو کئی مرتبہ معمولی بہانوں سے وحشیا انداز میں پیٹا تھا۔

دونوں بے بسی سے پٹتے رہے تھے اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتے تھے اگر غصے م گالیاں دیتے تو اپنی کوئی ہڈی بھی ضرور تڑوا بیٹھتے۔

دونوں نے خدا سے کئی مرتبہ دعا مانگی تھی کہ کبھی زندگی میں ان کا آمنا سامنا اس جی سے باہر آزاد فضا میں بھی ہو جائے۔

شاید ان کی دعائیں قبول ہوئی تھی لیکن اس وقت اس سے اچانک ٹکراؤ نے عالم شیر بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

اسے اس بات کا علم تو تھا کہ نتھو رام گرداسپور ہی کے کسی گاؤں کا رہنے والا ہے لیکن اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ اسی علاقے میں رہتا ہے۔

چند لمحوں ہی میں عالم شیر نے صورت حال کی سنگینی کا احساس کر لیا تھا وہ جانتا تھا کہ ایک لمحے کی غفلت بھی اسے موت یا پھر زندگی بھر کے لیے دوبارہ بھارتی جیلوں کے منہ میں پہنچا سکتی ہے۔ اس نے اپنے حواس قائم کئے اور اس کی طرف دیکھ کر خوامخواہ مسکرا دیا۔

"داس کو بھگت رام کہتے ہیں---- ہم تو رام کے بھگت ہیں شریمان جی شاید آپ کو غلطی لگی ہے"----

"ابے غلطی کے بچے"---- اس نے عالم شیر کو گالی دی---- "سالے! میری آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے۔ مسلے کی اولاد---- تو سمجھتا تھا کہ جیل سے بھاگ کر بچ جائے گا۔ اب دیکھتا ہوں تو کس طرح بچتا ہے---- چپ چاپ میرے آگے لگ جا---- ورنہ بی ایس ایف کے بندوں کو یہاں بلا کر تجھے گولی مروا دوں گا"---- نتھو رام نے غصے سے کھولتے ہوئے کہا۔

رات گہری ہو رہی تھی۔

آشرم کی روشنیاں یہاں تک پہنچتے پہنچتے بڑی مدھم ہو گئی تھیں۔ اس بات کا اسے اندازہ تھا کہ یہاں سے نزدیک دور کے دیہاتوں کے لوگ گہری نیند سو رہے ہوں گے سوائے ان گروہوں کے جو اس آشرم میں سر کھپا رہے تھے۔

جہاں تک بارڈر سیکیورٹی فورس کا تعلق تھا دور دور تک اس کا نام نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا یوں بھی سرحد سے اندر دو تین کو میٹر کی دوری پر بی ایس ایف والوں کو جھک مارنے کی کیا ضرورت تھی۔

یہ کوئی جیل کا احاطہ نہیں تھا----

بھارتی علاقہ ضرور تھا۔

لیکن----

یہاں فی الوقت نتھو رام کی حکومت نہیں چل سکتی تھی۔ اس کی منہ سے گالیاں سن کر عالم شیر کا خون کھول اٹھا۔

لیکن----

اس نے اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھا۔ اسے صرف ایک بات کا خطرہ تھا کہ کہیں اس موذی نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور آشرم سے باہر آنے والے کسی ہندو کو اس کی آواز

سنائی دے گئی تو وہ اس کی مدد کو آ سکتا تھا۔ بصورت دیگر تو بھگوان بھی اب اس کی مدد نہیں کر سکتا۔

"دیکھو نتھو رام---- تمہیں میرے متعلق غلط فہمی ہے۔ میں سمگلر ہوں' یہی میرا پیشہ ہے---- آج بھی ہم لوگ مال لے کر واپس جا رہے ہیں۔ تم کیوں جھنجھٹ میں پڑتے ہو۔ میں تمہیں بیس پچیس ہزار روپے دیتا ہوں۔ ساری زندگی تم نے اتنی رقم نہیں دیکھی ہو گی---- پیسے لو اور چپ چاپ اپنا راستہ ناپو---- مجھے گرفتار کروانے پر سرکار تمہیں انعام تو دینے سے رہی---- یہ کہتے ہوئے وہ بڑے نامحسوس انداز میں آہستہ آہستہ ڈھلتے سرک کے نتھو رام کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ کم سے کم کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کے حلق سے بلند آواز نہ نکل سکے۔

"تیری----"

نتھو رام کے منہ سے بمشکل ابھی ایک لفظ ہی نکلا تھا جب وہ چیتے کی سی پھرتی سے اس پر لپکا۔

عالم شیر نے اس موذی پر لپکتے ہوئے صرف ایک جھلک بشیر کی دیکھی تھی جو اس طرف دبے قدموں سے آ رہا تھا۔ بشیرے نے شاید انہیں دور سے دیکھ لیا تھا۔ ممکن ہے اتنے اندھیرے میں اس کے لیے نتھو رام کو پہچاننا مشکل رہا ہو۔

لیکن----

اس نے صورتحال کی نزاکت کا اندازہ ضرور لگا لیا تھا۔

اس نے بھی جان لیا تھا کہ جس شخص پر عالم شیر جھپٹا ہے ضرور وہ ان کے لیے خطرے کا باعث ہی ہو گا۔ ورنہ ایسے حالات میں کوئی عالم شیر کو دس جوتے بھی مار لیتا تو بھی وہ کسی سے ہاتھا پائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

"نتھو رام ہے---- ہمیں پکڑوانے آیا ہے"----

اس نے تیزی سے نزدیک آتے بشیر کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ اس درمیان اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کا شکنجہ بڑی مضبوطی سے نتھو رام کی گردن میں کس دیا تھا وہ سارا زور لگا کر چیخنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بشیر نے ایک لمحے ہی میں خطرناک فیصلہ کر لیا تھا۔

اس نے اپنا پاؤں کی ایڑی پورے زور سے نتھو رام کے سر پر ماری اور دیوانہ وار اس کی کنپٹی اور سر پر وار کرتا ہی گیا۔ اس درمیان عالم شیر کی انگلیاں بڑی مضبوطی سے نتھورام کی گردن میں دھنس گئی تھیں---- دو تین منٹ کی مزاحمت کے بعد ہی نتھورام "اکال چلنا" (مرجانا) کر گیا۔ عالم شیر کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

اس نے ایک نظر اس کے مکروہ چہرے پر ڈالی اور اس کی نبضیں ٹٹول کر اس کی موت کی تصدیق کرنے کے بعد اس کے مردہ بدن کو زور سے ٹھوکر ماری۔

"کتے کا پلا----" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"ہوش کرو---- عالم شیر ہوش کرو----"

بشیر نے اس کے دونوں بازو پکڑ کر پوری قوت سے جھنجھوڑے اور عالم شیر ہوش میں واپس لوٹ آیا۔

"ہمیں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کی لاش کو ٹھکانے لگانا ہے"---- بشیر نے تیزی سے سرگوشی کی دونوں کے دلوں کی دھڑکنیں معمول سے بڑھ گئی تھیں۔

"بھاگ چلتے ہیں' پڑا رہنے دو---- چلیں کیا"---- عالم شیر نے کہا۔

"بے وقوفی مت کرو---- ہمیں یہاں سے کل رات کو جانا ہے۔ اس سے پہلے اس علاقے میں پولیس آئی تو ہمارے لیے کوئی نیک شگون نہیں ہو گا---- مجھے تو---- پکڑو اسے---- پکڑو----" یہ کہتے ہوئے بشیر نے اس کے دونوں بازو پکڑ لیے اور عالم شیر نے دونوں پاؤں۔

نتھو رام کے تن مردہ کی دونوں اسی طرح اٹھائے ہوئے یہاں سے قریباً آدھے فرلانگ کے فاصلے پر موجود کماد کے گھنے کھیت میں لے آئے تھے۔ وہ اس موذی کی لاش کو زمین پر کھینچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس طرح کچی زمین پر نشانات پڑ جاتے اور کسی کو بھی صبح شک گزر سکتا تھا۔

دونوں ہانپنے لگے تھے----

لیکن----

ایک سرشاری کے عالم میں انہوں نے نتھورام کے مردہ جسم کو تھاما ہوا تھا۔ اس
نے پاکستانی قیدیوں پر ظلم کے بے پناہ پہاڑ توڑے تھے۔ انہیں یہ سوچ سوچ کر روحانی
نصیب ہو رہی تھی کہ جب نتھورام کی موت کی خبر جیل میں پہنچے گی تو ان کے بے بس
کتنی زیادہ خوشی محسوس کریں گے۔

لاش کو انہوں نے کماد سے لدے کھیت کے عین درمیان میں اس طرح پھینکا تھا
کوئی شخص یہاں تک نہ آتا تو اس کی لاش کے باہر سے نظر آنے کے امکانات نہ ہونے
برابر تھے۔

صرف ایک ہی صورت تھی کہ کوئی جانور اس کی لاش کھا جائے----!!

کماد کی فصل پکنے پر آ رہی تھی۔

لیکن----

کٹنے میں ابھی کم از کم ایک ماہ باقی تھا۔ اس درمیان شاید ہی کوئی کھیتوں کے اندر
کیونکہ اب سیرے کی بھی گنجائش نہیں تھی۔

دونوں نے باہر آ کر اطمینان کا طویل سانس لیا اور آہستہ آہستہ آشرم کی طرف
لوٹنے لگے۔

انسانی بھیڑیا

دونوں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے آشرم کی طرف آ رہے تھے کہ اس مصیبت سے انہوں نے آسانی سے چھٹکارا حاصل کر لیا بصورت دیگر ان کی ساری محنت اکارت جانے کے امکانات بھی موجود تھے۔ انہوں نے کچھ دیر وہیں بیٹھ کر خود کو نارمل کیا اور پھر واپس لوٹے تھے۔ "بھجن کتھا" ختم ہو چکی تھی----

لیکن----

آشرم کی بتیاں ابھی روشن تھیں----

"رات کا ایک پہر ڈھل چکا تھا۔ بھجن کرنے والے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے۔ آشرم کے باہر ہی اچانک گیتا نجلی ان کے سامنے آ گئی----"

خدا جانے وہ کس گوشے میں چھپ کر ان کی منتظر تھی اور اچانک نکل کر سامنے آ گئی تھی یا پھر یہ حسن اتفاق تھا۔

لیکن----

دونوں کے دل ایک مرتبہ زور سے دھڑک کر رہ گئے۔

"کہاں تھے تم؟"---- اس نے اچانک ہی دونوں کو گڑبڑا دیا۔

"ارے بھئی ہم کہاں تھے---- ذرا "جنگل پانی" کرنے گئے تھے---- سوچا باہر کی فضا کا جائزہ لے لیں۔" عالم شیر نے کہا۔

"اس کے علاوہ تو کوئی بات نہیں تھی۔"---- گیتا نجلی کے اس سوال نے اچانک

ہی دونوں کو بوکھلا دیا۔

"کوئی اور بات کیا ہو سکتی ہے دیوی جی! بس آپ ہی کی باتیں کر رہے تھے ہم دونو
دوبارہ عالم شیر نے ہی جواب دیا۔

"آؤ تھوڑی دیر یہیں بیٹھتے ہیں"---- گیتا نجلی نے انہیں آشرم کے مندر کے با
والے چبوترے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

آشرم اور ملحقہ مندر کی بتیاں ایک ایک کر بجھ گئی تھیں اور تینوں چاند کی روشنی پ
نانک چندی اینٹوں سے بنے اس قدیم چبوترے پر بیٹھے تھے جب اچانک ہی گیتا نجلی نے
انہیں دوبارہ چونکا دیا۔

"پہلے روز مجھے تم دونوں پر جو شک ہوا تھا---- بعد میں اس پر یقین بھی ہو
گیا"---- اس نے عالم شیر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

وہ بے پناہ پراعتماد دکھائی دے رہی تھی۔

"اچھا جی ہمیں بھی بتا دو---- جانے پھر کب ملاقات ہو زندگی میں۔ یہ سننے کا موق
ملے بھی یا نہیں؟ عالم شیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں سنجیدہ ہوں---- مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ اب تمہیں مجھ سے ڈرنے کی
ضرورت نہیں ہو گی۔ میں شروع ہی سے جانتی ہوں کہ تم دونوں مسلمان ہو---- تمہارا
تعلق پاکستان سے ہے اور عین ممکن ہے تم دونوں جیل سے بھاگے ہوئے ہو---- میری
بات سن لو---- درمیان میں نہ ٹوکنا----"

اس نے بشیر کی طرف دیکھ کر کہا جس نے بے چینی سے پہلو بدل کر کچھ کہنے کے لیے
منہ کھولا تھا۔ "جس روز تم فتح گڑھ میں ہمارے آشرم میں آئے تھے۔ اس روز دوپہر میری
ملاقات کے لیے اس علاقے کا ایک انٹیلی جنس آفیسر آیا تھا جس نے مجھے دو خطرناک پاکستانی
جاسوسوں کے جیل سے فرار ہونے کی اطلاع دی تھی اور درخواست کی تھی کہ اگر مجھے کسی
پر شک ہوا تو انہیں مطلع کر دوں---- کیونکہ وہ لوگ مہاراج سوامی کے کسی آشرم کی تلاشی
نہیں لے سکتے کیونکہ ان کی آمد کا اگر مہاراج سوامی کو شک بھی ہو جائے تو ان کی نوکریاں
خطرے میں پڑ سکتی تھیں---- گھبراؤ نہیں اطمینان سے میری بات سنتے جاؤ۔ اگر میں نے
تمہیں گرفتار ہی کروانا ہوتا تو اس سے پہلے مجھے ایسے ہزاروں مواقع میسر تھے جبکہ یہاں مل

تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تم دونوں یہاں آسانی سے میرا گلا دبا کر سرحد پار کر سکتے ہو----
لیکن---- میں نے اس دن کا بڑی بے قراری سے انتظار کیا ہے۔ کیونکہ ہم تینوں کی منزل
ایک ہی ہے----"

گیتا نجلی کی باتیں دونوں پر حیرتوں کے پہاڑ توڑ رہی تھیں----

"کہ کیا مطلب----" بشیر نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"میں بدقسمت جو آج گیتا نجلی کے روپ میں تمہارے سامنے بیٹھی ہوں۔ ایک
مسلمان کی اولاد ہوں۔"----

"اوہ---- میرے خدایا---- کیا تم واقعی سچ کہہ رہی ہو---- واقعی----" عالم
شیر نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں---- مجھے آٹھ سال کی عمر میں میری ظالم ماں نے اس آشرم تک پہنچا دیا
تھا---- وہ خود دو سال بعد خطرناک بیماری سے مر گئی---- لیکن مجھے----"

گیتا نجلی کی آواز تھرا گئی----!

اس کی خوبصورت آنکھوں نے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

"یہ سولہ سال پرانی بات ہے لیکن مجھے کل کی طرف یاد ہے۔ میری ماں ہندو تھی باپ
مسلمان۔ مجھے اس بات کا تو علم نہیں کہ ان دونوں کی شادی آپس میں کیسے ہوئی تھی لیکن
بعد میں اس بات کا علم ہوا کہ یہ سوامی میرے باپ کا دوست تھا۔ دونوں جرم کی دنیا کے دو
ایسے کردار تھے جن سے پولیس کے فائل بھرے رہتے تھے۔ وہ عورت جو میری ماں تھی شاید
پہلے اسی سوامی کی داشتہ رہی ہو گی---- اس نے میرے باپ سے شادی کی اور میرے
والدین بڑی خاموش زندگی بسر کرنے لگے۔ سوامی کو اس بات کا بہت غصہ تھا۔ اس نے خدا
جانے کیسے میرے باپ کا پتہ تلاش کیا اور ایک روز اسے پولیس مقابلے میں مروا ڈالا۔ یہ
سوامی جو کبھی میرے باپ کا مجرم ساتھی تھا اب اس سوانگ کے ساتھ دنیا کے سامنے آ
گیا---- جب میرا باپ مارا گیا تو میری آٹھ سال تھی۔ میرے باپ کے قتل میں میری ماں
برابر کی حصہ دار تھی اور سوامی مہاراج اسے اپنے ساتھ ہی آشرم میں لے آیا---- حیرت
کی بات ہے کہ اس نے کبھی میرا وہ استعمال نہیں کیا جو دوسری "سیوا داروں" کا ہوتا ہے۔
اب تک تین ایسے آدمیوں کو سوامی مہاراج قتل کروا چکا ہے جنھوں نے میرے ساتھ زیادتی

کی کوشش کی---- مجھے پہلے اس بات کا علم نہیں تھا کہ سوامی نے ہی میرے باپ کا قتل کروایا تھا۔ دس سال پہلے یہ بات سوامی کے ایک پرانے ساتھی نے شراب کے نشے میں بتا دی تھی تب سے میرے من کو ایک بے قراری سی لگی رہتی ہے---- میں اس دھرم کو بہت نزدیک سے دیکھ چکی ہوں۔ یہ پچھتاوا کہ میں ایک مسلمان کی بیٹی ہو کر ایک ہندو عورت کی زندگی گزار رہی ہوں میری جان کو آ گیا ہے----"

اس کی آواز بھرا گئی تھی----

اس نے بڑی ہمت سے خود پر قابو پایا ہوا تھا۔

عالم شیر اور بشیر کے دلوں کی دھڑکن جیسے رک گئی تھی۔

وہ مبہوت ایک ٹک گیتا نجلی کی طرف دیکھے جا رہے تھے جس نے اپنے لمبے چولے کی آستین سے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

چاندنی میں آنسوؤں سے ڈھلا اس کا چہرہ چاند ہی کا حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ عالم شیر کو اب اس بات کی سمجھ آنے لگی تھی کہ اس گھناؤنے دھندے میں رہنے کے باوجود ابھی تک گیتا نجلی کے چہرے پر معصومیت کیوں زندہ ہے۔

اس آشرم میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت کنیا موجود تھی لیکن ان کا حسن فلمی اداکاراؤں جیسا تھا جو پردہ سکرین پر کچھ اور عملی زندگی میں کچھ اور دکھائی دیتا تھیں۔

گیتا نجلی ہمیشہ ان سب میں الگ تھلگ دکھائی دیتی تھی۔ اس کا حسن لازوال تھا۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا----!!

"میں اب ایک پل کے لیے یہاں نہیں ٹھہروں گی---- تمہیں مجھے بھی اپنے ساتھ پاکستان لے جانا ہو گا---- اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو میں خودکشی کر لوں گی اور میری موت کے ذمہ دار تم ہو گے کہ تم نے مسلمان ہوتے ہوئے میری مدد نہ کی"----

ابھی تک وہی بولے جا رہی تھی۔

عالم شیر اور بشیر کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا تھا۔

"میں تمہاری مدد کروں گا۔ اگر خدا نے ابھی تک تمہارے دل میں ایمان کی شمع روشن رکھی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

عالم شیر نے بڑے مصمم ارادے سے کہا۔

اس کی بات نامکمل ہی تھی جب انہیں دور سے ایک جیپ روشنیاں اس سمت لپکتی دکھائی دیں۔

"کون ہو سکتا ہے یہ؟" بشیرے کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

دونوں کے ذہنوں پر ابھی تک نتھورام کی لاش سوار تھی۔ سب سے پہلے ان دونوں کے دلوں میں چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق یہی خیال آیا کہ کہیں نتھورام پولیس کو مطلع کر کے تو نہیں آیا تھا اور یہ پولیس والے ان کی گرفتاری کے لیے نہ آ رہے ہوں۔

"تم دونوں اندر چلو----" گیتا نجلی نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

دونوں نے اندر جانے کے بجائے مندر کے محفوظ کونے میں چھپ کر بیٹھنا زیادہ مناسب جانا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ بے بس پرندوں کی طرح پولیس کی گرفت میں آ جائیں۔ دونوں ایسی جگہ چھپے تھے جہاں سے وہ جیپ سواروں کو آسانی سے دیکھ سکیں اور خطرے کی صورت میں وہاں سے بھاگ بھی جائیں۔

جیپ گیتا نجلی کے نزدیک آ کر رک گئی اس میں برآمد ہونے والی ہستی پر ایک نظر پڑتے ہی دونوں قدرے مطمئن ہو گئے۔

یہ مدن لال تھا؟

لیکن----

مدن لال تو بارڈر سیکیورٹی فورس کا ڈپٹی کمانڈنٹ ہے۔ اسے تو پس پردہ رہ کر ان لوگوں کی مدد کرنی تھی پھر وہ کہاں سے ٹپک پڑا---- انہوں نے سوچا۔

"مجھے تو دال میں کالا دکھائی پڑتا ہے"---- عالمے نے کہا۔

"اس میں تمہارا قصور نہیں---- تم خوامخواہ ہر بات پر شک کرنے لگتے ہو"---- بشیرے نے لاپرواہی سے کہا۔

دونوں نے فی الوقت وہیں چھپے رہنا مناسب سمجھا تھا۔

ایک بات کا اندازہ انہوں نے کر لیا تھا کہ مدن لال اس طرف کسی نیک نیتی سے نہیں آیا۔ اس کے ڈگمگاتے قدم اس امر کی نشاندہی کر رہے تھے کہ اس نے بے تحاشہ شراب پی رکھی ہے۔

"گیتا نجلی---- تم میرے ساتھ چلو گی"---- مدن لال کی آواز نے دونوں کو
دیا۔

"کیوں"---- گیتا نجلی تن کر کھڑی ہو گئی۔

"سالی---- کیا بکتی ہے---- کیوں کا کیا مطلب کہا ناں چل میرے ساتھ۔
مدن لال کو غصہ آ گیا تھا۔

"مدن لال جی آپ جانتے ہیں کہ میری طرف ایک غلط نظر ڈالنے والے کو مہاراج کتے کی موت مروا دیتے ہیں"---- اس نے مدن لال کو عالم ہوش میں لانا چاہا۔

"ارے دیکھ لوں گا تیرے سوامی جی کو---- جانتا ہوں میں اس سالے دلال کو۔ بھڑوا---- رنڈیوں کا دھندہ کرتا ہے سالا---- جانتا ہوں میں اس کو---- اور تجھ بھی---- تیرے باپ کو بھی---- تو جیدے کی بیٹی ہے ناں---- سالی مسلے اولاد---- اسی دن کے لیے تو تجھے بچا کر رکھا تھا سوامی مہاراج نے کہ تو میری---"
شراب کے نشے میں وہ بکتا چلا جا رہا تھا جب اچانک ہی گیتا نجلی نے اسے ٹوک دیا۔

"مدن لال---- تم کیا بکواس کر رہے ہو---- ہوش میں آؤ----"
وہ غصے سے کانپنے لگی تھی----

"سالی! مجھے ہوش میں لاتی ہے---- یہ تیری ماں کے اس آشنا کا آشرم ہے کیا۔ یہ میرا علاقہ ہے---- یہاں میرے حکم کے بغیر پتہ نہیں ہلتا---- اور تو۔ چل"---- اس نے آگے بڑھ کر گیتا نجلی کا بازو پکڑا اور اسے جھٹکا دے کر اپنی طر کھینچا۔ گیتا نجلی نے جھٹکا مار کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا----

اس حرکت نے مدن لال کا پارہ آسمان پر چڑھا دیا اور دوبارہ غصے سے اس کی طر بڑھا۔ گیتا نجلی نے اس کا ارادہ بھانپ کر ان کی طرف بھاگنا چاہا۔

مدن لال نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے جھک کر اپنا پستول نکالنا چاہا۔ شاید وہ ل پستول سے ڈرا کر اس کی آبرو ریزی پر تلا ہوا تھا۔ اس کی اس حرکت کو عالم شیر نے نو لیا تھا۔

گیتا نجلی ان کے نزدیک رک گئی۔ شاید یہ ان دونوں کے لیے مدد کی اپیل تھی۔ شر کے نشے میں مدہوش مدن لال ابھی تک ہولسٹر سے پستول نہیں نکال سکا تھا اس کا ہاتھ پ

کے دستے پر تھا اور اب وہ بھی ان کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا----
عالم شیر نے قطعی غیر ارادی طور پر اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کر اس پر چھلانگ لگا دی اور دونوں لڑھکتے چلے گئے۔

اس صورت حال کی سنگینی کا اندازہ بشیرے کو ہو گیا تھا۔ اگر مدن لال کو سوامی مہاراج کا کوئی خوف بھی تھا تو شراب کے نشے نے اسے بالکل بے خوف اور نڈر بنا رکھا تھا اور وہ بہر صورت اپنے شیطانی ارادے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ اس بات کا اندازہ اس کی گفتگو سے ہو گیا تھا کہ وہ گیتا نجلی کے باپ کو جانتا تھا اور اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ گیتا نجلی باکرہ خاتون ہے۔

مدن لال ان تینوں کو اگر گولیاں مار کر موت کے گھاٹ اتار دیتا تو کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ دونوں کی اصلیت کا انکشاف ہونے پر وہ سوامی مہاراج کے سامنے بڑی آسانی سے یہ کہانی گھڑ سکتا تھا کہ گیتا نجلی دونوں مسلمانوں کے ساتھ بھاگ رہی تھی----

مدن لال اور عالم شیر گتھم گتھا تھے جب عالم شیر کو گیتا نجلی کی آواز سنائی دی----" اسے مار ڈالو---- اس موذی درندے کو مار ڈالو---- اس نے بہت مسلمانوں کا خون بہایا ہے---- اسے مار ڈالو----" وہ وحشیانہ انداز میں چیخ رہی تھی۔

مدن لال کوشش کر رہا تھا کہ کسی بھی طرح اپنا پستول نکال لے---- جبکہ عالم شیر نے اسے پکڑ کر بے بس کر رکھا تھا اور مدن لال پاگل کتے کی طرح اسے گالیاں دے رہا تھا کہ اچانک عالم شیر کے پیٹ میں اس نے اپنے دونوں گھٹنے اتنی زور سے مارے کہ وہ الٹ کر دور جا گرا----

اس درمیان اس نے اپنا پستول بھی نکال لیا تھا---- اچانک ہی ایک خوف بجلی کے کوندے کی طرح بشیرے کے دماغ پر لپکا اس نے بجلی کی سی پھرتی سے اپنے قریب موجود بڑا سا پتھر اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا---- مدن لال گرا اور پھر دوبارہ کبھی نہ اٹھ سکا۔

خدا جانے یہ پتھر اس کے سر کے کس حصے میں لگا تھا کہ وہ بے سدھ ہو کر گر پڑا اس کا سر کھل گیا تھا---- بھیجہ باہر گر پڑا تھا اور خون کی ندی بہنے لگی تھی۔

عالم شیر نے اس کے ہاتھ میں پکڑا پستول جھٹکے سے کھینچا اور پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"مر گیا شاید"---- اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں"---- بشیرے نے صرف ایک لفظ کہا تھا۔

"بہت اچھا ہوا---- چلو بھاگ چلو----" گیتا نجلی نے کہا۔

"یہ ٹھیک کہتی ہے---- اب ہمارا ایک لمحے کے لیے یہاں رکنا موت کو دعوت د
کے مترادف ہو گا"---- بشیرے نے کہا۔

"ادھر آؤ"---- عالمے نے انہیں جیپ کی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

اس نے ڈرائیونگ سیٹ خود سنبھال لی تھی اور دونوں کو پچھلے حصے میں چھپ کر بیٹھنے کہا تھا۔ اس کی خوش قسمتی کہ مدن لال کا رات کو پہننے والا لمبا کوٹ سیٹ پر دھرا تھا، و کوٹ عالم شیر نے جلدی سے پہن لیا۔

"ہم جیپ میں سرحد تک جائیں گے---- اس جیپ کا بی ایس ایف والوں کو
ہے---- اندھیرے میں انہیں جیپ سواروں کا علم نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ ہمارے پا
کوئی دوسرا "آپشن" نہیں ہے---- اس بات کا تو بی ایس ایف کو علم ہے کہ ان کا ڈ
کمانڈنٹ جیپ لے کر نکلا ہے اور اسے واپس بھی آنا ہے----" عالمے نے جیپ کا انج
سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس علاقے کے چپے چپے کی خبر ہے---- ہم انشاء اللہ نکل جائیں گے---
چلو"---- بشیرے نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

"سیدھا نکلوں"---- عالمے نے پوچھا۔

"نہیں ٹامیانوال کے راستے نکلو---- ادھر راستہ محفوظ ہے---- اس سے آگے ہ
پھر "سندھو پوسٹ" کے نزدیک سے گزریں گے جس سے پاکستانی سرحد بمشکل دو ڈھائی سو
دور ہے---- اتنا فاصلہ تو ہم گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی عبور کر لیں گے---- بشیرے
بڑے پرجوش لہجے میں کہا۔

"بسم اللہ----" کہتے ہوئے عالمے نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا----

ٹامیانوال تک وہ بمشکل سات آٹھ منٹ میں پہنچ گئے تھے۔ اس درمیان انہیں کوئی گشتی دستہ نظر نہیں آیا تھا عین ممکن ہے وہ لوگ اپنے اپنے ناکوں میں دبک کر بیٹھے ہوں----

"گاؤں کے باہر سے چکر کاٹ کر جانا---- ممکن ہے کسی کو شک گزرے"----

بشیر کی ہدایت پر اس نے اچانک سٹیئرنگ گھما دیا۔ اب وہ اندازے سے ٹامیانوال گاؤں کے باہر والے راستے پر جیپ چلا رہا تھا۔ اسے اپنے حواس پر مکمل قابو تھا---- یہ مرحلہ بھی اگلے ساتھ آٹھ منٹ میں سر ہو گیا اور اب وہ آخری خطرے کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔

یہ "سندھو پوسٹ" تھی----

اس علاقے میں بھارتی بارڈر سکورٹی فورسز کی آخری پوسٹ جو بین الاقوامی سرحد سے بشکل ڈھائی تین سو گز دور تھی۔

"تیار رہنا"---- اس نے بشیر سے کہا۔

بشیرے نے گیتا نجلی کا بازو مضبوطی سے تھام کر اسے حوصلہ دلایا۔ جیپ کو عالما پوسٹ کے پہلو سے تیزی سے گزار کر جیسے ہی پاکستانی سرحد کی طرف بڑھا اچانک تیز روشنیاں جاگ اٹھیں----"

شاید پوسٹ کمانڈر کو ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ اس جیپ کو اس کے ڈپٹی کمانڈنٹ کے علاقہ کوئی اور بھی چلا سکتا ہے۔ اصولی طور پر انہیں فوراً فائرنگ کرنی چاہئے تھی لیکن انتہائی احتیاط سے کام لیتے ہوئے اس نے فی الوقت صرف سرچ لائٹ جلا کر صورتحال کا جائزہ لینا ہی مناسب جانا تھا۔

پوسٹ کمانڈر کا یہی تذبذب ان کے لیے عطیہ خداوندی بن گیا----

عالم شیر جیپ کو سرکنڈوں کے اندر لے گیا تھا۔

"اترو----" اس نے جیپ کا رخ اچانک ہی موڑ دیا تھا۔ سٹیئرنگ اتنی تیزی سے گھمایا تھا کہ بشیر اور گیتا نجلی دونوں اچھل کر پچھلی حصے سے باہر جا گرے تھے۔

جیپ سٹارٹ تھی اور اس کا رخ "سندھو پوسٹ" کی طرف تھا۔ جب اچانک عالمے نے بھی چھلانگ لگا دی۔

جیپ مست ہاتھی کی طرح لڑکھڑاتی پوسٹ کی طرف بڑھ رہی تھی اور بوکھلائے ہوئے بی ایس ایف کے جوان اس پر گولیاں برسا رہے تھے جبکہ جیپ کے تینوں سوار سرکنڈوں کی آڑ میں تیزی سے سرحدی لکیر عبور کر گئے۔

مسلسل فائرنگ کی آواز نے پاکستان رینجرز کو بھی چوکس کر دیا تھا اور وہ لوگ بڑی

مستعدی سے اپنی رائفلیں چھپائے کسی بھی ناگہانی آفت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔

تینوں نے پاکستانی علاقے میں پہنچتے ہی سکھ کا سانس لیا اور اب وہ سرکنڈوں کے ط سلسلے کے ایک محفوظ کنج میں بیٹھے خود کو نارمل کر رہے تھے۔

ان تینوں میں گیتا نجلی سب سے زیادہ مطمئن نظر آ رہی تھی گو کہ اس مسلسل بھا دوڑ اور نفسیاتی کھچاؤ نے اس کے خوبصورت چہرے پر اضمحلال طاری کر دیا تھا۔۔۔

لیکن۔۔۔

اس کی آنکھوں کی چمک بہت بڑھ گئی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے سے بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"اس طرف ہماری کونسی پوسٹ ہے۔۔۔ میرے خیال سے "ترنگی" پوسٹ گی"۔۔۔ عالم شیر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"نہیں ہم اس سے بستری پوسٹ ماکھانوالی کے نزدیک ہیں"۔۔۔ بشیر نے کہا۔

"کمپنی ہیڈ کوارٹر بھی شاید یہیں ہیں۔۔۔ چلو اچھا ہو گیا۔ ادھر ہی چلتے ہیں"۔۔ عالم شیر نے کہا۔

"وہ جو لڑکا تین چار روز پہلے جیل میں آیا تھا۔ اسی علاقے کے گاؤں کا تھا۔ اس ذریعے مجھے علم ہوا تھا کہ یہاں دوبارہ خان صاحب کمپنی کمانڈر بن کر آ گئے ہیں۔۔۔ مے بہت عزت کرتے ہیں۔ وہ۔۔۔ میرے خیال سے بھی وہیں جانا بہتر ہے لیکن ہمیں اجا کا انتظار کرنا چاہیے۔۔۔ فائرنگ کی وجہ سے رینجرز والے بھی چوکس ہیں اور عین مم ہے کہ وہ بے خبری میں گولی نہ چلا دیں۔۔۔ بشیر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔" عالم شیر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔۔۔ "تمہیں سردی محسوس نہیں ہو رہی۔۔۔" اس نے گیتا نجلی کو مخاطب کیا۔۔۔ "میرا نام عالم شیر اور ا کا بشیر ہے۔"

اس نے دونوں کا تعارف بھی کروا دیا۔

"عالمے! میرے دماغ میں ایک بات آئی ہے۔۔۔ گیتا نجلی کا کوئی نام رکھ دو اور ا کہنا یہاں کسی کو بھی اپنا اصلی نام نہ بتائے۔۔۔ تم میری بات سمجھ گئے ہو ناں۔۔۔"

عالم شیر نے ایک لمحے کے لیے بشیر کے چہرے پر نظریں دوڑائیں اور اسکی ساری بات ھ گیا۔

"ہاں۔۔۔ تم اپنا نام عذرا بتا دینا۔۔۔ عذرا ولد مجید یہی نام تھا ناں تمہارے والد حب کا۔ اس سے زیادہ کچھ نہ بتانا۔۔۔ تمہیں میں کسی بڑے شہر کا ایڈریس بتا دیتا ہوں ی ان لوگوں کو بتا دینا۔۔۔ کہنا کہ تم اپنے والد کے ساتھ انڈیا گئی تھیں اپنی خالہ سے ملنے ہاں چار پانچ سال پہلے تمہارے والد بیمار ہو کر فوت ہو گئے جس کے بعد سے تم وہیں غیر نونی طور پر رہائش پذیر ہو۔۔۔ اب ہماری مدد سے یہاں پہنچی ہو۔۔۔ آگے کی کہانی میں خود سنا دوں گا۔۔۔ میرا خیال ہے یہ لوگ ہم پر اعتماد کرتے ہیں۔۔۔ جب ہمارے لوگ آ جائیں گے تو ہمیں گھر جانے کی اجازت بھی مل جائے گی۔۔۔ اور ہاں تم مطمئن رہنا۔ ارے ساتھ ہمارے گھر پر رہنا۔ بشیر کے دو بچے ہیں۔ اس کے گھر والے تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔۔۔ میری تو صرف ایک بوڑھی ماں ہے یا پھر ہم چار بہن بھائی ہیں۔۔۔"

عالم نے سرگوشی کے انداز میں انہیں بتانا شروع کیا۔

"یہ نام بہت اچھا ہے۔۔۔ عذرا۔۔۔ ٹھیک ہے آج سے میرا یہی نام ہوا۔ معلوم نہیں میرے ماں باپ نے میرا کیا نام رکھا ہو گا۔۔۔ مجھے صرف منی یاد رہ گیا ہے۔۔۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے سوامی کے چنگل سے نجات دلا دی۔۔۔ تم لوگ پریشان نہ ہونا۔ میں کسی پر بوجھ نہیں بنوں گی۔۔۔ میں۔۔۔"

"تم کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔۔۔" عالم شیر نے اسے ٹوک دیا۔۔۔ "تمہارے دل میں یہ خیال بھی کیسے آ گیا"۔۔۔

"آواز نیچی رکھو۔۔۔ بیوقوف مت بنو۔ ابھی ہم خطرے کی حد عبور نہیں کر سکے"۔۔۔ بشیر نے اسے حقائق کی تلخی کا ادراک کروانا چاہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔"

گیتا نجلی کے لیے اپنے جذبات پر قابو رکھنا ممکن نہیں تھا۔ کسی نہ کسی طرح اس نے خود کو سنبھالے رکھا۔

وہ ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے جا رہی تھی۔

اس زندگی کا خواب اس نے لڑکپن میں تب دیکھا تھا جب اس نے ماں سوامی ا بن کر ایک نفرت آلود زندگی جی رہی تھی۔

بشیر کے اشارے پر دونوں اس کے تعاقب میں چلنے لگے۔

فائرنگ اب رک گئی تھی اور روشنی کرنے والے راؤنڈ جو بھارتی بی ایس ایف میں داغے تھے آہستہ آہستہ ان کی مصنوعی روشنیاں ماند پڑنے لگی تھی بالاخر ان کے زمین پر گر پڑے اور آسمان کو پھر رات کی سیاہی نے نگل لیا۔

تینوں پاکستانی چیک پوسٹ کی طرف جا رہے تھے جب اچانک ہی انہیں "ہالٹ" ہا کی آوازوں نے رکنے پر مجبور کر دیا۔

"ہینڈز اپ" کسی نے للکار کر کہا۔

تینوں نے ہاتھ اٹھا دیئے۔

ٹارچ کی روشنی ان کے چہروں پر پڑی اور تین چار سائے ان کی طرف تیزی سے لپ

"اوئے بشیرے تو کہاں؟"

مانوس سی آواز نے تینوں کو سکھ کا لمبا سانس لے کر ہاتھ نیچے گرانے کا حوصلہ دیا۔

یہ پاکستانی رینجرز تھے جو فائرنگ کی آواز پر چوکنے ہو کر بھارت کی طرف سے آ والے رستوں پر مستعدی سے پھیل کر پہرہ دے رہے تھے۔

"چاچا منیر تم کیسے ہو؟"

بشیر نے بھی اپنے مخاطب کو پہچان لیا تھا اور اب دونوں ایک دوسرے سے گرمجوشی بغل گیر ہو رہے تھے۔

"اپنے بندے ہیں"----

حوالدار چاچا منیر نے اپنے نوجوان ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا جن کے تنے ہو اعصاب اس اطلاع سے کچھ ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

"اتنا لمبا عرصہ کہاں گزارا----"

چاچا منیر نے پوسٹ کی طرف چلتے ہوئے کہا۔

"بس چاچا---- لمبی کہانی ہے پوسٹ پر پہنچ کر سناتے ہیں۔"

بشیرے نے جواب دیا۔

"تو یہ ہنگامہ آرائی تمہارے لیے تھی۔ میں نے سوچا اس طرف تو چڑیا پر نہیں مارتی یہاں سے کون سرحد عبور کرنے لگا ہے۔"

چاچا منیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

پوسٹ پر ان کی آمد کی اطلاع شاید پہلے سے پہنچ گئی تھی۔ کیونکہ یہاں موجود تین چار جوان جو شاید سو رہے تھے اٹھ کر باہر آ گئے تھے۔

"اندر آ جاؤ"----

حوالدار چاچا منیر نے جو اس پوسٹ کا انچارج بھی تھا ان کی راہنمائی اپنے کمرے کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

تینوں اس کے کمرے میں موجود دو چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔

"یہ عالم شیر ہے معلوم نہیں کبھی اس طرف سے کراس کیا ہے یا نہیں لیکن ہے بڑا جی دار---- اور یہ بے چاری مسلمان عورت ہے ادھر اپنے عزیزوں کو ملنے گئی تھی وہیں پھنس کر رہ گئی اس کا نام عذرا ہے"----

بشیر نے حوالدار منیر سے اپنے ساتھیوں کا تعارف کروایا۔

"بیٹی! آرام سے بیٹھو---- اب تم بالکل محفوظ ہو"----

حوالدار چاچا منیر نے جس کی ساری جوانی انہی سرحدوں پر پہرے دیتے بڑھاپے کی بھینٹ چڑھنے لگی تھی اور جو انسانوں کے دور بہت اندر تک جھانک لینے کی قدرتی صلاحیت رکھتا تھا نے گیتا نجلی کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر اسے تسلی دی۔

وہ جانتا تھا کہ بشیر جھوٹ بول رہا ہے۔

لیکن----

اس جھوٹ سچ کا پتہ لگانا اس کے فرائض میں شامل نہیں تھا اسے اس بات کا علم تھا کہ بشیر سیکیورٹی والوں کے لیے ایک عرصے سے خدمات انجام دے رہا ہے۔

گزشتہ دس سال سے تو وہ اسے جانتا ہی تھا اسے علم تھا کہ انٹیلی جنس کے لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں---- عالم شیر کا نام بھی اسے سنا سا لگا۔ اس کی علم میں یہی بات آئی تھی کہ بشیر بھارت میں گرفتار ہو چکا ہے۔ اس نے اندازہ کر لیا کہ بشیر جیل سے فرار ہو کر

آیا ہے اور یہ دونوں بھی اس کے ساتھی ہیں۔

شاید دونوں میاں بیوی ہوں؟ یا پھر کوئی اور----

حوالدار چاچا منیر نے اس چکر میں پڑنے کی بجائے پوسٹ پر موجود ایک جوان کو چا تیار کر کے لانے کے لیے کہا۔

سردی کے بڑھنے کا احساس انہیں اب تک تو نہیں ہوا تھا لیکن اب محفوظ ہاتھوں پہنچنے کے بعد وہ موسمی اثرات بھی محسوس کرنے لگے تھے۔ گیتا نجلی نے باقاعدہ کپکپانا شر کر دیا تھا۔

"یہ کمبل اوڑھ لو بیٹی----" چاچا منیر نے ایک طرف کرسی پر رکھا کمبل اس طرف بڑھایا۔

"لے لو عذرا---- کمبل لے لو---- ہمیں رات یہیں گزارنی ہے----" عالم ش نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

گیتا نجلی نے کمبل اپنے جسم کے گرد لپیٹ کر خود کو سردی کی شدت سے قدرے محفو کر لیا تھا۔

"تم لوگ صبح تک آرام کرو۔ صبح کمپنی ہیڈ کوارٹر اطلاع پہنچا دوں گا وہاں سے تمہار دوستوں سے بھی رابطہ ہو جائے گا۔"

حوالدار منیر نے چائے آنے پر انہیں کہا۔ اسے خود دوبارہ اپنی جگہ واپس جانا تھا۔ را کی پہرے داری میں وہ کسی کوتاہی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

"ہاں---- ہمیں کچھ آرام کر لینا چاہیے۔ خان صاحب ہی ادھر کمپنی کمانڈر ہی یا؟"----

"نہیں ان کا دو ماہ پہلے تبادلہ ہو گیا تھا"----

حوالدار منیر نے بشیر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

وہ تو انہیں "خدا حافظ" کہہ کر چلا گیا لیکن بشیر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ نیا کمپنی کمانڈر نجانے کیسا ہو گا؟ خان صاحب سے اس کے خصوصی مراسم تھے اور ان کے ساتھ موجود گیتا نجلی کو بھی وہ عالم شیر اور بشیر والی حیثیت دیتے۔

لیکن----

یہ نیا شخص نجانے ان سے کیا سلوک کرے۔

اس نے اپنے شک کا اظہار عالم شیر پر کر کے اسے اور گیتا نجلی کو مایوس کرنے کے بجائے فی الوقت صبح کا انتظار کرنا ہی مناسب جانا۔ دونوں ایک چارپائی پر لیٹ گئے جبکہ گیتا نجلی کمبل اوڑھے دوسری چارپائی پر بیٹھی رہی۔ عالم شیر اور بشیر نے تو کچھ دیر سو کر صبح کی تھی جبکہ گیتا نجلی نے ساری رات کروٹیں بدلتے گزاری تھی۔

صبح حوالدار منیر نے انہیں دو جوانوں کی حفاظت میں کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ کر دیا----!!

کمپنی کمانڈر نے ان کا استقبال گرفتار قیدیوں کی حیثیت سے کیا تھا وہ چاہتا تھا کہ دونوں اس کے ان تمام سوالات کے جوابات دیں جو اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے جبکہ دونوں نے اپنے افسران کے آنے تک اس کی کسی بات کا جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔

"تم جانتے ہو کس سے بات کر رہے ہو؟"

کمپنی کمانڈر نے انہیں غصے سے لرزتی آواز میں کہا۔

"جی ہاں---- اپنے ملک کے ایک افسر سے جسے نہ اپنی حیثیت کا احساس ہے اور نہ اس بات کا علم کہ ہم جیسے مہمانوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک روا رکھا جاتا ہے---- ہم نے بتایا ہے کہ ہم کوئی سمگلر نہیں۔ انٹیلی جنس کے لوگ ہیں۔ آپ ہمارے افسران کو اطلاع کیوں نہیں دیتے۔ آپ کا حوالدار مجھے جانتا ہے---- مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ بات کس لہجے میں کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں جبکہ ہم اپنی شناخت کروا چکے ہیں"---- بشیر نے کہا۔

"تم جو بھی کہو---- میرے نزدیک ابھی تک تم تینوں مشکوک ہو۔ میں اپنی تسلی کئے بغیر تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کروں گا---- اگر تم نے نہ بتایا کہ یہ عورت کون ہے تو میں اسے علیحدہ لے جا کر تفتیش کروں گا"----

کمپنی کمانڈر کی گفتگو اور اس طرح اچانک پیش آنے والی صورتحال نے گیتا نجلی کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بڑی خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔

"دیکھو مسٹر تم جو کوئی بھی ہو---- ہم اب تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دیں گے

اور جہاں تک اس عورت کو لے جانے کا تعلق ہے تو اس کا کبھی تصور بھی نہ کرنا۔۔۔ ہماری حفاظت میں ہے اگر ہم کافروں کی سر زمین سے اسے بحفاظت یہاں تک لا سکتے ہ اپنے ملک میں بھی انشاء اللہ اس کی حفاظت کر لیں گے۔"

عالم شیر کو بھی طیش آنے لگا تھا۔

"تم ہو کون اوئے؟ بڑی باتیں کر رہے ہو؟"۔۔۔۔

کمپنی کمانڈر بڑا اکھڑ اور بدتمیز آفیسر تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ نشے کی حالت میں باتیں کر رہا ہو۔

"عالمے تو چپ کر۔۔۔۔ ہم اس کی کسی بات کا جواب اپنے افسروں کے آنے نہیں دیں گے۔"

بشیر نے چاہا کہ حکمت عملی سے کام لے کر معاملہ سنبھالے۔

اس کی جہاندیدہ آنکھوں نے کمپنی کمانڈر کی نیت کے فتور کا اندازہ لگا لیا تھا۔ گیتا کی شکل پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا تھا۔ وہ تو شکل سے بھی کوئی ع دکھائی دے رہا تھا خوبصورت لڑکیوں سے جی بہلانا جس کا مشغلہ رہا ہو۔

"تم یوں نہیں مانو گے"۔۔۔۔

کمپنی کمانڈر نے اتنا کہتے ہوئے اپنی میز کے کونے پر لگے بٹن کو دبایا۔

پلک جھپکنے میں وہاں آٹھ دس مسلح رینجرز آ گئے۔۔۔۔ یہ لوگ شاید اپنے افسر کے سے آگاہ تھے کیونکہ انہوں نے ضرورت سے زیادہ مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان رائفلیں تان لیں۔

"لے جاؤ انہیں اور الگ الگ بند کر دو"۔۔۔۔

کمپنی کمانڈر نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"دیکھو تم بہت زیادتی کر رہے ہو۔۔۔۔ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی تو اس کا بہت خمیازہ بھگتو گے"۔۔۔۔

بشیر نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے اسے سمجھانا چاہا۔

رینجرز نے یہ سمجھا کہ وہ ان کے کمپنی کمانڈر پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ انہوں نے کو دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا۔

عالم شیر نے چاہا کہ آگے بڑھ کر بشیر کو بچائے تو رینجرز اس پر پل پڑے۔ انہوں نے نوں کو بندوقوں کے بٹ اور ٹھوکریں مارتے ہوئے باہر لے جانا چاہا۔ عالم شیر کا دماغ غصے ے پھٹنے کو آ رہا تھا اس نے بے بسی اور طیش کے عالم میں انہیں گالیاں دینا شروع کر دیں ں پر وہ سب عالم شیر پر پل پڑے۔

اس صورت حال نے گیتا بنگلی کو حواس باختہ کر دیا تھا۔ اس نے دیوانہ وار چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ کمپنی کمانڈر نے اسکا بازو پکڑ کر اسے ایک طرف کھینچا۔

یہ آخری منظر تھا جو عالم شیر نے دیکھا۔ اس کے بعد ان دونوں کو اور کچھ دیکھنے کا موقع نہ ملا کیونکہ رینجرز کے جوان انہیں بندوقوں کی نوک پر پاؤں سے ٹھوکریں مارتے یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک کونے میں موجود چھوٹی سی بیرک کی طرف لے گئے۔ جہاں ان دونوں کو انہوں نے بے دردی سے دھکے دے کر اندر پھینکا اور باہر سے تالا لگا کر دروازہ بند کر دیا۔

دونوں سکتے کے عالم میں کافی دیر تک چپ چاپ بیٹھے رہے۔۔۔۔

اپنوں کے اس بہیمانہ سلوک نے ان کے دماغ سن کر دیئے تھے۔ انہیں اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ اس کمپنی کمانڈر جیسی کالی بھیڑیں جو ملک کے اکثر ذمہ دار عہدوں پر فائز ہیں غیر شعوری طور پر ہی سہی لیکن دشمن کا آلہ کار بنی ہوئی ہیں۔۔۔۔ یہی وہ لوگ تھے جو محب وطن پاکستانیوں کی اپنے گھٹیا اور غیر انسانی سلوک سے برین واشنگ کر دیا کرتے تھے۔

یہی وہ درندے تھے جن کی ناانصافیوں کے خلاف کئی شرفا سراپا احتجاج غنڈوں کا روپ دھار چکے تھے۔

لیکن۔۔۔۔

اپنی وردیوں اور اپنے جیسے حرام کاروں کی مہربانیوں کے طفیل یہ لوگ احتساب سے بچے ہوئے بڑی لاپرواہی سے اس گھناؤنے دھندے میں مصروف تھے اور کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں تھا۔

قانون نے انہیں انسانیت کی فلاح کے لیے اختیارات سے نوازا تھا۔

لیکن۔۔۔۔

ان بھیڑیوں نے اپنے اختیارات کے بل بوتے پر خود کو فرعون بنا لیا تھا اور خدا کی اس زمین پر "نمرود شاہی" کے نمائندے بن کر بیٹھ گئے تھے۔۔۔۔

افسوسناک بات تو یہ تھی کہ دن بدن ان کی حرام کاریوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ کوئی ان کے منہ میں لگام ڈالنے والا نہیں تھا۔۔۔۔!!

ایک طرف چاچا منیر جیسے ایماندار اور ملک کی آن پر اپنی جانیں نچھاور کر دینے والے سرحدوں کے پہرے دار تھے جو راتیں اس لیے جاگ کر بسر کرتے تھے کہ اپنے ملک کے باسیوں کو سکھ کی نیند نصیب ہو اور دوسری طرف اسی فورس کے ایسے بد کردار آفیسر تھے اپنی حرکتوں سے غیور پاکستانی شہریوں کی راتوں کی نیند حرام کر رہے تھے۔۔۔۔!!

"بہت برا ہوا۔۔۔۔ بہت برا ہوا۔ بشیرے میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں اس کا خون پی جاؤں گا"۔۔۔۔

عالم شیر نے بالآخر غصے سے دھاڑتے ہوئے بشیر کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"عالمے! میں جانتا ہوں اس نے کمینگی کا مظاہرہ کیا ہے۔۔۔۔ میں جانتا ہوں اس نے بڑی گھٹیا حرکت کی ہے اس کے باوجود تم صبر کرو اور خود پر قابو رکھو۔۔۔۔ ابھی اس ملک کے پاسبانوں کی غیرت نہیں مری۔۔۔۔ چاچا منیر بھی اسی فورس کا ایک نمائندہ ہے۔ وہ خدا کے پراسرار بندے جنہوں نے رات ہمارے لیے چارپائیاں خالی کر دی تھیں۔ اپنے آرام کو ہمارے لیے حرام کر لیا تھا وہ ابھی زندہ ہیں۔ اسے سزا ضرور ملے گی۔۔۔۔ تم کسی آفیسر کو تو لینے دو"۔۔۔۔

بشیر کی ہر ممکن کوشش تھی کہ عالم شیر خود کو نارمل کر لے۔

"بشیرے! تم سوچو اس بے چاری پر کیا بیت رہی ہو گی۔۔۔۔ کیا یہی دن دیکھنے کے لیے اس نے اتنا طویل انتظار کیا تھا۔۔۔۔ اف میرے خدایا! اس کے دل و دماغ پر کیا گزر رہی ہو گی اور یہ درندہ' یہ بھیڑیا نجانے اس سے کیا سلوک کرے"۔۔۔۔

"وہ اسکی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔۔۔۔ عالمے! خدا کی قسم وہ میری بہن ہے میں اس کی طرف بڑھنے والے ہاتھ توڑ دوں گا۔۔۔۔ اگر اس کی قسمت میں ابھی چار دن کی زندگی ہے تو کبھی بھول کر بھی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کرے گا"۔۔۔۔

بشیر کی آواز سے قہر برس رہا تھا۔

"بشیرے! یہ شیطان اور بد خصلت آدمی ہے۔ اس سے کچھ بعید نہیں۔۔۔۔ اسے بہت سی قانونی موشگافیوں کا علم ہو گا۔۔۔۔ خدا ہی جانے اب یہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے

گا۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اس نے انٹیلی جنس والوں کو ہماری اطلاع ہی نہیں دی"۔۔۔۔

عالم شیر نے تشویش ظاہر کی۔

"اس کی فکر تم نہ کرو۔۔۔۔ حوالدار چاچا منیر کو علم ہے کہ ہم پاکستان آ چکے ہیں۔ اب خدا کے فضل سے یہ ہمیں جان سے تو مارنے سے رہا اور تم یہ نہ سمجھنا کہ وہ ہمارے حال سے بے فکر ہو گا اس نے ضرور اپنے ذرائع سے ہماری آمد سے انٹیلی جنس والوں کو مطلع کر دیا ہو گا۔" دونوں ایک دوسرے کو طفل تسلیاں دیتے رہے پھر وہ خاموشی سے آنے والے وقت کے منتظر ہو رہے۔

وہ نہیں جانتے تھے کہ انسانی کھال میں چھپے بھیڑیئے سے ٹکرا گئے ہیں۔

کمپنی کمانڈر

کمپنی کمانڈر برکت نے تین مرتبہ محکمانہ جواب دہی کا سامنا کیا تھا۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔

اپنے بے پناہ اثر و رسوخ خصوصاً ایک بڑے سیاسی خاندان سے تعلق کے باعث وہ ہر دفعہ بڑا جرم کر کے صاف بچ نکلتا تھا۔۔۔۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ تین سال پہلے سو... کی بڑی کھیپ کے ساتھ جو دو سمگلر سرحد عبور کر کے جا رہے تھے۔ اس نے انہیں ہو... سے گرفتار کر کے مار ڈالا۔ ان کی لاشیں بھارتی علاقے میں پھینک دیں اور ان کا سارا سو... خود ہضم کر گیا۔

اس مسئلے پر بڑی لے دے ہوئی اس کے خلاف انکوائری کی گئی اور ہیڈکوارٹر سے ایک خصوصی ٹیم کو اس کے کالے کرتوت کا جائزہ لینے کے لئے اس طرف روانہ کیا گیا۔

لیکن۔۔۔۔

برکت بڑا گھاگ شکاری تھا۔

اس کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ وہ جرم کر کے کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا تھا۔ اس کے د... ماتحتوں نے حلفاً اس بات کی گواہی دی کہ واقعی برکت قصوروار ہے لیکن کوئی ثبوت ہاتھ ن... آنے پر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جا سکی۔۔۔۔ اس نے کمال دلیری اور ہوشیاری سے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دونوں لاشیں بھارتی سرحد کے اندر اسی لئے پھینکی تھیں کہ وہ اس کیس کے تمام ثبوت ہی ضائع کر دے۔

ہوائی فائرنگ کر کے اس نے بظاہر یہ تاثر بھی دے دیا تھا کہ دوسری طرف کوئی مقابلہ ...ا ہے۔

اس نے بہت سوچ سمجھ کر یہ سارا منصوبہ بنایا تھا۔ انکوائری ٹیم یہ دیکھ کر حیران رہ گئی ...ہ اس کے پاس اپنی گولیوں کا مکمل ذخیرہ محفوظ تھا۔ اس بات کا علم تو انہیں ہو ہی نہ سکا کہ ...کت نے فائرنگ بھی سمگلروں ہی کی کلاشنکوف سے کی تھی اس نے پھر بھارتی سرحد کے ...ندر ان کی لاشوں کے نزدیک پھینک دیا تھا۔

سرحدی صورتحال اتنی کشیدہ تھی کہ دونوں ممالک کے افسران ایک دوسرے سے کسی ...سئلے پر بات کرنا تو کیا ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اس لئے اس ...اقعے کی تصدیق بھی نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔۔

انکوائری کمیٹی نے بڑی مایوسی کے عالم میں ہیڈکوارٹر کو رپورٹ دی تھی کہ وہ ملزم کے خلاف کوئی ثبوت حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں لیکن ان کے دل اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ جو الزام لگایا گیا وہ سچا تھا۔ واقعی برکت نے یہ گھناؤنا کام کیا تھا۔

لیکن۔۔۔۔

محض دل کی گواہی پر اس کے خلاف محکمہ کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔۔۔۔!!

برکت پھر بچ گیا۔۔۔۔!!

اس واقعے کے بعد تین سال تک اسے سرحد سے دور عام سی ذمہ داریاں سونپی گئیں لیکن یہاں اس نے سامان کی خرید و فروخت کے چکر میں ایک لمبا ہاتھ مارا اور دوبارہ معتوب ہو کر پھر سرحدی ڈیوٹی پر آ گیا۔

محکمے کی نظریں اس پر لگی تھیں اس کا علم برکت کو بھی تھا لیکن اس نے سونا اس طرح غائب کر دیا تھا کہ کسی نزدیکی رشتہ دار کو بھی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔۔۔۔!! وہ مزید ایک آدھ سال نوکری کرنے کے بعد طبی بنیادوں پر استعفیٰ دینے کی منصوبہ بندی کر چکا تھا۔

یہ نوکری اس نے ابھی تک صرف بے ایمانی سے حاصل کردہ بے پناہ دولت کو چھپانے کے لیے ہی رکھی ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا ابھی تک سونے والے کیس پر تفتیش کرنے والے افسران نے اس سے نظریں نہیں اٹھائیں۔ اسے کسی ایسے وقت کا انتظار تھا جب حالات کچھ بہتر ہوں اور برکت چپ چاپ اپنے لوٹے ہوئے مال سمیت کسی دوسرے ملک میں جا کر باقی

زندگی عیش و آرام سے گزار سکے----

عورت اس کی ہمیشہ سے کمزوری رہی تھی۔

نجانے اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھا کر وہ اب تک کتنی معصوم جوانیوں کو اپنی زن بھینٹ چڑھا چکا تھا۔

لیکن----

جب سے اس نے گیتا نجلی کو دیکھا تھا اس کی رگوں میں ہوس کا سمندر ٹھاٹھیں مار لگا تھا---- اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کب اسے مہلت ملے اور وہ گہری آنکھوں وال خوبصورت عورت کو کھلونا بنا کر رکھ دے----

کمپنی کمانڈر برکت شیطان نما انسان تھا----

وہ خیر سے دور اور شر کے نزدیک تھا----

اس نے دنیا کو ہمیشہ اپنے دل کے آئینے میں دیکھا تھا---- اسے دنیا کا ہر انسان ا طرح شہوت زدہ بھیڑیا دکھائی دیتا تھا۔

گیتا نجلی کو اس نے ڈرا دھمکا کر اس سے ساری اصلیت اگلوا لی تھی----

خوف سے نیم مردہ گیتا نجلی نے اسے اپنی ساری کہانی رو رو کر اس لیے سنا دی تھی شاید اس کے دل میں خوف پیدا ہو جائے اور وہ اس کو "خصوصی کیس" جان کر ہی اس رحم کھا لے----

لیکن----

گیتا نجلی کی اصلیت جان کر جیسے برکت جیسے ہوس کے اندھے کے ہاتھوں بٹیرا لگ گ تھا۔

اس کے شیطانی ذہن نے فوراً اسے یہی سوجھایا کہ یہ دونوں سمگلر اس خوبصورت ہند لڑکی کو بھگا کر لائے ہیں اور وہ بھی مصلحت کے تحت مسلمان ہوئی ہے---- جس کا مطلب یہ تھا کہ اب تو وہ بغیر کسی حیل و حجت کے اس پر بلا شرکت غیرے اپنا حق رکھتا تھا۔

اس نے گیتا نجلی کو جو اپنا نام عذرا بتا رہی تھی۔ ابھی تک گیتا نجلی ہی جانتا تھا اور ا اس کے حصول کے لیے کوشاں تھا۔

اس نے حسن و شباب کی اس شہزادی پر مستقل قبضہ جمائے رکھنے کا شیطانی منصوبہ سو

لیا تھا اور اب وہ اس پر عمل کرنے جا رہا تھا۔

اپنے شیطانی منصوبے پر عمل پیرا ہونے کے لیے اسے سب سے پہلے اس بات کا اطمینان حاصل کرنا تھا کہ ابھی تک انٹیلی جنس والوں کو تو اس واردات کی خبر نہیں ہوئی؟---- اگر وہ لوگ ابھی تک اس گرفتاری سے بے خبر تھے تو کمپنی کمانڈر بڑی آسانی سے عالم شیر اور بشیر کو سرحدی علاقے میں گولی مار کر ان کی لاشیں غائب کروا سکتا تھا۔ وہ بڑا گھاگ اور مکار آفیسر تھا----

جس جگہ بھی جاتا پہلے سوسائٹی میں اپنے مطلب کے بندے ضرور اپنے گرد جمع کر لیا کرتا تھا جن کی مدد سے وہ اپنے گھناؤنے منصوبے پایہ تکمیل پہنچاتا تھا----

مقامی سمگلروں اور بدمعاشوں سے اس نے یارانہ گانٹھ رکھا تھا---- یہ لوگ اس کی ہوس رانیوں کے لیے سامان تسکین فراہم کیا کرتے تھے۔ وہ ان کی مدد سے دونوں کو مار کر ایسی جگہ غائب کروا سکتا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

لیکن----

اسے صرف ایک ہی فکر دامنگیر تھی کہ اگر انٹیلی جنس والوں کو اس بات کی خبر ہو گئی کہ یہ لوگ زندہ یہاں تک پہنچے ہیں تو وہ اسے زندہ زمین میں گاڑ دیتے۔

اسے اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں تھی کہ یہاں سے کوئی اس کے خلاف مخبری کرے گا کیونکہ وہ ایسی صورتحال کا سامنا متعدد مرتبہ کر چکا تھا۔ وہ قانونی موشگافیوں سے آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ ثبوت کے بغیر اس کے خلاف قانون حرکت میں نہیں آ سکتا اور ثبوت وہ قانون کے ہاتھ کبھی نہ لگنے دیتا----

البتہ انٹیلی جنس والوں کی بات اور تھی----

اگر انہیں اس کے کرتوت کا علم ہو جاتا تو وہ قانونی موشگافیوں میں الجھے بغیر اس کے جسم سے کھال کھینچ کر الگ کر دیتے اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو اب تک وہ متعدد بے گناہوں کے ساتھ کر چکا تھا۔

اپنے شکوک کی تصدیق کے لیے اس نے پوسٹ وائرلیس کر کے وہاں سے دریافت کیا کہ پوسٹ والوں نے ان لوگوں کی ایجنسی والوں کو خبر دی ہے یا نہیں----!

"سر! یہ تو معمول کی بات ہے---- میں خود بشیر کو جانتا ہوں۔ اس لیے میں نے

تکواڑہ پوسٹ کو مطلع کر دیا تھا کیونکہ آج ایجنسی والوں نے وہاں آنا تھا"---- حوالدار نے جواب دیا۔

"گدھے---- الو کے پٹھے۔ آئندہ میرے حکم کے بغیر کبھی افسران سے بالا سے را نہ کرنا" اس کا خون کھولنے لگا تھا۔

اس بوڑھے حوالدار نے اس کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔

لیکن----

اس نے ہار ماننا تو سیکھا ہی نہیں تھا----

اب تو اسے ضد ہی ہونے لگی تھی----

ہوس نے اسے اندھا کر دیا تھا----

یہ خوبصورت چڑیا اس کے ہاتھ سے اسی طرح اڑ جائے گی؟

"نہیں---- کبھی نہیں---- ناممکن"---- وہ اپنے آپ میں بڑبڑایا۔

"دیکھو میں تمہیں مقامی پولیس کے پاس لے جا رہا ہوں۔ قانونی طور پر ہم تمہیں یہ نہیں رکھ سکتے۔ ہماری مجبوری ہے---- وہاں معمول کی کارروائی کے بعد وہ لوگ تمہ جس آدمی کے ساتھ بھی تم چاہو گی جانے کی اجازت دے دیں گے----"

اس نے گیتا نجلی سے کہا۔

گیتا نجلی نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس بات کیا جواب دے۔

اسے تو اب تک یہ بھی احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گئی----

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ اس کے ساتھ بیت رہی ہے وہ خواب نہیں حقیق ہے۔ جس طرح پوسٹ پر اس کا استقبال ہوا تھا اور بوڑھے حوالدار نے اسے بیٹی کہہ مخاطب کیا تھا----

جس طرح سرحدی پاسبانوں نے اس کی طرف دیکھ کر احترام سے نظریں جھکا لی تھیں اس کے بعد سے وہ بھی گمان کرنے لگی تھی کہ واقعی وہ اپنوں میں آ گئی ہے۔

لیکن----

یہ سب کیا تھا؟----

یہ شخص کون ہے؟----

کیا یہاں بھی مہاراج سوامی جیسے لوگ رہتے ہیں؟

اس نے سوچا اور چکرا کر رہ گئی۔

"دیکھو خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ میں تمہاری مسلمان بیٹی ہوں۔ میں ہندو کے چنگل ے آزاد ہو کر آئی ہوں۔ تم میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہو۔ تم مجھے عالم شیر ے پاس کیوں نہیں لے جاتے---- وہ خود سب کچھ کر لے گا"---- اس نے روتے ئے برکت کے سامنے ہاتھ باندھے۔

"اوہو! تم کیوں خوامخواہ رو رہی ہو---- اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہی ہو۔ میں نے ہیں بتا دیا ہے کہ میں قانون کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ اگر تم آرام سے نہیں جاؤ گی تو ہمیں بردستی کرنی پڑے گی---- کیا تم پسند کرو گی کہ تمہارے ساتھ زبردستی کی جائے"----

یطان نے ہوسناک نظروں سے اس کی گھبرائی ہوئی آنکھوں میں جھانکا----!

"م---- میں----"

اس نے رونا شروع کر دیا۔

"بند کر یہ رونا دھونا---- چپ کر جاؤ ورنہ----" اس نے اتنی بے رحمی سے گیتا نجلی کو ڈانٹا کہ بیچاری لرز کر رہ گئی۔

"آؤ میرے ساتھ پولیس سٹیشن----"

اس نے اتنا کہہ کر گیتا نجلی کا ہاتھ پکڑا اور اس کے نیم مردہ وجود کو جھٹکا دے کر اپنے کمرے کے باہر کھڑی جیپ میں پھینک دیا۔

"میں ذرا پولیس سٹیشن تک جا رہا ہوں---- اس لڑکی کو پولیس کی حفاظت میں دینے کے لیے"----

اس نے جان بوجھ کر اونچی آواز سے اپنے ماتحتوں سے کہا۔

اپنی روانگی سے متعلق اس نے یہی کچھ اپنے ڈیوٹی رجسٹر میں درج کیا تھا----!!

کمپنی ہیڈ کوارٹر سے باہر آتے ہی اس نے جیپ کو تیز رفتاری سے شہر کی طرف جانے والے راستے کی بجائے سرحدی علاقے کی طرف دوڑانا شروع کر دیا----

سڑک یہاں کچی تھی اور تیز رفتاری کے سبب جیپ کو بار بار جھٹکے لگ رہے تھے۔ نجلی نیم مردہ سی بے دم ہو کر پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی---- اتنی خوفزدہ وہ رات کو جیپ ہونے والے سفر سے نہیں تھی جتنی خوفزدہ وہ اس وقت تھی----! خوف اس کے رگ پے میں سرایت کر گیا تھا۔

اس کو اپنے حلق میں کانٹے اترتے محسوس ہو رہے تھے۔

اس کی زبان سوکھ کر تالو سے چمٹ گئی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی آواز ہ کے لیے بند ہو گئی ہے اب وہ کبھی نہیں بول سکے گی----

وہ اتنی سہم گئی تھی کہ اپنے ساتھ ہونے والے اس جبر پر احتجاج کی ہمت بھی نہیں رہی تھی۔

جیپ اب کھیتوں کے ایک سلسلے میں داخل ہو چکی تھی جہاں ایک کونے پر بنے ٹیو ویل کے نزدیک اس نے جیپ روک دی۔ وہ شاید یہ نہیں چاہتا تھا کہ متعلقہ شخص کے عا کوئی اور گیتا نجلی کو یہاں دیکھ لے اور مستقبل میں اس کے خلاف کوئی گواہی مہ آئے----

کچھ سوچتے ہوئے وہ جیپ سے اتر گیا----!

"چپ چاپ یہاں بیٹھی رہو---- اگر آواز نکالی تو گولی مار کر یہیں پھینک جاؤں گ تھانیدار صاحب اس ٹیوب ویل پر آئے ہوئے ہیں میں انہیں لینے جا رہا ہوں۔ وہ تمہ اپنے ساتھ لے جائیں گے اور دو ڈھائی گھنٹے میں قانونی کارروائی پوری کر کے تمہیں عالم ش اور اس کے ساتھی سے ملا دیں گے---- اگر تم نے جیپ سے پاؤں باہر نکالا تو ماری جاؤ یاد رکھنا----"

برکت نے اسے اپنی دانست میں اچھی طرح ڈرا دھمکا کر یہیں منجمد کر دیا تھا۔ خود تیز رفتاری سے ٹیوب ویل کی طرف جا رہا تھا----!

کھیتوں کو پانی دیا جا رہا تھا اور کچی زمین کی وجہ سے اسے پھونک پھونک کر قدم رکھ پڑتے تھے۔

ٹیوب ویل تک پہنچنے کے لیے اسے لمبا چکر کاٹ کر جانا پڑا اور آٹھ دس منٹ بعد بمشکل ٹیوب ویل پر پہنچا۔

مکھو نے اسے کچھ فاصلے ہی سے اس طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس علاقے کا نامور گر تھا اور آٹھ دس روز پہلے ہی ضمانت پر رہا ہو کر آیا تھا۔ اس کے خلاف قتل کا ایک ہ مقدمہ ہمیشہ درج رہتا تھا۔

لیکن----

وہ بھی اس شیطان کی طرح کسی نہ کسی طرح قانون کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہی جاتا۔

اس وقت اچانک کمپنی کمانڈر کو اس طرف آتے دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے دل ی موٹی سی گالی برکت کو دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ برکت کبھی مطلب کے بغیر یہاں نہیں آ تا۔ اب بھی ضرور وہ کسی چکر میں آیا ہو گا۔ اس کمبخت کی فرمائش بھی بڑی ہوتی تھی اور زشتہ دو مہینے سے اس نے ایک بھی چکر سرحد کے دوسری طرف نہیں لگایا تھا جبکہ ضمانت روانے پر اس کا اچھا خاصا خرچ اٹھتا تھا----!!

بادل نخواستہ اس نے اپنی گھنی مونچھوں کے نیچے ایک مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر چپکا لی استقبالیہ انداز میں آگے بڑھا----

"جناب عالی! جناب عالی! ہمیں حکم دیتے حضور آپ کی خدمت میں خود حاضر ہو جاتے پ نے کس طرح زحمت کی---- دھن بھاگ---- دھن بھاگ----"

اس نے چاپلوسی اور مکاری کا مظاہرہ کیا۔

"تمہیں جیل سے آئے آج دس روز ہو گئے ہیں اور ابھی تک اپنے یاروں کی خبر نہیں ----"

"مکھو! دیکھ لو---- تم ٹھیک نہیں کر رہے"----

برکت نے شکوے کے سے انداز میں کہا۔

"مائی باپ! میری کیا مجال---- سوچا کوئی مال ہاتھ لگ لے تو حضور کے درشن کروں۔ پ تو جانتے ہیں ادھر سے جو بنگالی عورتوں والا دھندہ چل رہا تھا وہ اب بندہ ہو گیا ---- ورنہ آپ کی خدمت میں کوئی کمی نہ رہتی---- مائی باپ میں نے سوچا خالی ہاتھ پ کے متھے کیا لگنا----"

مکھو نے بے شرمی سے دانت نکالے۔

اس درمیان ٹیوب ویل پر بنے چھوٹے سے کمرے سے اس کے دو ساتھی بھی گئے۔

کمپنی کمانڈر کو اچانک وہاں دیکھ کر وہ بھی پہلے تو ٹھٹکے پھر حوصلہ کر کے اس کی لپکے اور غلاموں کی طرح ماتھے تک ہاتھ لے جا کر اسے سلام کر کے مودب اس کے والی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"میں جناب کے لیے کوئی لسی پانی کا بندوبست کرتا ہوں"---- مکھو نے چاپلوسی کہا۔

"رہنے دے مکھو---- میں ذرا جلدی میں ہوں----"

برکت اچانک دو آدمیوں کے یہاں آ جانے سے کچھ پریشان ہو گیا تھا وہ ان لوگوں سامنے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا انہیں یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ یہاں سے جائیں۔ مرے پر سو درے اب مکھو اس کے لیے لسی پانی کا بندوبست کرنے چلا تھا۔ بر کے لیے سوائے خون کے گھونٹ پینے کے اور کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ جتنا وہ مکھو کو منع اتنا ہی اسکا اصرار بڑھنے لگا تھا۔ اب اس کے دونوں ساتھی بھی اس منت سماجت میں اس ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ انہیں وہم ہو گیا تھا کہیں کمپنی کمانڈر صاحب ناراضگی کی وجہ ان کے لسی پانی کو "ناں" کر رہے ہیں۔

دونوں برکت کے آگے ہاتھ جوڑتے رہے اور مکھو "اس کے "ناں' ناں" کرنے باوجود لسی پانے کے لیے چلا گیا"۔

برکت کے لیے یہ بھی ممکن نہیں رہا تھا کہ یہاں سے اٹھ کر جیپ کے پاس واپس جائے۔ اس طرح تو یہ دونوں گدھے اس سے چپک کر رہ جاتے اور اس کے قدموں میں کر بھی اسے جانے سے روک دیتے۔ بصورت دیگر مکھو انہیں زندہ زمین میں گاڑ دیتا۔ بر کی جان آدھی یہاں اور آدھی جیپ میں اٹکی تھی----

اس بات کا تو اسے اطمینان تھا کہ اس غیر آباد راستے پر شاید ہی کوئی مسافر آئے گا کوئی آیا بھی تو رینجرز کی جیپ دیکھ کر اس کے نزدیک پھٹکنے کی ہمت نہیں کرے گا اور ج تک گیتا نجلی کا سوال تھا اسے تو اس نے اتنا خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے اس کے کے بغیر ہل بھی نہیں سکتی تھی----

اس سب کچھ کے باوجود اس کی چھٹی حس نے اسے بے چین کیے رکھا۔ دس منٹ وہ خون کے گھونٹ پیتا مکھو کا منتظر رہا جو گاؤں میں اپنے گھر سے اس کے لیے لسی پانی چلا گیا تھا۔

دس منٹ بعد اس کی واپسی لسی اور دودھ کے بھرے ہوئے برتنوں کے ساتھ ہوئی اور نے برکت کے ساتھ موجود گدھوں کو بھی لسی اور دودھ کے بڑے بڑے گلاس بھر کر تھما یے----

اس طرح ان کے یہاں موجود رہنے کا مزید جواز پیدا ہو گیا تھا۔

"مائی باپ یہ ناجو ہے---- شاہ والی کا رہنے والا ہے---- حضور نے اس کا نام تو سنا گا" اس نے دونوں میں سے ایک کا تعارف کروایا۔

"بھئی اسے کون نہیں جانتا"---- برکت نے دودھ کا گھونٹ زہر کے گھونٹ کی طرح ن میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

"آپ کا کتا ہے مائی باپ---- آپ یقین کیجئے میں نے آج اسے آپ کی خدمت میں لام کرنے کے لیے ہی طلب کیا ہے---- حضور شہر سے بہترین مال آپ کے لیے تیار روایا ہے---- اپنی کوٹھی ہے اس کے اڈے کے باہر---- آج رات حضور وہیں زاریں گے---- بڑی زبردست باندی آپ کی خدمت کے لیے طلب کی ہے---- ضور کا دل خوش ہو جائے گا"---- مکھو نے چرب زبانی کا مظاہرہ کیا۔

"ٹھیک ہے---- ٹھیک ہے پھر کبھی دیکھ لیں گے---- اس وقت تو میں تمہارے اتھ ایک ضروری کام سے آیا ہوں مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے"----

برکت نے بے بسی سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"حکم مائی باپ---- حکم کیجئے----"

مکھو نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

برکت کا جی چاہتا تھا کہ ہاتھ میں پکڑا گلاس اس کے منہ پر دے مارے یا پھر اپنا سر اس سے پھوڑ لے----

وہ اسے کیسے سمجھاتا کہ کسی کی موجودگی میں وہ بات نہیں کر سکتا----!!

خدا خدا کر کے اس نے گھونٹ گھونٹ دودھ حلق میں اتارا۔ دیہات کی روایت کے

مطابق مکھو نے دوبارہ گلاس بھرنا چاہا لیکن اس نے زبردستی مکھو کے ہاتھ سے گلاس چھین لیا

"میرا پیٹ ٹھیک نہیں---- سمجھا کرو"---- اس نے قریباً ڈانٹتے ہوئے مکھو کو کہا۔

"ٹھیک ہے حضور پھر دونوں برتن آپ کے ساتھ جائیں گے۔ اب میں اس طرح انہیں گھر تو نہیں لے جا سکتا"----

مکھو نے کہا اور وہ دونوں بھی اس کی منت سماجت کرنے لگے۔

آدھا پون گھنٹہ ہونے کو آ رہا تھا اور وہ دونوں اٹھنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ برکت کے صبر کا پیمانہ بالآخر چھلک ہی پڑا----

"مکھو! تیرے ساتھ ایک ضروری بات کرنی تھی---- ذرا اس طرف آ جا" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں مائی باپ! بیٹھئے۔ تم چلو یار---- اندر چلو---- پھر بات کرتے ہیں"---- مکھو نے اسے وہیں بیٹھنے اور دونوں کو وہاں سے ہٹ جانے کو کہا۔

"ابے الو کے پٹھے---- گدھے---- تو نے میرا اتنا وقت ضائع کر دیا"---- اس نے دونوں کے ہٹتے ہی مکھو کو بے تحاشہ گالیاں دینی شروع کر دیں۔

مکھو کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنے "مائی باپ" کا غصہ کس طرح ٹھنڈا کرے۔ وہ بڑا مکار قسم کا بدمعاش تھا۔ پلک جھپکتے میں کمپنی کمانڈر کے پاؤں میں جا گرا----

برکت مزید ایک لمحہ ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"دیکھو میری جیپ یہاں سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہے----" اس نے وقت ضائع کیے بغیر اسے اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کیا---- اس میں ایک لڑکی موجود ہے۔

خبردار! اگر کسی نے اس کے جسم کو ہاتھ بھی لگایا---- آٹھ دس روز تک اسے غائب رکھنا ہے---- کسی کو ہوا نہیں لگنی چاہئے مکھو---- یاد رکھنا---- ورنہ تم تو جانتے ہو تمہارے ساتھ ہر وقت "پولیس مقابلے" کی گنجائش موجود ہے---- آخری فقرہ اس نے لفظ چباتے ہوئے ادا کیا تھا۔

"اوہ مائی! یہ اپنے بچے ہیں---- آپ کے کتے ہیں ان کے سامنے ہی آپ حکم دیتے---- آپ کے اشارے پر جان دے دیں گے---- آپ نے---- خیر! آیئے"۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا----

"حضور! آج سے پہلے آپ کو کبھی شکایت کا موقعہ ملا ہے جو آئندہ کبھی ملے گا---- بے فکر رہئے مالک! یہ تو ایک لڑکی ہے۔ ہم نے آپ کے حکم پر تین تین بنگالی لڑکیوں کو سنبھالا ہے---- اس کی ہوا نہیں نکلنے دیں گے"----

"پہلے ان دونوں کی فکر کرو"---- برکت کا ذہن ابھی تک ان دونوں میں اٹکا تھا۔

"مالک! آپ مکھو کے ڈیرے پر آئے ہیں---- انہیں اندھے اور بہرے سمجھیں ان کے متعلق کوئی شائبہ دل میں نہ رکھیں---- بھول جائیں کہ ہم دونوں کے علاوہ یہاں اور بھی کوئی تھا"

اس نے اتنے اعتماد سے یہ بات کہی تھی کہ اب برکت کو اپنی بے وقوفی پر غصہ آنے لگا تھا ضرورت سے زیادہ احتیاط کے چکر میں اس نے خاصا وقت ضائع کر دیا تھا----!! واقعی مکھو کوئی معمولی بدمعاش نہیں تھا اس کے ڈیرے پر موجود کسی بھی شخص سے کسی خطرے کی توقع رکھنا بڑی احمقانہ بات تھی----"

دونوں تیز رفتاری سے چلتے ہوئے جیپ تک پہنچے تھے برکت نے بے چینی سے فوراً پچھلا دروازہ کھولا۔

اچانک اسے یوں لگا جیسے اندر موجود سانپ نے اس ڈس لیا ہو۔ کمپنی کمانڈر برکت جھٹکے سے پیچھے ہٹا اور پاگلوں کی طرح تیزی سے جیپ کا چکر کاٹ گیا----

"کہاں گئی---- کہاں گئی؟"

اس نے مکھو کی طرف دیکھ کر اس طرح کہا جیسے وہی اس کا ذمہ دار ہو۔

"بھاگ گئی مائی باپ---- بھاگ گئی----" مکھو کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس بات کا کیا جواب دے۔

"مکھو! اپنے بندوں کو چاروں طرف پھیلا دو---- جاؤ اسے ڈھونڈو---- اسے کھوجو' ورنہ' ورنہ بہت برا ہو گا---- بہت برا ہو گا"----

برکت حواس باختہ ہو رہا تھا۔

"حوصلہ کیجئے مائی باپ---- کیا ہوا؟ کہاں جائے گی سالی---- آپ اس کا کچھ حلیہ وغیرہ بتائیں میں ابھی دس پندرہ بندے گھوڑیوں پر چاروں طرف پھیلا دیتا ہوں۔"

مکھو نے جان لیا تھا کہ اس سے بہتر چھچہ گیری کرنے کا موقعہ شاید اسے زندگی بھ دوبارہ کبھی میسر نہیں آئے گا۔

برکت اس کی بات سن تو رہا تھا لیکن اسے سمجھ کچھ نہیں آ رہی تھی کہ اس بات اسے کیا جواب دے۔

اسے کس طرح گیتا نجلی کا حلیہ سمجھائے۔

کچھ بھی ہو اسے خود کو سنبھالنا چاہیئے اس نے سوچا---- اس طرح ہاتھ پاؤں پ دینے سے کمان سے نکلا تیر واپس تو نہیں آ جائے گا----!

بڑی مشکل سے اس نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پایا اور مکھو کو گیتا نجلی کا حلیہ ا جو کپڑے اس نے پہن رکھے تھے ان کا رنگ بتانے لگا----!

اسے افراتفری میں یہ بھی یاد نہ رہا کہ گیتا نجلی کو حوالدار چاچا منیر نے اپنی بیٹی جان جو چادر دی تھی وہی اس نے اوڑھ رکھی ہو گی۔ جس میں اس کے کپڑوں کے رنگ چھ جائیں گے----!

"مائی باپ اطمینان سے جائیں' دس کوس ادھر یا دس کوس ادھر۔ جہاں بھی آپ کا ش ہے گردن سے دبوچ کر آپ کے قدموں میں لا کر ڈال دیں گے"----

مکھو نے برکت کو یقین دلانا چاہا۔

یہ تو مکھو اور برکت دونوں جانتے تھے کہ ایک دوسرے کو طفل تسلیاں ہی دے ر ہیں ورنہ اس طرح ہاتھ سے نکلا شکار کب لوٹ کر واپس آتا ہے۔

"دیکھو---- میری ایک بات کان کھول کر سن لو---- تمہارے آدمیوں کو کبھی ا بات کا علم نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اس لڑکی کو کس لیے ڈھونڈ رہے ہیں---- میرا نام غلطی سے بھی اپنی زبان پر مت لانا---- سمجھ گئے ناں----"

"سمجھ گیا مائی باپ---- بالکل سمجھ گیا----"

مکھو کے لیے اس وقت بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس حواس باختہ کمپنی کمانڈر سے اپنی چھڑائے جو اپنے حواس کھو بیٹھا ہے اور کوئی بھی غلط حرکت کر سکتا ہے۔

"اور ہاں---- اس کی اطلاع جو بھی ہو۔ غلط یا صحیح مجھے آج رات تک مل چاہیئے---- طریقہ تم جانتے ہو"----

جیپ میں بیٹھنے سے پہلے اس نے مکھو کو آخری ہدایت جاری کرتے ہوئے کہا مکھو نے ب مرتبہ پھر ہاں جی! حضور! مائی باپ! وغیرہ کی گردان جاری کی اور اس وقت تک اسے رٹتا ا جب تک کہ کمپنی کمانڈر برکت اپنی جیپ سمیت کھیتوں کے سلسلے کو عبور نہیں کر گیا۔

دیکھا---- سالا---- حرامی---- میں اس کا دلال ہوں کیا جو اس کی ماں کو ڈھونڈتا پھروں"----

مکھو نے اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی مغلظات بکنی شروع کر دی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی لڑکی اگر ہاتھ سے نکل جائے تو پھر دوبارہ قسمت سے ہی ہاتھ آتی ہے۔ جیل میں الگ خرچ کرتا تھا اور ضمانتوں پر علیحدہ کباڑہ ہوتا تھا۔ اب وہ کہاں سے کمپنی کمانڈر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نئی بلا اپنے سر منڈھ لے---- مقامی تھانیدار کو یوں بھی اس سے خدا واسطے کا بیر تھا---- اس نے اپنی زندگی میں کبھی اتنا احمق تھانیدار نہیں دیکھا تھا جو خود ہی بلکہ اپنے کسی ماتحت کو بھی رشوت نہیں لینے دیتا تھا اور جس نے مکھو کا ناطقہ بند رکھا تھا----

یہ اسی تھانیدار کی ہمت تھی جو اس نے مکھو کو گرفتار کر کے جیل کا منہ دکھایا تھا ورنہ تو وہ ہمیشہ ہی پولیس کو مطلوب رہا تھا۔

اسے یاد آگیا جب اس نے کمپنی کمانڈر برکت کو سفارش کرنے کے لیے پیغام بھیجا تو اس نے پیغامبر سے کہا تھا کہ وہ ایسے بدتمیز پولیس انسپکٹر کے منہ نہیں لگنا چاہتا۔

یہ تھا اس کی وفاداری کا انعام----!

وقت آنے پر اس موذی نے کس طرح آنکھیں پھیر لی تھیں۔ جس کے لیے اس نے جانے کتنی بے گناہ اور معصوم لڑکیوں کو اغوا کر کے اس تک پہنچایا تھا----!

"اونہہ----" اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے اور اپنے ٹیوب ویل کی طرف چل دیا۔

میجر جمال کو جب عالم شیر اور بشیر کے فرار ہو کر واپس پہنچ جانے کی اطلاع ملی تو بے اختیار اس نے کلمہ شکر ادا کیا---- جب سے دونوں گرفتار ہوئے تھے اسے ایک پل چین نہیں آیا تھا۔ انٹیلی جنس ڈیوٹی میں ایسے لوگوں کی حیثیت ٹشو پیپر سے زیادہ نہیں سمجھی جاتی۔

لیکن-----!

وہ کوئی عام قسم کا آفیسر نہیں تھا-----

خاندانی' خوددار' محب وطن اور اپنے ساتھیوں کے لیے جان نثار کرنے والا----- ا[س] نے اپنی زندگی میں ایک ہی باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا تھا اور اپنی کمپنی کے کسی شہید کی لا[ش] دشمن کے ہاتھ نہیں لگنے دی تھی-----

یہ تو اس کے دو زندہ ساتھی تھے----- جنہوں نے ملک و قوم کے لیے جان ہتھیلی [پر] رکھ کر خدمات انجام دی تھیں۔ جنہوں نے بارودی سرنگوں کے درمیان سے گزر کر بھار[تی] فوج سے متعلق مطلوبہ معلومات میجر جمال کو پہنچائی تھیں-----!

"میں خود انہیں لینے جاؤں گا"----- اس نے اپنے جونیئر سے وائرلیس پیغام کے جواب میں کہا۔

پچیس تیس میل کا فاصلہ میجر جمال نے انتہائی برق رفتاری سے طے کیا تھا۔ اپنے آف[س] سے اس نے دو جوانوں کو ساتھ لیا اور رینجرز کے کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گیا-----! یہاں پہنچ کر اس نے کمپنی کمانڈر کو غائب پایا اور جس حالت میں دونوں کو دیکھا اس کے بعد اسے اپنے آپ پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔

"لاک کھولو"-----

اس نے غصے سے گرجتے ہوئے وہاں موجود جوانوں کو حکم دیا۔

"سر! ہم کمانڈر صاحب کے حکم کے بغیر-----"

"شٹ اپ----- ڈو اٹ ناؤ"----- اس نے مقامی گارڈ کی بات کاٹ کر اسے ڈانٹ دیا۔

دونوں جوانوں نے میجر صاحب کو اس موڈ میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ بے اختیار ان کے ہاتھ اپنی گنوں تک پہنچ گئے۔

گارڈ نے بے بسی سے میجر صاحب کی طرف دیکھا اور لاک کھول دیا۔

میجر جمال دیوانہ وار دونوں سے بغل گیر ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں بے اختیار نمی اتر آئی تھی۔

ملک و قوم کے ان گمنام ہیروز کے ساتھ اس سلوک کا اس نے زندگی بھر تصور نہیں کیا تھا۔

دونوں کو اپنے ساتھ لیے وہ کمپنی کمانڈر کے کمرے میں بیٹھ گیا تھا جبکہ اس کے جوان کمرے کے باہر ہی پہرے پر کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ اپنے کمانڈر کے ایک اشارے پر کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔

دونوں نے میجر جمال کو مختصراً اپنے ساتھ ٹوٹنے والی قیامت کا احوال سنا دیا اور اسے بتایا کہ گیتا نجلی جس نے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور جس کی مدد کے بغیر ان کا فرار ہو کر یہاں تک پہنچنا ناممکن تھا کمپنی کمانڈر کی نیت اس کے متعلق خراب نظر آتی ہے۔

میجر جمال کو یہاں کے سٹاف نے اطلاع دے دی تھی کہ کمپنی کمانڈر لڑکی کو پولیس کے حوالے کرنے گیا ہے اور یہی اس نے ڈیوٹی رجسٹر میں لکھا تھا۔

میجر جمال نے اس کمپنی کمانڈر کی شہرت سن رکھی تھی۔ اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ یہاں اس کے ماتحت محض سرکاری پابندی کے تحت اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں کسی ایک کی آنکھوں میں بھی اس کمپنی کمانڈر کے لیے احترام نہیں پایا تھا۔

اس نے مقامی سٹاف کو فوری طور پر دونوں کے لئے یہاں کے "میس" میں موجود ہر کھانے پینے والی شے فراہم کرنے کا حکم دے کر ڈاکٹر کو دونوں کے طبی معائنے کی ہدایت کر دی تھی اور اب بڑے غصے سے اس کی واپسی کا منتظر تھا۔

کمپنی کمانڈر برکت کو اپنے ساتھیوں کی طرف سے کوئی فکر نہیں تھی وہ جانتا تھا کہ اس کے تمام ماتحت اس سے نفرت کرتے ہیں لیکن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ رولز اینڈ ریگولیشنز میں جکڑے ان محب وطن سپاہیوں کو افسر کا اطاعت کا حکم دیا جاتا تھا یہ جاننے کی اجازت نہیں تھی کہ اس حکم کا پس منظر یا پیش منظر کیا ہے-----!

اسے لڑکی کے ہاتھ سے نکل جانے کا بھی غم نہ ہوتا کیونکہ مکھو اور اس جیسے اور بہت سے درندے اس کے لیے ایک رات میں کسی بھی لڑکی کا شکار کھیل سکتے تھے۔

لیکن-----

گیتا نجلی میں کوئی خاص بات ضرور تھی۔

کوئی ایسی بات جس نے اس کے خون کی حدت بڑھا دی تھی۔ اس نے تصور ہی تصور میں نجانے گیتا نجلی کے ساتھ کن کن ہوس رانیوں کے خواب دیکھے تھے اور اس کے ہاتھ سے یوں نکل گئی جیسے مٹھی سے ریت نکل جائے۔

اتنی کمزور سی عورت اسے دھوکہ دے گئی ۔۔۔۔!

یہ احساس اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ اب تو اس کی ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح گیتا نجلی دوبارہ اس کے ہتھے چڑھ جائے اور وہ گن گن کر اس سے بدلہ لے سکے۔۔۔"

کمپنی ہیڈ کوارٹر تک پہنچتے تک اس نے خود کو خاصا سنبھال لیا تھا۔۔۔!

اپنے آفس کا دروازہ کھولنے سے پہلے اسے یہاں کی صورت حال کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ ذہنی طور پر آنے والے کسی بھی طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔

میجر جمال کو وہاں دیکھ کر اس نے دونوں پاؤں جوڑ کر ایڑیاں بجاتے ہوئے اسے سیلوٹ کیا اور مودب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"انسپکٹر صاحب آپ کو اس بات کا علم تھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟" میجر جمال نے لگی لپٹی رکھے بغیر بات کی۔

"جی نہیں۔۔۔" کمپنی کمانڈر صاف مکر گیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔ ہم نے تمہیں۔۔۔" عالم شیر نے غصے سے کچھ کہنا چاہا۔

"تم چپ رہو عالمے میں جو بات کر رہا ہوں"۔۔۔ میجر جمال نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا اور دوبارہ کمپنی کمانڈر برکت سے مخاطب ہوا۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ یہ کون ہیں؟" میجر جمال نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کیا۔

"جی ہاں۔۔۔ میرا مطلب یہی تھا"۔۔۔ کمپنی کمانڈر اپنی بات پر اڑا رہا۔

"آپ کو یہاں موجود بہت سے لوگ بتا سکتے تھے کہ یہ دونوں کون ہیں؟ جس پوسٹ سے انہوں نے سرحد عبور کی وہ لوگ انہیں جانتے تھے۔۔۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انہوں نے آپ کو ان کے متعلق نہ بتایا ہو۔۔۔"

میجر جمال کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"جب میں نے ان سے پوچھنا چاہا تو انہوں نے بدتمیزی کی جس پر میرے جوانوں نے انہیں بند کر دیا۔" کمپنی کمانڈر ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھوٹ کے طومار باندھ رہا تھا۔

"اس کے باوجود آپ کو ہمیں مطلع کرنا چاہئے تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ قانونی طور پر بھی آپ اس کے پابند ہیں۔۔۔"

میجر جمال نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی غصے سے اپنے دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ کو اطلاع ہو گئی تھی"۔۔۔

"ہمیں یہ اطلاع ہمارے ذرائع نے دی تھی۔ ہمیں شک ہے کہ آپ ان دونوں کو مارنے کی منصوبہ بندی کر چکے تھے۔۔۔ اگر آپ کے نزدیک یہ مشتبہ ہیں تو بھی انہیں پولیس کے حوالے کیا جانا چاہئے تھا۔۔۔ اور ہاں وہ لڑکی کہاں ہے؟"

میجر جمال نے غصیلی آواز میں کہا۔

"میں خود بہت پریشان ہوں سر! اس لڑکی کو میں پولیس سٹیشن چھوڑنے گیا تھا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ قانونی طور پر ہم کسی عورت کو اپنی حراست میں نہیں رکھ سکتے۔۔۔ میرے خیال سے آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے بھلا میں انہیں کیوں ماروں گا۔۔۔ میری ان بے چاروں کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"۔۔۔

"لڑکی اس وقت کہاں ہے۔۔۔ باقی باتیں میں خود دیکھ لوں گا"۔۔۔ میجر جمال نے مطلب کی بات کہی۔

"بھاگ گئی۔۔۔ میں یہی تو عرض کرنے لگا ہوں کہ اس نے شاہ والی کے نزدیک پیشاب کا بہانہ کیا اور کھیتوں میں گھس کر اندر ہی اندر نجانے کہاں غائب ہو گئی۔۔۔ مجھے تو سر! وہ لڑکی غلط معلوم ہوتی تھی۔۔۔"

"شٹ اپ۔۔۔ یو۔۔۔"

میجر جمال کا پارہ غصے سے آسمان کو چھو رہا تھا۔

"یہ بکواس کرتا ہے۔۔۔ اس نے خود اسے غائب کر دیا ہے"۔۔۔ عالم شیر نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

"اس نے---" بشیر سے غصے کے مارے کوئی ڈھنگ کا لفظ بھی نہیں نکل پا رہا۔

"دیکھو انسپکٹر! آج سے پہلے تمہارا واسطہ نجانے کن لوگوں سے رہا ہے---
تمہیں صاف بتا دوں کہ اگر شام ڈھلنے سے پہلے تم نے لڑکی کو ہم تک نہ پہنچایا تو تم
گرفتار سمجھنا--- آج تک تمہیں قانون کی زبان سمجھ نہیں آئی--- اس مرتبہ تم
جائے گی--- میں انہیں لے جا رہا ہوں مجھے آج شام تک بہر صورت لڑکی چاہئے"---

میجر جمال نے کھڑے ہو کر دونوں کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

"سر! آپ ہمارے سینئر ہیں لیکن اس طرح مجھ پر الزام لگا کر آپ زیادتی کر ر
ہیں"---

"انسپکٹر برکت نے مکاری کا مظاہرہ کرنا چاہا۔

"شٹ اپ---" میجر جمال نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"اس شخص سے کچھ بعید نہیں کہ اس نے گیتا نجلی کو کسی بدمعاش کے ہاتھ فر
ہی نہ کر دیا ہو"--- بشیر نے جیپ میں سوار ہوتے ہی اپنی تشویش ظاہر کی۔

"میں اس کی ہڈیوں کا سرمہ بنا دوں گا--- اس حرام خور کی یہ ہمت"---

میجر جمال نے انہیں تشفی دینا چاہی۔

وہ جانتا تھا کہ دونوں کے دلوں پر کیا گزر رہی ہے۔ اسے اس بات کا بھی احساس تھ
اگر واقعی اس کمپنی کمانڈر نے کوئی حرام کاری کی ہے اور اسے اس کی کتنی بڑی سزا بھی
جائے تو بھی اس زیادتی کا ازالہ نہیں ہو سکتا---

"مطمئن رہو! میں اسے چھوڑوں گا نہیں"---

اس نے اپنے آفس میں پہنچتے ہی اپنے صوبیدار کو طلب کرنے کے بعد اس سے کہا۔
اگلے ہی لمحے صوبیدار وہاں موجود تھا---

"صوبیدار صاحب! مجھے فوراً اس کمپنی کمانڈر کا کچا چٹھہ چاہئے"---

میجر جمال نے صوبیدار سے کہا۔

"سر! میں اس کیس پر پہلے سے کام کر رہا ہوں۔ اس شخص کی سرگرمیاں مشکوک ت
اس کے تعلقات مکھو گروپ سے ہیں جس کے لوگ سمگلنگ کی آڑ میں جاسوسی بھی کر
ہیں۔ آپ کو علم ہو گا کہ ہم نے چند ماہ پہلے مکھو کے ایک آدمی کے اڈے سے ایک ا

پائی" کو گرفتار کیا تھا--- اور میں یہ بات بلاشک و شبہ کہہ سکتا ہوں کہ مکھو گروپ کو
راہ راست اس کی سرپرستی حاصل ہے--- میں نے اپنی رپورٹ میں اس وقت بھی انسپکٹر
ت کے متعلق شکوک کا اظہار کیا تھا اور یہ رپورٹ معمول کے مطابق رینجرز ہیڈ کوارٹر کو
بھی گئی تھی--- وہاں بھی لوگ اس سے مطمئن نہیں اور اس پر سخت نگرانی لگی
ہے--- لیکن خدا جانے یہ شخص کس طرح بچا ہوا ہے"---

صوبیدار صاحب نے میجر جمال کو بتایا۔

"تم فوراً مکھو وغیرہ کو چیک کرو--- اس کے آدمیوں کو چیک کرو--- مجھے شک
ہے کہ اس نے ایک لڑکی کو جو ہماری ساتھی ہے اس گروہ تک پہنچا کر غائب کر دیا
ہے--- اس کا نام عذرا ہے--- پہلے اس کا نام گیتا نجلی تھا--- احتیاط سے کام کرنا
ہے--- ابھی تک وہ لوگ اگر لڑکی ان کے قبضے میں ہے تو اسے یہاں سے باہر نہیں نکال
سکے ہوں گے۔ تمام راستے بند کر دو--- ان لوگوں کے لیے لڑکی کو سمگل کرنا ناممکن بنا
دو۔ ہمارے دونوں دوستوں کے ساتھ پہلے ہی بہت زیادتیاں ہو چکی ہیں--- اور ہاں
صوبیدار صاحب اس کام کو پرسنل جان کر کرنا ہے"---

میجر جمال بہت سنجیدہ تھا---

"آل رائیٹ سر!"---

صوبیدار احترام دے کر باہر چلا گیا۔

"تم آرام کرو--- میں خود اس آپریشن کی نگرانی کرتا ہوں۔ اس حرام خور کو
چھوڑوں گا نہیں"---

اس نے اپنے دوسرے ماتحت کو بلا کر دونوں کے آرام کی ہدایت دی اور تیزی سے باہر
نکل گیا۔

آہنی شکنجہ

گیتا نجلی نے صبح سے اب تک پے در پے جن حادثات کا سامنا کیا تھا اس کے بعد تو وہ ذہنی طور پر خود کو مفلوج محسوس کرنے لگی تھی۔ اس نے سوامی مہاراج کے آشرم بڑے بڑے بدمعاش اور سمگلر دیکھے تھے۔ وہ ان لوگوں کے کئی کام اور راز جانتی تھی۔

لیکن----

آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ اسے اس نوعیت کی منافقت کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ مہاراج کے آشرم میں کسی کو اس کی عزت کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی ہمت ہوتی تھی۔ اس کی کتنے عرصے سے خواہش تھی کہ اپنی اصلیت کی طرف واپس لوٹ جا اور اپنی زندگی کو اسی طرح دوبارہ شروع کرے جس طرح اس کے والد نے اس کا آغا تھا۔

یہ اس کی دلی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ اسے شیر عالم اور بشیر جیسے پاکستانی ملے تھے۔ ا رہ کر وہ نوجوان یاد آ رہے تھے جن سے اس زمین پر پاؤں رکھنے کے بعد اس کا واسطہ تھا۔

رات کے اندھیروں میں بھی ان کے چہرے حرارت ایمانی سے روشن تھے----

اس نے ان سب کی آنکھوں میں اپنے لیے احترام کے جذبات موجزن دیکھے تھے۔

وہ رینجرز کا بوڑھا حوالدار----

اس نے تو اس کے ساتھ بالکل بیٹیوں جیسے برتاؤ کیا تھا---- اسے یاد آ گیا کہ

وہ انہیں جیپ پر چھوڑنے کمپنی ہیڈ کوارٹر آ رہا تھا تو اس نے بڑی محبت اور احترام کے ملے جلے جذبات سے ایک گرم چادر اسے دی تھی اور کہا تھا کہ ایک پاکستانی محافظ اپنی قوم کی بیٹی کے سر پر سب سے پہلے چادر ہی رکھا کرتا ہے۔

لیکن----

یہ بھیڑیا ان میں کہاں سے آ گھسا----

سوامی کے آشرم میں رہنے سے اسے انسانی بد خصلتی کا ادراک ہو گیا تھا وہ مرد کے دل کا حال اس کے چہرے سے پڑھنے پر قدرت رکھتی تھی----

جس لمحے ان تینوں کا سامنا اس کمپنی کمانڈر سے ہوا اسے تو تب ہی احساس ہو گیا تھا کہ یہ سوامی کی قبیل کا کوئی آدمی ہے----

شیطان دوست انسان نما درندے کی بھی مذہب اور ملت کا لبادہ اوڑھ سکتے ہیں۔ ان کا کوئی مذہب اور قوم نہیں ہوتی اور یہ سب ایک ہی قوم کا حصہ بھی ہوتے ہیں۔

اب یہ بھیڑیا اسے کہاں لے جا رہا ہے؟

اس سوال نے اس کی بے کلی میں اضافہ کر دیا تھا۔ برکت کے جیپ سے اترنے کے بعد اس نے ڈرتے ڈرتے باہر نظریں دوڑائیں دور دور تک وسیع و عریض کھیتوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا اس نے ایک لمحے کے لیے آنے والے وقت کا تصور کیا اور لرز کر رہ گئی۔

کیا اس نے ساری زندگی اسی روز بد کے لیے کانٹوں کی سیج پر گزاری تھی----

"نہیں---- وہ اپنی آبرو کا اس طرح خون نہیں ہونے دے گی"---- اس نے سوچا اور دوسرے ہی لمحے وہ ایک بدلی ہوئی عورت تھی۔

اپنی عصمت کی حفاظت کے لیے اپنی جان سے گزر جانے والی عورت!

اس نے سوچا وہ مر جائے گی لیکن اس شیطان کا ارادہ پورا نہیں ہونے دے گی۔ اس لمحے گیتا نجلی نے خود کو ایک بہادر عورت محسوس کیا---- جیسے اس کی ساری گمشدہ توانائیاں کئی گنا زیادہ ہو کر واپس لوٹ آئی ہوں۔

اس نے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔

بوڑھے حوالدار کی چادر ابھی تک اسی کے کندھے پر موجود تھی۔ اس نے مضبوطی سے چادر کو اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا۔ کچھ سوچ کر اس نے جیپ کا ڈیش بورڈ کھولا جہاں

کاغذات کے ساتھ ایک بٹوہ بھی پڑا تھا۔ گیتا نجلی نے اسے کھولا اور اس میں موجود کچھ نوٹ نکال کر مٹھی میں تھامے باقی بٹوہ اپنی جگہ رکھ کر اندازے سے اس طرف چلنے لگی طرف سے جیپ ادھر آئی تھی۔ دور دور تک کوئی ذی نفس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

برق رفتاری سے قدم دھرتی وہ بالآخر اس پکے راستے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جہاں اسے اکا دکا لوگ آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ مقامی آبادی کی عورتوں کی ط اس نے چادر کا پلو بڑھا کر سر پر ڈال رکھا تھا جس سے اس کی پہچان ممکن نہیں رہی تھی یہ بات وہ جانتی تھی کہ کم از کم یہاں اسے کمپنی کمانڈر جیسا اور کوئی بھیڑیا نہیں ملے گا نہ کوئی اسے پہچاننے کی کوشش کرے گا۔

پکے راستے کی طرف ایک بس کو آتے دیکھ کر اس نے لوگوں کو تیزی سے اس ط جاتے دیکھا تو وہ بھی تیزی سے بس کی طرف چل دی۔ بس یہاں چند لمحوں کے لیے ہی ر ہو گی کیونکہ جیسے ہی اس نے بس میں قدم رکھا اس نے رینگنا شروع کر دیا۔

اس بس میں سوار ہونے والی وہ آخری سواری تھی۔ بھاگنے سے اسے سانس چڑھ گیا اور اب وہ بس کی ایک سیٹ پر سکڑی سمٹی اپنے بے ترتیب سانس سنبھالنے لگی۔ اپنی مٹ میں پکڑے نوٹوں کی مالیت کا اسے فی الوقت اندازہ نہیں تھا۔

اسے نہ تو اس بات کا علم تھا کہ کہاں موجود ہے نہ ہی یہ جانتی تھی کہ کہاں جانا ہے اس کے دماغ میں ایک ہی سودا سمایا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو یہاں سے دور چل جائے---! وہ شخص جس کے چنگل سے وہ نکل بھاگی تھی جب واپس لوٹ کر اسے وہاں نہیں پائے گا تو کتنا خونخوار ہو جائے گا؟

اس نے سوچا اور اس کا دل دہل گیا۔

وہ جانتی تھی کہ کمپنی کمانڈر یہاں کا بے تاج بادشاہ تھا اور اس کے فرار کے فوراً بعد اس کی تلاش کے لیے زمین آسمان ایک کر ڈالے گا--- وہ جلد از جلد یہاں سے کہیں بہت دور نکل جانا چاہتی تھی۔

لیکن---

وہ کہاں جائے؟

اسی سوال نے اسے چکرا کر رکھ دیا--- بس کا کنڈیکٹر لوگوں سے کرایہ وصول کر

اب سواریوں کی طرف آ رہا تھا۔ گیتا نجلی نے اپنے کان چوکنے کر رکھے تھے۔ وہ کوئی بھی بات سنا چاہتی تھی۔ بالآخر اس کی مراد بر آئی جب کنڈیکٹر نے اس سے آگے بیٹھے بزرگ سے منزل دریافت کی تو اس نے بڑی اونچی آواز میں کسی جگہ کا نام لے دیا کنڈیکٹر اس کے پاس آیا تو گیتا نجلی نے بھی یہی نام دہرا دیا ایک نوٹ جو اس کے اندازے کے مطابق دس روپے مالیت کا تھا اس کی طرف بڑھایا۔

کنڈیکٹر نے اس کی شکل پر نظر ڈالے بغیر کچھ پیسے واپس لوٹا دیئے اور اپنے کام میں مصروف رہا۔

گیتا نجلی نے اپنا نقاب اور لمبا کر لیا تھا وہ کھڑکی سے بھی چوری چوری باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ بس اب پکی سڑک پر رواں دواں تھی۔ اس درمیان اس نے تین چار جگہ سٹاپ کیا لیکن ابھی تک اگلی سیٹ والا بزرگ اپنی سیٹ سے نہیں اٹھا تھا پھر ایک سٹاپ پر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

گیتا نجلی بھی اس کے تعاقب میں باہر آ گئی۔

اس نے محسوس کیا کہ یہاں بس کے آدھے سے زیادہ مسافر اترے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی بڑا سرحدی قصبہ ہو گا---

یہاں تو اس موذی نے ضرور اس کے لیے جال پھیلا رکھا ہو گا؟

اس کے ذہن میں بجلی کے کوندے کی طرح یہ خیال لپکا۔

قدرتی بات تھی کہ اگر اس کے فرار والی جگہ کے بعد بھی سب سے زیادہ بارونق جگہ تھی تو اس نے اس جگہ کو نظر انداز نہیں کیا ہو گا---

بس کے باہر کا منظر مزید خوفزدہ کرنے والا تھا۔ یہاں لوگ بڑی تعداد میں کھڑے تھے جن میں کچھ وردی پوش بھی تھے گیتا نجلی نے اندازے سے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

اچانک ہی اس کے کان میں گاڑی کے انجن کے وسل کی آواز پڑی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ گاڑی یا تو جا رہی ہے یا پھر جانے والی ہے۔ اس نے اندازے سے وسل کی سمت چلنا شروع کیا اور چند گز کے بعد ہی اسے ریلوے لائن دکھائی دی۔ ریلوے لائن کی طرف جاتے ہوئے اسے پلیٹ فارم بھی نظر آ گیا جہاں لوگ ایک دوسرے کو دھکم پیل کرتے دکھائی دیئے۔

"وہ بھی لوگوں کی دیکھا دیکھی ایک ڈبے میں جا کر بیٹھ گئی۔۔۔۔"

یہاں آ کر اسے اندازہ ہوا کہ پاکستانی ٹرینوں میں خواتین کے لیے الگ ڈبے موجود کیونکہ ٹرین میں سوار ہونے والی خواتین کے ساتھ ساتھ وہ بھی جس ڈبے میں بیٹھی وہاں خواتین اور بچے ہی نظر آ رہے تھے۔

یہ کوئی پسنجر ٹرین تھی جس میں اتنا زیادہ رش نظر آ رہا تھا۔

ٹرین کب چلی؟

کہاں رکی؟

راستے میں کون کونسے سٹیشن آئے؟

اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔

اس کے ساتھ بیٹھی ایک عورت نے شاید اس کی حالت پر رحم کرتے ہوئے اسے ا پاس پہلے سے موجود ایک ڈبے سے دودھ کا گلاس پینے کو دیا تھا اور اس کے ناں ناں کر کے باوجود زبردستی اسے پلا دیا تھا۔

ٹرین ایک جگہ بالآخر رک گئی۔

شاید انہیں سفر کرتے ڈھائی تین گھنٹے ہو گئے تھے۔ اسے یہاں پہنچ کر احساس ہوا اس ٹرین کا آخری سٹیشن تھا کیونکہ یہاں ساری ٹرین خالی ہو گئی تھی۔

اس کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک ٹرین میں کوئی ٹکٹ چیکر نہیں سوار ہوا تھا، اس مرحلے پر اس کی گرفتاری اس کے لیے مزید مسائل پیدا کر سکتی تھی۔

اس نے اپنے سارے جسم کو چادر سے لپیٹ کر اسے سر پر اس طرح اوڑھ رکھا تھا؟ یہاں مقامی عورتیں اوڑھتی ہیں۔

لیکن۔۔۔۔

اب جس سٹیشن پر ٹرین آ کر ٹھہری تھی وہ شاید کوئی بڑا سٹیشن تھا۔ اس نے دیکھا یہا عورتیں کچھ زیادہ پردے کا خیال نہیں رکھتی تھیں۔

ڈرتے ڈرتے اس نے ماحول پر ایک طائرانہ نظر دوڑائی اور ایک جگہ اسکی نظریں رک گئیں۔ پلیٹ فارم کے ایک کونے میں موجود ایک اشتہاری کمپنی کے بورڈ سے جو انگریز زبان میں لکھا تھا اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ پاکستان کے بڑے شہر لاہور پہنچ چکی ہے۔ جو آ

ں جماعتیں اس نے پڑھی تھیں اس دوران اس نے متعدد مرتبہ لاہور کا نام سنا تھا۔

آج اس نے لاہور دیکھ بھی لیا تھا۔۔۔۔!

مکھو کی جان عذاب میں آ گئی تھی۔۔۔۔!

اس نے زندگی میں کبھی اس بات کا تصور نہیں کیا تھا کہ وہ فوجیوں کے ہتھے چڑھ جائے گا۔ ساری زندگی اس نے مقامی پولیس اور انسپکٹر برکت جیسے غداروں کی مدد سے اپنا مکروہ دھندہ کامیابی سے چلایا تھا۔

اس نے مقامی انتظامیہ کو قابو میں رکھنے کا سستا سا نسخہ تلاش کر لیا تھا اور ہر اس سرکاری اہلکار کو جو اس کے رستے کا روڑہ بن سکتا ہو رشوت کی چاٹ لگا کر اپنے راستے کا پتھر ہٹا دیا کرتا تھا۔

لیکن۔۔۔۔

یہ فوج والے نجانے کہاں سے اس کی جان کو آ گئے تھے۔۔۔۔!

انسپکٹر برکت کی روانگی کے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد ہی انہوں نے مکھو کو قابو کر لیا تھا اور سے اپنے دفتر میں لے آئے تھے۔

"لڑکی کہاں ہے؟"

اس سے پہلا سوال ہوا تھا۔

"کونسی لڑکی؟"۔۔۔۔

مکھو کو واقعی ابھی تک سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ کس لڑکی کی بات کر رہے ہیں۔

"اس بے چارے کو تو لڑکی کا علم ہی نہیں۔۔۔۔ بھئی کسی غلط آدمی کو تو نہیں پکڑ لائے۔"

صوبیدار نے طنزیہ انداز میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"تمہارا نام مکھو ہی ہے ناں۔۔۔۔"

"ہاں جی"۔۔۔۔

"کہیں اپنا نام تو نہیں بھول گئے"۔۔۔۔

صوبیدار کو غصہ آنے لگا تھا۔

"نہیں مائی باپ میرا نام مکھو ہی ہے لیکن مجھے علم نہیں آپ کیا پوچھ رہے ہیں۔"
مکھو نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"بتاؤ اسے شاید یہ کوئی اور زبان سمجھتا ہے۔"

صوبیدار صاحب نے اپنے جوانوں کو حکم دیا۔

ایک ساتھ تین جوانوں نے اس پر حملہ کیا اور مکھو کو دن میں تارے دکھائی دینے لگے

"میں ذرا باہر جاتا ہوں جب اسے یاد آ جائے تو مجھے بلا لینا۔"

یہ تھی صوبیدار صاحب کی آواز جو اس نے سنی۔

اس کے بعد تو اسے یوں لگا جیسے اس کے کان اور آنکھیں بند ہو گئی ہوں۔ اس نے زندگی میں دو تین مرتبہ پولیس سے جوتے ضرور کھائے تھے لیکن یہ بہت پرانی بات تھی۔ اب تو طویل عرصے سے وہ سیاسی قسم کی بدمعاشی کر رہا تھا۔ اب تو اس کا جسم ایک ج برداشت کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

اچانک ہی اسے یوں لگا جیسے اس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اس کے انگ انگ سے درد کی ٹیسیں اٹھ کر اس کے دل و دماغ کو ڈسنے لگی تھیں۔

"آخر کونسی لڑکی کے متعلق جاننا چاہتے ہیں یہ لوگ۔۔۔ کہیں اس انسپکٹر والی لڑکی کے متعلق تو نہیں۔۔۔"

اچانک ہی ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح اس کے ذہن پر لپکا۔

"ٹھہرو۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔ بتاتا ہوں۔۔۔"

اس نے روتے اور منت سماجت کرتے ہوئے ہاتھ باندھ دیئے۔

اس کی آہ زاری سن کر صوبیدار صاحب جو دروازے کے باہر کھڑے تھے اندر آ گئے۔

"کمال ہے بھئی۔۔۔ اتنی جلدی تمہیں یاد آ گیا"۔۔۔

انہوں نے اپنے جوانوں کو طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔

"جناب میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا نہ ہی اس طرح آپ میری جان چھوڑیں گے لیکن جو بات میں کہنے جا رہا ہوں اس کی انکوائری کروا لیں اگر وہ غلط ہو تو مجھے گولی مار دیں۔۔۔ کہیں آپ اس لڑکی کے متعلق تو نہیں پوچھ رہے جو انسپکٹر برکت لایا تھا۔۔۔"

اس نے صوبیدار سے کھسیاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔ اس کے متعلق کہاں ہے وہ لڑکی"۔۔۔

اس کے جواب میں مکھو نے جتنی قسمیں اسے یاد تھیں دہراتے ہوئے کہا کہ اس نے اس لڑکی کی شکل بھی نہیں دیکھی۔

"کمال ہے تم نے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی۔۔۔ انسپکٹر برکت تمہارے پاس اسے آیا بھی تھا اور تم اسے جانتے بھی نہیں۔۔۔ میرے خیال سے تم نے کافی آرام کر لیا کیا خیال ہے ایک کورس اور نہ ہو جائے"۔۔۔

صوبیدار نے کہا۔

"آپ میری پوری بات سن لیں مائی باپ اس کے بعد جو دل آئے کریں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے صوبیدار کو بلا کم و کاست ساری بات سنا دی اور اسے یہ بھی بتایا کہ انسپکٹر برکت کے کہنے کے باوجود ان لوگوں نے لڑکی کو پیش نہیں کیا کیونکہ وہ اس کوئلے کی دلالی میں اپنا منہ کالا کروانا نہیں چاہتا۔

"تم سچ بول رہے ہو؟"۔۔۔

صوبیدار نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"جناب آپ میرے جسم سے بوٹی بوٹی الگ کر دیں تب بھی اس کے علاوہ میں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔۔۔ یہ بات مکھو نے قدرے اعتماد سے کہی تھی۔

"لیکن مجھے تمہاری بات پر کیسے یقین آئے۔۔۔ کہ واقعہ وہی ہے جو تم سنا رہے ہو؟"

صوبیدار نے پوچھا۔

"آپ ان دونوں سے پوچھ سکتے ہیں جو وہاں موجود تھے جن کے سامنے انسپکٹر برکت اکیلا آیا تھا"۔۔۔

مکھو نے جواب دیا۔۔۔

"کون تھے وہ دونوں؟"

صوبیدار کے سوال کے جواب میں اس نے دونوں عینی شاہدوں کے نام اور ان کے ممکنہ ٹھکانے بتا دیئے۔

"ٹھیک ہے ہم دیکھتے ہیں۔۔۔ ایک بات یاد رکھنا اگر تم نے انسپکٹر برکت سے متعلق

کوئی بات چھپانے کی کوشش کی تو ہم تمہیں بھی اس کے ساتھ ہی تفتیش کے لیے قلعے میں لے جائیں گے اور کسی کو کانوں کان پتہ نہیں چلے گا کہ مکھو نام کا کوئی آدمی بھی یہاں رہا کرتا تھا یا نہیں---- تم اچھی طرح جانتے ہو ہمارے قابو آ گئے تو تمہارا کیا حشر ہو گا"----

"میں جانتا ہوں مائی باپ"----

مکھو نے جواب دیا۔

صوبیدار نے اسے اپنے جوانوں کی حراست میں چھوڑا اور خود گارڈ کے ساتھ ان دونوں کی تلاش میں چلے گئے۔

دونوں اکٹھے ہی پکڑے گئے تھے----

دو گھنٹے تک ان پر مختلف حربے آزمائے گئے لیکن انہوں نے بھی اس سے آگے ایک لفظ بتانے پر معذوری ظاہر کی۔ انہیں تو اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ انسپکٹر برکت مکھو کے پاس کس کام سے آیا تھا وہ صرف یہ جاننے کے گناہگار ہوئے تھے کہ ان کی موجودگی میں انسپکٹر برکت آیا تھا۔

لیکن----

کوئی لڑکی اس کے پاس نہیں تھی----

رات گئے تک تینوں کے ساتھ مغزماری کرنے کے بعد وہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ تینوں جو بیان دے رہے ہیں وہی سچ ہے اور انہیں اس بات کا علم نہیں کہ لڑکی کون تھی؟۔

کہاں سے آئی؟

اور اب کہاں چلی گئی ہے؟

صوبیدار نے اپنی تفتیش مکمل کرنے کے بعد تینوں کو باری باری میجر صاحب کے سامنے پیش کر دیا تھا جن کی جہاندیدہ نظروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان تینوں کو اس کے علاوہ اور کوئی معلومات حاصل نہیں ہیں۔

"دیکھو مکھو---- تمہاری رہائی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ انسپکٹر برکت کے جتنے کالے کرتوت تمہارے علم میں ہیں وہ سب ہمیں بتا دو---- لیکن اس بات کا خیال

رکھنا کہ ہم بغیر ثبوت کے کوئی بات نہ سنیں گے نہ اس پر کان دھریں گے---- یہی ایک صورت تمہاری جان بچا سکتی ہے ورنہ تم بھی اس کے ساتھ ہی قلعے کی سیر کرنے کے لیے تیار رہنا"----

میجر صاحب نے بالآخر ایک اور فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

اندھے کو کیا چاہئے ---- دو آنکھیں---- اس نے جھٹ سے ہاں کہہ دی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ فوجی لوگ ہیں۔ جہاں---- انسپکٹر برکت نہ رشوت دے کر جان چھڑا سکتا ہے نہ ہی یہاں اس کی واقفیت اور اثر و رسوخ کام آئے گا----!

دوسری طرف اسے خود بھی برکت سے جان چھڑانی تھی---- اس کی فرمائشیں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں اور تعاون وہ اپنی مرضی سے کرتا تھا----

مکھو نے ایک گھنٹے کے طویل بیان میں اپنے علم کی حد تک اس کے کالے کرتوت خوب بڑھا چڑھا کر بیان کر دیئے۔

اس نے انسپکٹر برکت سے متعلق جن سنگین حقائق کا انکشاف کیا تھا اس کے بعد اسے کھلا چھوڑنا میجر کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔

علی الصبح میجر صاحب مکھو کے بیان کی تفصیلات اور کل کے واقعات کی رپورٹ کرنے کے لیے اپنے بریگیڈ آفس پہنچ گئے۔

اعلیٰ افسران کو ان لرزہ خیز انکشافات نے ہلا کر رکھ دیا۔

اگلے ایک گھنٹے کی کارروائی کے بعد جس میں رینجرز اور فوج کے اعلیٰ افسران کی ہنگامی میٹنگ شامل تھی۔ انسپکٹر برکت کو گرفتار کر کے تفتیش کرنے کے احکامات ملٹری انٹیلی جنس نے حاصل کر لیے تھے۔

میجر صاحب نے یہاں سے اپنے آفس واپس لوٹنے کے بجائے رینجرز کی گارڈ کے ساتھ کمپنی ہیڈ کوارٹر کا رخ کیا تھا۔

انسپکٹر برکت کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ میجر اس طرح بلائے ناگہانی بن کر اس پر ٹوٹ پڑے گا اور اس کی گرفتاری اور پھر تفتیش کا فیصلہ بھی اتنی اعلیٰ سطح پر ہو جائے گا۔

اس نے اپنی دانست میں کچھ بڑوں کو کرپٹ کر کے اور مختلف حیلوں' بہانوں سے انہیں رشوت کی لت لگا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ اب وہ من مانی کرنے کے لیے آزاد ہے اور کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ اب تمہیں اپنے ایک ایک جرم کی جوابدہی کرنا ہو گی---- برکت تم پاکستان کے عظیم سرحدی محافظوں کے نام پر کلنک کا ٹیکہ ہو---- تم جیسے لوگ زمین کا کوڑھ ہیں۔ تم نے پاکستان ہی سے نہیں' اپنے مادر وطن ہی سے نہیں بلکہ اپنے عظیم مشن سے غداری کی ہے---- تمہیں خدا بھی کبھی معاف نہیں کرے گا۔ میں تمہیں وطن فروشی' غداری اور سمگلنگ کے مکروہ دھندے میں ملوث ہونے کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں"----

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے جوانوں کو اشارہ کیا جنہوں نے اسے کی وردی سے تمام بیجز اتار لئے۔

تمام بیج اتار کر اسے حراست میں لے لیا گیا----

بزدل انسپکٹر برکت بچوں کی طرح رونے لگا----

تھوڑی دیر بعد وہ آرمی انٹیلی جنس کے ایک آفس میں اپنے جرائم کا حساب دینے کے لیے موجود تھا----

اگلے روز صبح تک ہونے والی تفتیش نے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی لڑکی انسپکٹر برکت کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ گیتا نجلی کو اسی نیت سے لے کر گیا تھا کہ اسے اپنے جرائم پیشہ ساتھیوں کی مدد سے ٹھکانے لگا دے اس کی بدقسمتی کہ گیتا نجلی بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی اور اپنے گناہوں کا حساب چکانے کا وقت بھی آ گیا۔

میجر صاحب کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ دونوں کو کیا جواب دیں۔ ان لوگوں نے بلاشبہ ملک و قوم کے لیے بے شمار خدمات انجام دی تھیں اور وہ اب بھی بڑی دلیری سے فرار ہو کر آئے تھے----

انہوں نے اپنے طور پر نزدیک والے دیہاتوں میں مخبروں کا جال ضرور پھیلا دیا تھا کہ اگر گیتا نجلی خوفزدہ ہو کر کہیں چھپ گئی ہے تو وہ اسے واپس لا سکیں۔

خان فیملی

ایک مرتبہ پھر وہ ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے ریلوے اسٹیشن پر کھڑی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کیا کرے کدھر جائے؟

کس کو مدد کے لیے پکارے؟

پاکستانی سرحد میں داخل ہوتے ہی اس کے ساتھ جو سانحہ گزرا تھا اس نے گیتا نجلی کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود کر دی تھیں۔ اس نے فی الوقت خود کو حالات کے رحم و کرم پر ہی چھوڑا ہوا تھا۔ یہی اس کے اختیار میں تھا اس کے علاوہ وہ کچھ کرنے پر قدرت نہیں رکھتی تھی۔

سوامی مہاراج کے ساتھ رہتے ہوئے اس نے کم از کم مردوں کے چہروں سے ان کے اندر چھپی خباثت کو پڑھنے کا فن ضرور سیکھ لیا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اب اسے گھبراہٹ بھی ہونے لگی تھی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہاں اب اسے اکیلی دیکھ کر کچھ اوباش قسم کے نوجوانوں نے اس کا طواف شروع کر دیا ہے وہ اس کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے تھے----

گیتا نجلی کو اپنے حلق میں کانٹے سے اترتے محسوس ہو رہے تھے----

وہ اس قابل بھی نہیں تھی کہ کسی کو اپنی مدد کے لیے پکار سکے۔

کیا بتاتی کس کو؟

اسے تو اب تک یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ زندہ بھی ہے یا نہیں---- کبھی کبھی تو

اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کا دم ہی گھٹ جائے گا اور وہ اسی طرح کھڑے کھڑے جائے گی۔۔۔۔

اس کی آنکھوں کے سامنے پانی کی سبیل لگی تھی۔۔۔۔

چھوٹی سی پانی کی ٹینکی جس کے ساتھ تین چار ٹوٹیاں لگی تھیں اس سے بمشکل پندرہ بیس گز کے فاصلے پر موجود تھی۔

شاید ایک دو ٹوٹیاں ہی سلامت رہ گئی تھیں جبکہ ٹوٹی ہوئی ٹوٹیوں میں سے پانی بہتا چلا جا رہا تھا۔

پانی کے اس طرح ضیاع کو اس نے محسوس کیا۔۔۔۔ یہ شاید پہلا احساس تھا جو اس کے ذہن میں سمایا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ ابھی اس کے محسوسات زندہ ہیں "مجھے پانی پینا چاہیے"۔۔۔۔

یہ سوچتے ہوئے اس نے دل کڑا کر کے پلیٹ فارم میں گڑے اپنے قدم اٹھائے اور انہی بوجھل قدموں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح پانی کی ٹینکی کے نزدیک پہنچ گئی۔۔۔۔ ٹینکی کے ساتھ زنجیر سے منسلک ایک لوہے کا گلاس بھی لٹک رہا تھا اس کی حالت دیکھ کر گیتا نجلی کا دل نہ چاہا کہ وہ اس گلاس میں پانی ڈال کر پیے۔۔۔۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی "اوک" سے پانی گھونٹ گھونٹ کر کے اپنے حلق میں اتارنا شروع کر دیا۔

بوند بوند پانی اس کے حلق سے گزرتا اس کے جسم میں داخل ہو رہا تھا اور گیتا نجلی کو یوں لگتا تھا جیسے دہکتے ہوئے آتش فشاں پر پانی کی پھوار گرنے لگی ہو۔۔۔۔ اسے اپنا وجود چٹختا محسوس ہو رہا تھا۔

لیکن۔۔۔۔

کہیں دور اس کے لاشعور میں ابھی تک محفوظ ہو جانے کا احساس باقی تھا۔

کوئی نادیدہ طاقت جیسے اس کی پشت پر اس وقت سے آن کھڑی ہوئی تھی جب سے اس نے کلمہ شریف پڑھا تھا اور خود کو باقاعدہ مسلمان کر لیا تھا۔

کتنی بدقسمت ہوں میں! اس نے سوچا۔۔۔۔ جس کے ہاتھوں اسے نئی زندگی کی نوید ملی وہ ہی اس سے بچھڑ گیا۔۔۔۔

اس کی قسمت ہی ایسی تھی۔ زندگی میں کوئی خوشی بھی آسانی سے اس کے ہاتھ نہیں [illegible]نی۔۔۔۔ معمولی سی خوشی کے حصول کے لیے اسے ہمیشہ بڑے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے [illegible]ے۔۔۔۔

کچھ بھی ہو۔۔۔۔ اس نے سوچا۔۔۔۔ "بہرحال وہ سوامی کے آشرم سے زیادہ یہاں خود کو محفوظ سمجھتی تھی۔ یہاں کم از کم وہ مسلمان کی حیثیت سے مر تو سکے گی۔۔۔۔

"بوتل پیاں دیاں سونہو"۔۔۔۔

اس کی پشت سے اچانک ہی بلند ہونے والی آواز ہتھوڑے کی طرح اس کی دل و دماغ سے ٹکرانے لگی تھی۔

گیتا نجلی نے گردن گھمائی تو وہی گنجا سا ڈھلتی عمر کا شخص جس نے خضاب سے اپنی مونچھیں اور سر پر رہ جانے والے چند بال رنگے ہوئے تھے اور کافی دیر سے اس کو ٹکٹکی [illegible]ے گھور رہا تھا اپنے پیچھے کھڑا دکھائی دیا۔

بے شرمی سے اس کے دانت باچھوں سے باہر نکلے جاتے تھے۔

گیتا نجلی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیا جواب دے۔

گھبراہٹ سے اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

اس نے چاہا کہ اس مصیبت سے چھٹکارہ حاصل کرے اور وہاں سے ہٹ کر لکڑی کے بنچ پر آ کر بیٹھ گئی جس کے ایک کونے میں ایک بوڑھی عورت بیٹھی کھانس رہی تھی اور اس کے قدموں سے لپٹے دو بچے مسلسل رو رہے تھے۔ یہ بوڑھیا شاید ان کی نانی یا دادی تھی جس کی بہو یا بیٹی اپنے بچوں کے لیے پلیٹ فارم پر موجود چائے کے سٹال سے کچھ خریدنے گئی تھی کہ ان کے پیٹ کا دوزخ بھر سکے۔۔۔۔

اپنی دانست میں گیتا نجلی نے بڑا محفوظ مورچہ تلاش کیا تھا اور قدرے مطمئن ہو کر وہاں بیٹھی تھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ گنجا شیطان یہاں بھی آن مرے گا۔۔۔۔

اپنی نظریں سامنے کھڑی ٹرین پر گاڑے وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی کہ اچانک اسے اپنے دائیں طرف قدموں کی آواز سنائی دی۔

"بوتل پسند نہیں تے کچھ ہور منگوا دیئے"۔۔۔۔

وہی منحوس آواز اس کے پردہ سماعت سے ٹکرائی۔

گیتا نجلی نے اس کی طرف دیکھا تو نہیں لیکن نجانے کیوں اسے غصہ آ گیا۔ وہ اچانک اٹھ کر کھڑی ہو گئی ---- سوامی مہاراج کے آشرم میں کسی کو اس کے سامنے آواز اونچی کر کے بولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی اور یہاں یہ بدتمیز شخص نجانے کہاں سے آن پڑا تھا ----

"دفع ہو جاؤ۔ کتے کے بچے ----"

وہ پھٹ پڑی ----

اس کا لاوا جو گزشتہ 48 گھنٹوں سے اس کے اندر دھک رہا تھا آنکھوں کے آہنی پردے چیرتا ہوا باہر آ گیا ----

اپنی بے بسی پر اس نے رونا شروع کر دیا ----

گنجے کے لیے اس کا ردعمل بالکل خلاف توقع تھا۔ اس نے یہاں سے کھسک جانا ہی مناسب سمجھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا غائب ہو گیا۔

"کیا بات ہے بی بی ---- کیا ہوا؟"

اچانک ہی ریلوے پولیس کا ایک سپاہی ڈنڈا لہراتا اس کے نزدیک آ گیا۔

"کچھ نہیں" ----

گیتا نجلی نے کہا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کے سوالات کا سامنا کرے۔

سپاہی نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا اس کے اندر کا شیطان بیدار ہو گیا۔

"کہاں جانا ہے بی بی تم نے ----"

اس نے دوسرا سوال کیا۔

گیتا نجلی کو ایک ہی شہر کا نام آتا تھا کراچی ---- اس نے جھٹ سے یہی کہہ دیا۔

"کراچی" ----

کانسٹیبل نے دھرایا اور اس کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔

"کہاں سے آئی ہو؟"

اس نے اگلا سوال ذرا کوفت لہجے میں کیا تھا۔

"تمہیں کیا ---- جاؤ اپنا کام کرو ----"

گیتا نجلی کو غصہ آ گیا تھا۔ وہ بیک وقت خوفزدہ بھی تھی اور غصہ میں بھی دکھائی دیتی

اگر وہ سرحد پار ہوتی تو کسی کو ایسے سوال پوچھنے کا مزہ چکھا دیتی۔

لیکن ----

فی الوقت وہ مجبور محض تھی ----

کاش عالم شیر اس کے ساتھ ہوتا اس نے سوچا۔

سپاہی نے شاید اپنے ذہن میں کوئی شیطانی منصوبہ بنا لیا تھا اور اب وہ اس پر عمل کرنے جا رہا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسی حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی اور اس کی گھاگ نظروں نے یہ اندازہ بھی کر لیا تھا کہ یہ گھر سے بھاگی ہوئی ہے ----

اپنے شکار کو بھلا وہ کیوں اپنے ہاتھ سے جانے دے ----

یہی سوچ کر اس نے گیتا نجلی کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا ----

"میں نہیں جاؤں گی" ---- گیتا نجلی نے قریباً چیختے ہوئے کہا۔

ریلوے پولیس کانسٹیبل سہم گیا کہیں کوئی اور مصیبت نہ آ جائے اس نے کوئی تماشا بننے سے پہلے لیڈیز پولیس کی مدد حاصل کرنا ضروری سمجھا کیونکہ اب وہ اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا اس ارادے کے ساتھ وہ نزدیکی کمرے کی طرف بڑھا ----

"ابھی دیکھتا ہوں کیسے نہیں جاتی ----"

اس نے گیتا نجلی کو برا سا لفظ کہا۔

گیتا نجلی یہ تو سمجھ گئی تھی کہ یہ شخص کسی نیک ارادے سے واپس نہیں لوٹا ضرور اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے بلانے گیا ہو گا۔

اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ اگر اس کانسٹیبل کی جگہ کوئی بہت نیک اور پارسا پولیس والا بھی ہوتا تو بھی اس طرح کی خوفزدہ گھبرائی ہوئی اور اکیلی لڑکی کو ایک مرتبہ نظروں میں آنے کے بعد واپس جانے کی اجازت نہ دیتا۔

یہ بات ان کے فرائض میں شامل تھی کہ وہ مشتبہ عورتوں اور مردوں پر نگاہ رکھیں یوں بھی آج کل تخریب کاری کی وارداتیں عام ہو رہی تھیں اور کسی پر بھی شک کیا جا سکتا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹی ---- تم پریشان کیوں ہو؟"

بوڑھیا نے جواب کھانے سے فارغ ہو چکی تھی اور اس کی بیٹی نے بھی اس کے

قدموں سے لپٹے دونوں بچوں کے ہاتھوں میں بسکٹ تھما کر انہیں مطمئن کر دیا تھا اُر طرف دھیان دیا۔

"کچھ نہیں ماتا جی"-----!

گیتا نجلی کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا اس غلط لفظ منہ سے نکال دیا تھا۔

"ہیں ماتا جی-----! تیرا بیڑہ غرق جائے میرا مذاق اڑاتی ہے-----"

بوڑھیا نے اس بات کا کچھ اور ہی مطلب لیا تھا-----

"ماں جی میرا مطلب یہ نہیں تھا----- دراصل میں بہت پریشان ہوں"-----

گیتا نجلی نے چاہا کہ بات کو سنبھال لے-----

بوڑھیا نے شاید دوبارہ اس کے منہ لگنا مناسب نہیں جانا تھا اور منہ ہی منہ میں ب بڑبڑا کر اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔

اسی اثناء میں اس نے کانسٹیبل کو ایک موٹی سی خاتون کے ساتھ اپنی طرف آتے د اور گیتا نجلی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

عین ان لمحات میں سامنے کھڑی ٹرین نے بھی رینگنا شروع کر دیا۔ جانے کس غیبی قو نے اسے اپنا پاؤں پر سپرنگوں کی طرح اچھال دیا اور اس نے قریبا بھاگتے ہوئے ایک ڈ کے پائیدان پر قدم جما دیے۔ دوسری ہی لمحے وہ ٹرین کے اندر تھی۔

ٹرین نے آہستہ آہستہ رفتار پکڑنی شروع کر دی تھی-----

جب ذرا ہوش آئی تو اس نے اپنے گردو پیش کا جائزہ لیا۔ یہ شاید اس گاڑی کا کوئی اعل کلاس کا ڈبہ تھا اور شاید ائرکنڈیشن بھی----- ڈبے میں سواریاں اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکی تھ اور پہلی ٹرین کے بالکل برعکس یہاں نہ تو کوئی دھکم پیل تھی نہ ہی وہ بدانتظامی اور کسی حد تک بدتمیزی دکھائی دے رہی تھی جس کا مظاہرہ اس نے پہلے والی ٹرین میں سارے راست ہوتا آیا تھا۔

اس کے ہاتھ میں ابھی تک وہ بٹوا موجود تھا جو اس نے رینجرز انسپکٹر کی جیب سے نکال تھا۔ اسے محض اتنا علم تھا کہ اس بٹوے میں اچھی خاصی رقم موجود ہے-----

لیکن-----

کتنی رقم ہے؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

اسے اردو زبان پڑھنی نہیں آتی تھی۔ لیکن وہ انگریزی تھوڑی بہت پڑھ لیتی تھی اور انگریزی کے لکھے الفاظ سے ہی اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ جس ڈبے میں سوار ہوئی ہے اس پر کراچی لکھا ہے۔

کرنسی نوٹوں کی مالیت کا اندازہ بھی وہ انگریزی الفاظ پڑھ کر ہی لگا سکتی تھی-----!

یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک پولیس یا انتظامیہ کے لوگوں نے اس کی موجودگی کا نوٹس نہیں لیا تھا اور وہ تماش بینوں کی ہی مرکز نگاہ بنی ہوئی تھی-----

دراصل جس سلیقے سے اس نے بوڑھے حوالدار کی چادر اپنے سر پر اوڑھ رکھی تھی اسے دیکھ کر ضرور ایک نظر اس کی شکل پر پڑنے کے بعد پہلی نظر میں وہ کسی بڑے گھرانے کی بہو بیٹی ہی دکھائی دیتی تھی-----

وہ کہاں بیٹھے؟

بھارت میں تو ایسی ٹرینوں کا ہر ڈبہ پہلے سے ریزرو ہوتا ہے یہاں نجانے کیا دستور ہے؟

اس کے نزدیک خاصی سیٹیں خالی تھیں اور بمشکل تین چار گز کے فاصلے پر موجود سیٹ پر ایک بوڑھی عورت اپنے جوان بیٹے کے ساتھ بیٹھی تھی-----

گیتا نجلی کو اپنے حال کی خبر نہیں تھی بے چاری کسی اور کی کیا خبر رکھتی۔ اس نے اندازہ ہی نہیں کیا کہ جب سے وہ ڈبے میں ڈری سہمی داخل ہوئی تھی اس وقت سے ہی اس نوجوان کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

یہ بیرسٹر انور خان تھا-----!

نامور باپ کا ہونہار بیٹا-----!

انور خان نے کم عمری میں بے حد شہرت اور عزت پائی تھی جو اسی کا حصہ تھا۔ وہ نامور جج کا بیٹا تھا۔ شاندار تعلیمی کیرئیر کا حامل۔

اگر چاہتا تو آسانی سے اعلیٰ سروسز کا امتحان پاس کر کے کسی بھی سرکاری محکمے میں اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہو سکتا تھا۔

لیکن-----

اپنی خاندانی روایات کے عین مطابق اس نے سرکاری نوکری پر اعلیٰ تعلیم کو ترج اور قانون کی اعلیٰ ڈگری لندن سے حاصل کرنے کے بعد اپنے آبائی شہر میں اپنے والد ساتھ ہی جو اب ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ پریکٹس شروع کر دی۔

اس نے کبھی بھی اپنے والد کی شہرت کو بیساکھیاں نہیں بنایا تھا۔ خود اعتمادی اس کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ دنوں میں شہرت حاصل کرتا چلا گیا۔

بڑے بڑے پیچیدہ اور لاینحل کیس اس نے حل کر دیئے۔

اس کی شہرت اپنے شہر سے نکل کر اب سارے صوبے میں پھیل گئی تھی۔ اس ص کے بڑے بڑے وزیر اور پیر اس کے مستقل گاہک بن چکے تھے----

دو سال کی قلیل مدت میں اس نے اپنے ساتھ دس ں کی ایک ٹیم بنائی تھی اس شہر کے لوگ جانتے تھے کہ بیرسٹر انور خان جس کیس کو ہاتھ ڈالے کامیابی اس کا مق بنتی ہے----

اس نے آج تک کوئی کیس نہیں ہارا تھا----

لیکن----

گیتا نجلی پر ایک نظر پڑتے ہی اس نے یوں جانا جیسے وہ زندگی میں پہلا مقدمہ ہار ہے----

---

گھبرائی ہوئی اور قدرے خوفزدہ گیتا نجلی نے ٹرین کے اس ڈبے میں پہلا قدم رکھا دوسرا قدم انور خان کے عین دل پر پڑا----!

ایک مرتبہ تو اس کا دل اتنا زور سے دھڑکا کہ جیسے ابھی سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر آ گا۔

کسی خوبصورت عورت کو دیکھنا اس کا پہلا تجربہ نہیں تھا۔ اس نے سکول کے بعد سار تعلیم ولایت میں حاصل کی تھی اور دوران تعلیم ایک امیر گھرانے کا فرزند ہونے کے نا اسے دنیا کے بعض ایسے ممالک اور گوشے دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا تھا جو عام آدمی کی پہنچ باہر تھے۔

اس نے بہت سے یورپی ممالک کے ساحلی علاقوں کا نظارہ کیا ہوا تھا----

سمندر کنارے دھوپ میں لیٹی نیم برہنہ عورتوں کو دیکھا تھا جن کے جسم قدرت نے ندھ کر بنائے تھے۔

لندن کی جس یونیورسٹی میں اس نے تعلیم حاصل کی تھی وہاں دنیا بھر سے منتخب طلبا ہی واکتساب کا موقعہ ملتا تھا۔

کیسے کیسے چہرے تھے جو اس کی زندگی میں آئے اور نکل گئے۔

کتنی لڑکیاں تھیں جنہوں نے خواہش کی کہ وہ انور خان کے خوابوں کی دہلیز کو سجائیں۔

لیکن----

اس کا دل کسی پر نہیں ریجھا۔

اس نے اپنی زندگی کی ترجیحات کا تعین بہت پہلے سے کر لیا تھا۔ اس کے نزدیک سب سے زیادہ اہم اور ضروری بات اس کی تعلیم تھی۔

جب تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ اپنے ملک واپس لوٹا تو اس کے والدین کی شدید خواہش تھی کہ وہ شادی کر لے۔ ان کے گھر میں رونق آ جائے۔ والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کے سبب اس کے بغیر گھر خالی خالی لگتا تھا اب جو جسٹس خان ریٹائر ہوئے تو ان کی خواہش تھی کہ اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ کھیلیں اور زندگی کے باقی دن ہنسی خوشی بسر کر جائیں۔

لیکن----

انور خان نے فی الوقت ان کی خواہش پوری کرنے سے معذرت کر دی تھی انہیں کہا تھا کہ وہ شادی ضرور کرے گا لیکن ابھی نہیں انور خان نے اس پر ایک نظر ڈالنے سے پہلی رائے بھی قائم کی تھی کہ اس لڑکی کا تعلق کسی بڑے گھرانے سے ہے۔

لیکن----

وہ بہت پریشان نظر آتی تھی----

"بے چاری کب سے کھڑی ہے نجانے کون ہے"----

اس کی والدہ نے جنہیں گیتا نجلی پر ترس آنے لگا تھا اپنے بیٹے سے کہا۔

"ہاں ممی میں بھی دیکھ رہا ہوں---- بے چاری پریشان نظر آ رہی ہے"---- بیرسٹر انور خان نے کہا۔

"بیٹی ادھر آ جاؤ---- یہاں بیٹھو"----

مسز خان نے جو ایک کالج میں نفسیات کی استاد تھیں پہلی ہی نظر میں ایک انداز کرتے ہوئے اسے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔

گیتا نجلی کے لیے فی الوقت اس پر خلوص پیشکش پر ہاں کہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس کے وجدان نے احساس دلایا تھا کہ یہ پہلے سے مختلف لوگ ہیں۔

معزز خاتون اور ان کے نوجوان بیٹے کے چہروں پر دور دور کہیں جناثت کے آثار دکھ نہیں دے رہے تھے۔

گیتا نجلی ایک مرتبہ پھر ہمت کر کے قدم اٹھاتی ان کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی بیٹھ ہوئے اس نے شکریہ کے الفاظ انگریزی میں ادا کیے تھے۔

مسز خان نے جو کہ نفسیات کی استاد تھیں اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالنے سے اس کے اندر مچلنے والے طوفانوں کا قدرے احساس کر لیا تھا اور ایک ماہر نفسیات کی حیثیت میں اس کیس کو ڈیل کرنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے جان بوجھ کر ابھی تک کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ کوئی بھی سوال کر کے پہلے سے پریشان اس خوبصورت لڑکی کو مزید گھبراہٹ میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

چند لمحوں تک وہ خاموشی سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتی رہیں۔ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ گیتا نجلی کی بے کلی کچھ کم پڑنے لگی ہے۔

قریباً پانچ منٹ اس کیفیت کی نذر ہو گئے۔

گیتا نجلی نے یہ تو جان لیا تھا یہ مہربان لوگ ہیں لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ انہیں اپنے متعلق کیا بتائے۔

ابھی وہ خاتون سے گفتگو کرنے کے لیے پر تول ہی رہی تھی جب اچانک ایک اور آفت آن پڑی۔

یہ ٹکٹ چیکر تھا---!

اس کی شکل پر ایک نظر پڑتے ہی گیتا نجلی کو اس کے ٹکٹ چیکر ہونے کا احساس ہوا تھا حالانکہ ابھی اس نے اپنی شناخت نہیں کروائی تھی لیکن اس نے وردی ایسی پہن رکھی تھی۔

ٹکٹ چیکر سیدھا ان ہی کی طرف آ رہا تھا---!

گیتا نجلی کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے اس کے چہرے کی بدلتی رنگت نے مسز خان کو اس کی بے بسی کا احساس بہت اچھی طرح دلا دیا تھا۔

"ٹکٹ محترمہ!"---

سب سے پہلے ٹکٹ چیکر نے اس کی طرف ہاتھ پھیلایا تھا۔

گیتا نجلی پہلو بدل کر رہ گئی۔

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اچانک اس کے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی۔ اچانک ہی گھبراہٹ سے اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔

انور خان نے بھی اس کی بدلتی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا اور دل میں اس کے لیے ہمدردی اور محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا پایا تھا۔

"یہ ہمارے ساتھ ہیں"---

گیتا نجلی کی سماعت سے مہربان خاتون کی آواز کیا ٹکرائی جیسے اس کے تن مردہ میں جان آ گئی--- بالکل ایسے ہی جیسے کبھی کبھی بند دل اچانک دوبارہ دھڑکنا شروع کر دے۔ اس کی آنکھوں میں بے اختیار نمی سی اتر آئی تھی۔

"او۔کے میڈم"---

ٹکٹ چیکر نے مسز خان کی شخصیت کا دباؤ محسوس کر لیا تھا۔

"ایک ٹکٹ شاید ہم سے گم ہو گیا ہے--- آپ کراچی کے لیے کاٹ دیں--- میرے خیال سے یہ سیٹ ریزرو نہیں ہے"---

انور خان نے ٹکٹ چیکر سے جو ماں بیٹے کی شخصیت سے خاصا دبا دبا دکھائی دے رہا تھا کہا

او۔کے سر"---

ٹکٹ چیکر نے ایک ٹکٹ کاٹ کر انہیں تھما دیا--- مسز خان نے اپنے پرس سے پیسے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

"شکریہ" کہہ کر ٹکٹ چیکر آگے بڑھ گیا۔

"یہ ٹکٹ رکھ لو بیٹی اور گھبراؤ نہیں--- اللہ بہتری کرے گا"

مسز خان نے ٹکٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

گیتا نجلی نے کپکپاتے ہاتھوں سے ٹکٹ تھاما اور بے اختیار سسک پڑی۔ اس نے اپنا سر

جھکا لیا تھا اور خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے مسز خان کا شفقت ہاتھ اپنی کمر پر محسوس کیا۔

"بیٹی گھبراؤ نہیں تم پریشان دکھائی دیتی ہو---- مصائب بھی انسانوں کے لیے ہی ہیں ان کا سامنا حوصلے سے کرنا چاہیے---- تم نے جانا کہاں ہے"----؟

مسز خان نے بڑے نرم لہجے میں دریافت کیا۔

"مجھے کچھ علم نہیں"----

گیتا نجلی نے اپنی سسکیوں کا گلہ گھونٹتے ہوئے بمشکل یہ الفاظ ادا کیے۔

"اچھا کوئی بات نہیں---- یہ لو تم چائے پی لو----"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے پہلو میں دھری چائے کی بوتل سے ایک کپ میں تھوڑی چائے ڈالی اور اس کی طرف بڑھا دی۔

گیتا نجلی کا رونا بند نہیں ہو رہا تھا----

مسز خان نے بدستور اس کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ دھرا ہوا تھا اور اسے تسلیاں دے رہی تھیں۔ اس درمیان انور نے دو اور کپ چائے کے تیار کر لیے تھے اور ایک اپنی والدہ کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

مسز خان نے اسے بمشکل چائے پینے پر رضا مند کیا تھا۔ ایک ماہر معالج کی طرح وہ بڑی مہارت سے ایک ایک کر کے اس کے زخموں پر پھاہا رکھ رہی تھیں۔ چائے کے چند گھونٹ معدے میں اترتے ہی گیتا نجلی کو احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ واقعی شیر عالم کی طرح محفوظ ہاتھوں میں آ گئی ہے۔

"بیٹی اگر برا نہ مانو---- تمہارا نام پوچھ لوں---- اس طرح تمہیں مخاطب کرنے میں آسانی رہے گی"

اس کے نارمل ہوتے ہی مسز خان نے کہا---- میرا نام مسز خان ہے"----!

"عذرا"----

گیتا نجلی کی زبان سے بے ساختہ وہی نام نکلا جو اسے عالم شیر نے دیا تھا۔

اس کے بعد مسز خان نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ انہوں نے زبردستی گیتا نجلی کو چند بسکٹ کھلا دیے تھے۔

عافیت کا تھوڑا سا احساس ہوتے ہی گیتا نجلی پر تھکاوٹ غالب آنے لگی تھی اور اسے یاد آ گیا کہ گزشتہ دو راتوں سے اس نے چند منٹ کی نیند بھی نہیں لی۔

"آپ شاید تھکی ہوئی ہیں کچھ دیر آرام کر لیجئے"----

اس مرتبہ انور خان نے اسے مخاطب کیا تھا۔ ابھی تک اس نے گیتا نجلی سے ایک فقرہ بھی نہیں کہا تھا اور خاموشی سے محض اس کی حالت کا جائزہ ہی لیتا رہا تھا۔

"ہاں بیٹی---- تھوڑی دیر نیند کر لو---- تمہارے ذہن سے بوجھ ہٹ جائے گا"---- انہوں نے سامنے کی برتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس پر انور خان نے اس کیلئے آرام دہ بستر بچھا دیا تھا۔

"شکریہ"----

گیتا نجلی بری طرح تھکی ہوئی تھی کہ اب اس کے لیے "ناں" کی معمولی گنجائش بھی باقی نہیں رہی تھی۔

اس نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا مسز خان کو تھمایا اور برتھ پر لیٹ گئی----!

جیسے ہی اس کے تھکے ہوئے جسم کو ذرا سکون میسر آیا دوسرے ہی لمحے وہ نیند دیوی کی بانہوں میں جھولنے لگی----

اور تھوڑی دیر بعد گہری نیند سو گئی----

گاڑی کے باہر بلند ہونے والے شور سے ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اسے اس بات کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ مسلسل پانچ چھ گھنٹے سوتی رہی تھی۔

گاڑی کے باہر تو طوفان بدتمیزی برپا تھا۔

لیکن----

اس ڈبے میں ہر طرف خاموشی طاری تھی گیتا نجلی نے لیٹے لیٹے ایک نظر ڈبے کے مسافروں پر ڈالی جو تمام لوگ یا تو گہری نیند سو رہے تھے یا پھر اونگھ رہے تھے۔ اس نے دیکھا مسز خان اس کے سامنے والی برتھ پر سو رہی تھیں جبکہ ان کا بیٹا اپنی سیٹ پر آڑا ترچھا بیٹھا اونگھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گیتا نجلی کو پہلا احساس یہی ہوا کہ اس نے اپنے محسنوں سے زیادتی کی ہے کیونکہ ان

کے ایک برتھ پر وہ ابھی تک قابض تھی۔

وہ اپنے دل میں انور خان کے لیے بڑی ہمدردی کے جذبات محسوس کر رہی تھی۔

کسی غیر ارادی عمل کے تابع وہ برتھ سے اتر کر سیدھی اس کی کرسی کی طرف آئی تھی۔ اسے اس طرح اچانک اپنی طرف آتے دیکھ کر انور خان سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

آپ بسرام کیجئے میں نے آپ ---" گیتا نجلی خود پر بہت کنٹرول کرتی تھی کہ اس کے منہ سے ہندی کا کوئی لفظ نہ نکلے لیکن مجبور تھی۔

"میں ٹرین میں سو نہیں سکتا --- اتنا لمبا سفر کر ہی نہیں سکتا۔ وہ تو ممی کی وجہ سے --- دراصل ممی جہاز میں سفر نہیں کرتی ڈاکٹر نے انہیں کچھ عرصہ سے منع کر رکھا ہے --- آپ آرام کیجئے ناں ---"

انور خان نے بات سے بات نکالی۔

"نہیں اب آپ آرام کریں۔ آپ کو بہت تکلیف دی میں نے" ---

گیتا نجلی ابھی تک سمجھ نہیں پائی تھی کہ اسے کیا چاہئے --- اس نے سانولی رنگت والے اس لامبے قد کے انور خان کی بڑی بڑی آنکھوں میں ایسے سرخ ڈورے تیرتے دیکھے تھے جیسے کبھی وہ سوامی مہاراج کی آنکھوں میں دیکھا کرتی تھی۔

لیکن ---

یہ شراب یا شباب کا خمار نہیں تھا۔ کم خوابی نے اس کی یہ حالت بنائی تھی ---"

چھوڑیے آپ بھی کس چکر میں پڑ گئیں --- کچھ کھا لیجئے --- آپ نے کچھ نہیں کھایا اور کافی دیر سے سو رہی ہیں --- ممی بھی آپ کا انتظار کرتے کرتے سو گئیں" ---

انور خان کی آخری بات نے اس کی جذباتی حالت بڑی عجیب کر دی تھی۔ پاکستان کی سرحد میں داخل ہونے کے فوراً بعد سے اب تک وہ جس سلوک سے دو چار ہوئی تھی اس کو گیتا نجلی نے اس لمحے بھلا دیا تھا۔

یہ لوگ تو فرشتے بن کر اس کو موت کے منہ سے نکال کر زندگی کی طرف لے گئے تھے اگر اس کی ملاقات ان سے نہ ہوتی اور پہلے جیسے لوگوں سے ہی رابطہ رہتا تو شاید وہ اب تک خود کشی ہی کر چکی ہوتی۔

شاید قدرت کو اس کی حالت پر رحم آ گیا تھا ---!

گیتا نجلی کو اب بھوک کا احساس بھی ہونے لگا تھا۔

انور خان نے اپنے ہاتھوں سے کچھ پھل اس کے سامنے رکھے اور اس کے مجبور کرنے پر گیتا نجلی نے انہیں کھانا شروع کیا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ عذرا کو خوامخواہ بولنے پر مجبور کرے اور اسے اپنے متعلق اپنی رائے بدلنے پر مجبور کرے۔ اب تک ماں بیٹے کے انتہائی شریفانہ سلوک نے ہی اس کا اعتماد بحال کیا تھا۔

اس نے پھل کھاتے ہوئے مسز خان بیدار ہو گئی تھیں لیکن انہوں نے جان بوجھ کر اسے یہ احساس دلانا مناسب نہیں سمجھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی اٹھ کر ان کے نزدیک آ بیٹھیں۔

"کہو بیٹی! اب کچھ بہتر محسوس کر رہی ہو" ---

انہوں نے بڑی شفقت سے دریافت کیا۔

"جی ہاں"۔

احساس تشکر سے گیتا نجلی نے نظریں جھکائے جھکائے جواب دیا۔

کراچی کب آیا؟

اتنا لمبا سفر کیسے کٹا۔

اسے وقت اور سفر کا احساس ہو ہی نہ سکا۔

شاید احساس تحفظ نے اسے مستقبل کے خطرات سے بھی بے نیاز کر دیا تھا اور وہ اپنی فطرت کے مطابق حالت پر شاکر ہو چکی تھی۔

انور خان کی بھی یہی کیفیت تھی۔

لیکن ---

اس نے سرشاری کے جس عالم میں یہ سفر کاٹا تھا وہ اسکی زندگی کا یادگار اور خوبصورت تجربہ تھا۔

زندگی کے جس پہلو سے اسے آج آشنائی حاصل ہوئی تھی اس سے وہ اس سے پہلے کبھی آگاہ نہیں رہا تھا۔

گہری آنکھوں والی اس ساحرہ نے اس کی نس نس میں محبت کا جو نشہ اتار دیا تھا اس نے آہستہ آہستہ بیرسٹر انور خان کو کاٹنا شروع کر دیا تھا۔۔۔۔"

یہ لڑکی کون ہے؟

وہ بہت سنبھل کر بات کیوں کرتی ہے؟

ان سوالات کے جوابات نہ اسے درکار تھے نہ اس نے ان پر دماغ لڑانا مناسب جانا۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ ہے۔۔۔۔

وہ جو اچانک ٹرین کا دروازہ کھول کر دھک سے اسکے دل میں آن براجی تھی۔

جس نے بیرسٹر انور خان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ایک ایسے سرور سے اسے آشنا کیا تھا جس سے وہ آج تک محروم چلا آ رہا تھا۔

مسرت و انبساط کے یہ لمحات بہت طویل ہو کر اچانک بہت مختصر ہونے لگے تھے۔

ٹرین کراچی کینٹ کے سٹیشن میں داخل ہو رہی تھی اور انور خان سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا؟

کہیں خدانخواستہ یہ خوبصورت خواب ختم تو نہیں ہو جائے گا۔

زندگی کے کمزور ترین لمحات کی گرفت میں پھنسا بیرسٹر انور خان خود کو بچہ محسوس کر رہا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اتنا کمزور کب سے ہو گیا ہے۔

"بیٹی کراچی آ گیا۔۔۔۔ اگر تمہیں کوئی لینے نہیں آ رہا تو ہمارے ساتھ چلو پھر جہاں تم کہو گی ہم تمہیں چھوڑ آئیں گے"۔۔۔۔

مسز خان جنہیں اب تک بہت باتوں کی سمجھ آ چکی تھیں گیتا نجلی کو مخاطب کر کے بولیں۔ وہ جانتی تھیں کہ گیتا نجلی اس پیشکش کا جواب ہاں یا ناں میں نہیں دے پائے گی۔

انہیں اب تک بہت سی باتوں کی سمجھ آ گئی تھی۔

فی الوقت انہوں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ عذرا کسی کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی ہے جو اپنے والدین سے ناراض ہو کر گھر سے چلی آئی ہے۔

شاید اس کے گھر والے اس کی شادی عذرا کی مرضی کے بغیر کرنا چاہتے ہوں۔ اس عمر میں عموماً گھروں سے بھاگنے والی لڑکیوں کے یہی مسائل ہوا کرتے ہیں۔

ان کی خواہش یہی تھی کہ یہ بھولی بھالی لڑکی غلط ہاتھوں میں پڑ کر اپنی زندگی تباہ کرنے

بجائے ان کے ساتھ چلی آئے جس کے بعد وہ اس کو سمجھا بجھا کر اس کے گھر والوں کو اپنے ہاں بلا کر اسے خیر خیریت سے گھر بھیج دیں۔

گیتا نجلی نے ان کی بات سن کر سر جھکا لیا جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ ان کے ساتھ جانے کو تیار ہے۔

مسز خان اور بیرسٹر انور خان کو لینے کے لیے ایک شاندار گاڑی آئی ہوئی تھی۔ مسز خان نے اسے اپنے ساتھ ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھا لیا تھا اور اب وہ گھر آ گئے تھے یہ گھر کیا تھا؟

ایک محل تھا۔۔۔۔

ایسا محل اس سے پہلے گیتا نجلی نے شاید کبھی سوامی مہاراج کے ساتھ کسی کا دیکھا تھا یا پھر سپنوں میں دیکھا ہو گا۔

یہ بہت امیر لوگ تھے۔

گھر پر ان کا استقبال مسٹر خان نے کیا تھا۔

لیکن۔۔۔۔

گیتا نجلی نے ان کے انداز استقبال میں اپنے لیے بھی وہی محبت اور احترام پایا جو مسز خان اور انور خان کے لیے تھا۔

"بیٹا اگر تم آرام کرنا چاہو تو لیٹ رہو۔۔۔۔"

مسز خان نے ایک سجے سجائے کمرے کی طرف اس کی رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔

"جی میں تو بہت سو چکی ہوں۔۔۔۔"

گیتا نجلی نے انکساری سے جواب دیا۔

"اچھا پھر نہا کر کپڑے بدل لو۔۔۔۔ اوہو! شاید تمہارا سامان کہیں رہ گیا ہے فی الوقت یہ کپڑوں کا جوڑا پہن لو پھر میرے ساتھ بازار سے ریڈی میڈ سوٹ لے آنا اور انہوں نے گیتا نجلی کو کپڑوں کا ایک جورا تھماتے ہوئے کہا۔

"آپ۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔"

اس سے آگے گیتا نجلی کچھ نہ کہہ پائی اس کا دل بھر آیا۔

"ارے تم پھر پریشان ہو گئیں۔۔۔۔ اچھا چلو نہا دھو کر تیار ہو جاؤ اس طرح تمہارا دل شاید ہلکا ہو جائے گا"۔۔۔۔

انہوں نے بڑی محبت سے اس کا بازو تھامتے ہوئے اس کی راہنمائی غسل خانے کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

گیتا نجلی کے من میں تو بہت کچھ تھا۔

لیکن---

وہ کچھ نہ کہہ سکی خاموشی سے غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ اندر موجود شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ اسے اپنا چہرہ نجانے کیوں اس وقت اپنا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ایک مرتبہ پھر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دی--- لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس مرتبہ رونے سے جیسے اس کے دل کا بوجھ بہت ہلکا ہو گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ نہانے سے فارغ ہوئی اور مسز خان کے دیئے ہوئے کپڑے پہن کر باہر آئی تو ایک نوکر نے اس کی رہنمائی ڈرائنگ روم تک کی جہاں باقی لوگ چائے کی میز پر اس کے منتظر تھے۔

اسکی لمبی سیاہ زلفیں کمر تک پھیلی ہوئی تھیں اور چہرہ کھلے ہوئے گلاب کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ بیرسٹر انور خان کو اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ہالینڈ کے باغات میں پھیلی زرد پھلوں کی قطاریں یاد آ گئیں---

وہ زرد گلاب کا پھول---

عذرا اس زرد گلاب کی صورت اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کر لیا تھا۔

اس نے سوچا کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے راز سے پردہ اٹھا دے گی خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

تھوڑی دیر بعد گیتا نجلی انہیں اپنی روداد الم سنا رہی تھی---

اس گھر کے مکینوں کی تعداد تین تھی یا پھر تین نوکر تھے جو اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے گیتا نجلی نے انہیں اپنی زندگی کے ایک ایک پل سے آشنا کر دیا تھا۔

جیسے جیسے وہ انہیں اپنی کہانی سنا رہی تھی۔ ان کے دلوں میں گہری ہی اترتی چلی جا رہی

...ی اس طویل داستان کا خاتمہ ایک مرتبہ پھر سسکیوں کی صورت میں ہوا--- مسٹر اور ...ز خان کو جہاں اپنی ہجرت کے واقعات یاد آ گئے تھے وہاں انہیں اس کرب کا احساس بھی ...رت سے ہوا جس سے یہ لڑکی دوچار تھی---

اس نے محض اپنے ایمان کی سلامتی کے لیے اپنی جان کو کس عذاب سے دوچار نہیں ...یا دونوں بزرگوں نے قدرت کا شکر ادا کیا کہ ابھی تک گیتا نجلی کا عزم برقرار تھا۔ اور وہ ...نے ارادے میں اٹل تھی۔

ان لوگوں کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔

اگر مسز خان ماہر نفسیات تھیں تو مسٹر خان نے بھی ساری زندگی عدالتوں کے کمروں ...ں بسر کی تھی۔

ایک جج کی کرسی پر بیس سال مسلسل بیٹھنے کے بعد انہیں اب سچ جھوٹ کی پہچان میں ...وکا نہیں ہوتا تھا۔

یہاں موجود ہر فرد کو اس بات کا یقین تھا یہ لڑکی جو کچھ کہہ رہی ہے وہ حرف بحرف سچ ہے۔

لیکن---

گیتا نجلی انہیں یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اس نے سرحد کہاں سے عبور کی تھی؟

جس پوسٹ پر وہ لوگ پہنچے تھے اس کا کیا نام تھا؟

اسے تو اس انسپکٹر کا نام بھی نہیں معلوم تھا جس نے اسے اس حال کو پہنچایا تھا۔ بس ...سے اتنا یاد تھا کہ جس سٹیشن پر وہ پہنچی تھی اس کا نام لاہور تھا--- اگر یہ بات اسے یاد نہ ...رہتی تو بھی وہ لوگ جانتے تھے کہ وہ کس سٹیشن سے ٹرین میں سوار ہوئی تھی۔

پنجاب کی سرحد تین چار سو کلو میٹر تک بھارت سے ملی ہوئی ہے۔ جس علاقے کا اس ...نے ذکر کیا وہاں سے بھی خدا جانے اس نے کس طرف سے سرحد عبور کی تھی؟

ابھی وہ ذہنی طور پر اس پوزیشن میں بھی نہیں تھی کہ اسے کرید کرید کر اس سے ...نشانیاں دریافت کی جائیں۔

پہلی بات تو یہی تھی کہ سرحد انہوں نے رات کے اندھیرے میں عبور کی تھی اور دن کے اجالے میں وہ ایک پل کے لیے بھی عالم شیر کے پاس نہیں ٹھہر سکی تھی کیونکہ اس ذلیل

انسپکٹر نے فوراً ہی ان لوگوں کو الگ کر دیا تھا اور اسے وہ اپنی جیپ میں کہیں لے گیا تھا۔

کسی بھی جگہ کا نام اسے یاد نہیں تھا۔۔۔۔

اس کی ذہنی حالت پے در پے صدمات نے ایسی کر دی تھی کہ اگر وہ چاہتی بھی تو کچھ یاد نہ کر پاتی۔

دل ہی دل میں وہ اس کے جذبہ ایمانی کو نجانے کتنی مرتبہ خراج تحسین پیش کر چکے تھے۔ اور اب اس کی مدد کرنا ان کا اخلاقی ہی نہیں بلکہ ملکی اور مذہبی فریضہ بھی بن گیا تھا۔

"بیٹی! تم اپنا ماضی بھول جاؤ۔۔۔۔ آج سے تم ہماری بیٹی ہو۔۔۔۔ میری بیٹی۔۔۔۔ ہم تمہارے لیے وہ سب کچھ کر گزریں گے جو ہمارے اختیار میں ہوا"۔۔۔۔

جسٹس خان نے بڑے پر اعتماد لہجے میں اسے کہا۔

انور خان کو اب علم ہوا کہ اس کا دل آخر غیر معمولی طور پر اس لڑکی کی طرف کیوں کھنچا جا رہا تھا۔

یہ کوئی معمولی لڑکی نہیں تھی۔۔۔۔

بیرسٹر انور خان کے تصورات سے بڑھ کر عظیم لڑکی ثابت ہوئی تھی پہلے ہی ایک تعلیمیافتہ اور مہذب انسان ہونے کے ناطے اس نے اس سے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہیں کی تھی۔

لیکن۔۔۔۔

اب تو اس کے لیے اپنے دل میں محبت کے ساتھ احترام کے بھی بے پناہ جذبات محسوس کرنے لگا تھا۔

"انور بیٹے! تم عذرا بیٹی کا کیس تیار کرو تاکہ قانونی طور پر اس کے لیے کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو جس کے بعد ہم انشاللہ عالم شیر کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے"۔۔۔۔

جج صاحب نے اپنے ہونہار فرزند کی طرف دیکھ کر کہا۔

"او۔ کے ڈیڈی۔۔۔۔ میں صبح ہی سارے کاغذات تیار کروا لوں گا"۔۔۔۔

انور خان نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"عذرا بیٹی! فی الوقت ہم تمہارا تعارف اپنی بھتیجی کی حیثیت سے ہی کروائیں گے جو حال ہی میں بھارت سے یہاں آئی ہے۔۔۔۔ یہ تمہاری سہولت کے لیے ہے۔۔۔۔ ہمیں تو

ے ماضی پر فخر ہے لیکن یہ مناسب نہیں ہو گا کہ بہت سے لوگوں کو خوامخواہ ہم اپنا راز
نے رہیں۔۔۔۔ اس درمیان تم اردو زبان پڑھنے کی کوشش کرو۔۔۔۔ مسز خان اس
ہیں گی۔ امید انشاء اللہ بہت جلد تم پاکستان کی باقاعدہ شہری بن جاؤ گی۔ اب بھی تم خود
ے پاکستانی ہی سمجھو۔۔۔۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس گھر کو اپنا گھر
ہ"۔۔۔۔

انہوں نے عذرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

تھوڑی دیر میں شام ڈھلنے لگی تھی۔۔۔۔

گیتا نجلی محسوس کر رہی تھی کہ اسے دل پر پڑا بھاری پتھر ایک طرف ہٹ گیا ہے اور
اپنا وجود ہوا میں تیرتا محسوس ہونے لگا تھا۔

اس کی زندگی بھر کی تپسیا رنگ لائی تھی۔

خان فیملی کی صورت میں اسے زندگی بھر کی ریاضت کا پھل مل گیا تھا۔ اس رات وہ
ی اور اطمینان کی نیند سو گئی۔۔۔۔

روپ بہروپ

خان فیملی نے اپنی ترجیحات کا تعین کر لیا تھا۔

وہ قانونی لوگ تھے---- اور قانون کے دائرے سے باہر کسی بھی کام کو ہاتھ ل مناسب نہیں جانتے تھے۔ انہیں اس بات کا علم تھا کہ اس شہر میں لاکھوں غیر ملکی پاکستانیو کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے لیے چند گھنٹوں کے اندر عذرا کا شناختی کا یا پاسپورٹ حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

لیکن----

وہ ایسا نہیں چاہتے تھے۔

وہ عذرا کو اب اپنی ذمہ داری سمجھ چکے تھے اور اس ذمہ داری سے کوتاہی نہیں کر چاہتے تھے۔ صبح جب وہ بیدار ہوئی تو سورج ابھی بیدار نہیں ہوا تھا۔

یہ اس کی بچپن کی عادت تھی جو سوامی کے آشرم میں آنے کے بعد اور پکی ہو گ تھی۔ اسے ہر روز علی الصبح اٹھ کر "جاپ" کرنا پڑتا تھا۔ عذرا تو جانتی تھی کہ اس "جاپ" کے الفاظ وہ اپنی زبان سے دور سے بھگتوں کے ساتھ مل کر ضرور دھرایا کرتی تھی۔

لیکن----

اس کے دل نے کبھی ان الفاظ کو قبول نہیں کیا تھا۔

اسکے لاشعور میں اس کی ماں کبھی نہیں مری تھی----

یہ اس کی ماں کی دعاؤں کی صدقہ تھا کہ اس کے دل میں ایمان کی شمع تب بھی روشن رہی جب وہ سوامی مہاراج جیسے درندے کے آشرم میں ہندو مت کے مطابق زندگی بسر کر

ی تھی۔

اس نے زندگی میں ایک لمحے کے لیے بھی اس بات کو نہیں بھلایا تھا کہ اس کا جنم لمان عورت کے پیٹ سے ہوا اور اسے جب بھی موقعہ ملے گا اس جنم سے ضرور چھٹکارا ل کر کے اپنی اصلیت کی طرف واپس لوٹ جائے گی۔

ایک عورت ہونے کے ناطے اس نے عالم شیر کے تئیں اپنے لیے مخصوص جذبات کا اس تو کر لیا تھا۔

اس نے یہ تو جان لیا تھا کہ عالم شیر کے دل میں اس کے لیے کوئی خاص جگہ ضرور جود رہی ہے۔ عالم شیر نے ایک مرتبہ اسکا اظہار بھی کر دیا تھا۔

لیکن----

یہ اس دور کی بات تھی جب دونوں کو ہی ایک دوسرے کی اصلیت کا علم نہیں تھا۔ ں کے دل میں کبھی کبھی عالم شیر اور اس کے ساتھی سے متعلق یہ گمان تو ضرور ہوتا کہ یہ ونوں یہاں موجود باقی لوگوں سے کچھ مختلف عادات کے مالک ہیں۔

لیکن----

وہ مسلمان بھی ہیں۔ اس کا علم اسے بہت بعد میں ہوا اور جب سے وہ دائرہ اسلام میں اقاعدہ داخل ہوئی تھی اس کے بعد سے تو عالم شیر کے لیے اس کے دل میں موجود احترام کا جذبہ کئی گناہ بڑھ گیا تھا۔

اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ عالم شیر ضرور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے تو اس نے عذرا کو اپنے گھر لے جانے کا ارادہ کیا تھا---- اور دوسری طرف بشیر کتنا عظیم انسان تھا وہ بھی----

اس نے عالم شیر کی طرح کبھی اس کی آنکھوں میں بھی اپنے متعلق ہوس کا شائبہ تک نہیں پایا تھا۔

کیا اب وہ دوبارہ زندگی میں کبھی ان سے مل پائے گی؟

قدرت نے اس کے ساتھ عجیب کھیل رچایا تھا۔ پہلے اسے خوشیاں دے کر چھین لیں پھر خوشیاں اس کی جھولی میں ڈال دیں۔

لیکن----

نجانے کیوں اس کے دل کو قرار نہیں آ رہا تھا۔

وہ لاشعوری طور پر کوئی ایسا رشتہ عالم شیر سے قائم کر چکی تھی بظاہر جس کا نہیں تھا۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔

جس کی خلش اسے رلاتی تھی۔

خدا جانے عالم شیر اور بشیر کس حالت میں ہوں گے اس ذلیل انسپکٹر نے جس نام بظاہر مسلمانوں والا رکھا ہوا تھا ان بے چاروں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو گا؟۔۔۔ اس کے اس طرح ہاتھ سے نکل جانے کے بعد تو وہ زخمی سانپ کی طرح تلملا دونوں پر جھپٹ پڑا ہو گا۔۔۔۔

خدا جانے ان کا انٹیلی جنس والے ان کی مدد کے لیے پہنچے بھی ہوں نہیں۔۔۔۔؟

اگر دونوں نے اس ظالم انسپکٹر کے چنگل سے نجات بھی حاصل کر لی ہے تب اس کے اس طرح غائب ہو جانے پر کتنے پریشان ہوں گے۔

عالم شیر نے تو اسے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا ہو گا۔۔۔۔ اور نہ جانے ابھی اور کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا ہو گا؟"۔۔۔۔

ان سوالات نے اسے بہت پریشان کر رکھا تھا۔۔۔۔

اسے اور تو کچھ نہ سوجھا اپنا دھیان لگانے کے لیے اس نے "یوگا" کی وہ ورزشیں شروع کر دیں۔ جن سے واقعی جسم اور ذہن سے بوجھ ہٹ جایا کرتا تھا۔

جب بیرسٹر انور خان اس کے کمرے کا کھلا دروازہ دیکھ کر اندر داخل ہوئے تو بھی "یوگا" کا ایک مشکل "آسن" لگائے بیٹھی تھی۔

وہ اپنے دھیان میں اتنی مگن تھی کہ بیرسٹر انور خان کے کمرے میں آنے سے باخبر نہ ہو سکی جو ایک کونے میں اس کی پشت پر کھڑے بڑے انہماک سے اس کی عجیب و غریب حرکات کا جائزہ لے رہے تھے۔

جب "آسن" بدلنے کے لیے اس نے گردن گھمائی تو انور خان کو اس طرح انہماک اپنی طرف متوجہ دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو وہ گڑبڑا کر ہی رہ گئی۔

"سلام علیکم"

اس کے منہ سے یہ دو الفاظ اس طرح ادا ہوئے جیسے کسی نے اس کی چوری پکڑی ہو۔

"وعلیکم السلام۔۔۔۔ ونڈر فل۔۔۔۔ شاندار"۔۔۔۔

بیرسٹر انور خان نے اس کے کمال فن پر داد دیتے ہوئے کہا۔

"دراصل مجھے بچپن سے عادت ہے ناں۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔؟

"ارے عذرا بی بی۔۔۔۔ آپ نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔۔۔۔ کمال ہے بھئی میں تو حیران رہ گیا ہوں اب تو مجھے ہی سب سے پہلے آپ کی شاگردی اختیار کرنی ہو گی۔۔۔۔ بھئی اس ماڈرن زمانے میں بھلا کون ایسا بد قسمت ہو گا جسے اپنا جسم متوازن رکھنے کا شوق نہ رہا ہو اور آپ تو اس فن کی استاد دکھائی دیتی ہیں"

عذرا کو ابھی تک سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ انور خان اسے داد دے رہا ہے یا اس کا تمسخر اڑا رہا ہے پھر اسے احساس ہو گیا کہ وہ واقعی سیریس تھا اور جو اس کے دل میں بات تھی وہی کہہ رہا تھا۔

"میں آپ کو ناشتے کے لیے بلانے آیا تھا۔۔۔۔"

انور خان نے اسے اپنی آمد سے مطلع کرتے ہوئے کہا۔

آپ جلدی سے نیچے آ جائیے پھر ہمیں اکٹھے ہی آفس جانا ہو گا۔ آپ کے کچھ قانونی کاغذات تیار کرنے ہیں۔"

"جی بہتر۔۔۔۔"

گیتا نجلی نے مختصر جواب دیا اور انور خان باہر آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب لوگ ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ گیتا نجلی کو ان لوگوں نے عذرا کے نام ہی سے پکارا تھا اور قانونی دستاویزات میں بھی اسے عذرا خان بنا دیا اس کی سرپرستی کی ذمہ داری قانونی طور پر جسٹس خان نے قبول کی تھی۔

انور خان کے ساتھ کار میں سفر کرتے ہوئے عذرا خان نے اندازہ کر لیا تھا یہ لوگ بھی کوئی عام قسم کے شہری نہیں ہیں۔ اس کے دفتر میں اس سے ملاقات کرنے والوں کا خاصا رش تھا۔

دوپہر کے بعد جب وہ اپنے روز مرہ کے معمولات سے فارغ ہوا تو ایک کورٹ میں عذرا

خان کو ساتھ لے جا کر اس نے عذرا خان کا بیان قلمبند کروایا اور ذاتی ضمانت پر عدالت
اسے اپنے ساتھ رکھنے کی قانونی اجازت لے لی تھی۔

"مطمئن رہنا میں ہر ممکن کوشش کروں گا عالم شیر اور بشیر کو تلاش کرنے کی۔
اخبارات میں اشتہارات دوں گا۔ افسوس تمہیں کسی جگہ کا نام یاد نہیں ورنہ ہمارا مسئلہ
ہو جاتا بہر حال پنجاب کے اخبارات میں بھی اشتہار شائع کروا دوں گا۔ ممکن ہے وہ اشتہار
لوگوں کی نظروں سے گزرے اور وہ تمہارے ساتھ رابطہ قائم کریں"----

انور خان نے نجانے کیوں اسے گاڑی میں بیٹھتے یہ بات کہہ دی۔

"خدا کے لیے ایسا ہرگز نہ کیجئے"----

عذرا خان نے سہم کر جواب دیا۔

"میں سمجھ نہیں---- بھئی اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے تمہاری ملاقات کا"----

انور خان نے حیرانی سے پوچھا۔

"دیکھئے میرے لیے بہت مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ آپ نہیں جانتے جس آدمی
چنگل سے بچ کر میں یہاں تک پہنچ گئی ہوں اسکے ہاتھ کتنے لمبے ہیں---- وہ خاموش نہ
بیٹھا ہو گا۔ اس نے میری تلاش میں زمین آسمان ایک کر دیا ہو گا---- اس کے کارندے
سرحد کے پار بھی ہیں اس طرف بھی موجود ہیں اور یہ لوگ سوامی مہاراج کے لیے کچھ
کر سکتے ہیں۔ کچھ بھی---- اور پھر وہ انسپکٹر بھی تو بہت ظالم ہے---- اگر اس نے اشتہار
دیکھ لیا تو مجھے---- نہیں۔

بھگوان کے لیے آپ ایسا سوچئے گا بھی نہیں---- اگر آپ نے مجھے نئی زندگی دی
ہے تو اب مجھے جینے کا حق بھی دیجئے"----

آخری بات اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہی تھی۔

"ارے بھئی آپ تو پریشان ہو گئیں---- میں نے تو---- خیر چلو چھوڑو اس بات
اگر قسمت میں ہوا تو تمہاری ملاقات ان لوگوں سے ہو جائے گی۔ واقعی تصویر کے اس رخ
پر میری نظریں گئی تھی"----

انور خان کو یوں لگا جیسے اس نے یہ بات کہہ کر اسے پریشان کر دیا ہو۔

گیتا نجلی نے یہ بات یونہی نہیں کہہ دی تھی----

گیانی مہاراج کے لیے مدن لال کی موت اور گیتا نجلی کا غائب ہو جانا اسے پاگل کر دینے
کے لیے کافی تھا۔

سوامی کی شخصیت تہہ در تہہ پراسرار تھی----

اس کے کتنے روپ تھے؟۔

کوئی نہیں جانتا تھا----

وہ ایک ہی وقت میں گیانی تھا۔ آشرم چلا رہا تھا۔ اس کے حلقہ خاص کو علم تھا کہ وہ
بہت بڑا سمگلر ہے اور دنیا بھر کے جرائم پیشہ لوگوں سے اس کا گہرا رابطہ تھا----!

لیکن----

اس کی ایک حیثیت کا علم سوائے سوامی مہاراج کے اور کسی کو نہیں تھا---- کسی نے
وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ سوامی مہاراج بھارتی انٹیلی جنس "را" کا
ایک سرکردہ آفیسر ہے۔

"را" نے سوامی مہاراج کی آڑ میں جرائم سمگلنگ اور عورت فروشی کا ایک جال بچھا کر
دراصل اس کی شخصیت کے گرداگرد اتنے اسرار اکھٹے کر دیے تھے کہ اب اس کی اصلیت
بالکل دب کر رہ گئی تھی۔

اس سے متعلق دو ہی اندازے قائم کئے جا سکتے تھے ایک تو یہ کہ وہ کوئی بڑی مہاتما
شخصیت ہے اور سوامی ہے۔

دوسرا اندازہ زیادہ سے زیادہ یہی لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اصل میں ایک جرائم پیشہ شخص
ہے جس نے اپنے جرائم کی پردہ پوشی کے لیے سوامی مہاراج کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اس کے
جرائم کی فہرست بڑی طویل ہو سکتی تھی اور اس سے متعلق کچھ بھی بتایا جا سکتا تھا۔

لیکن----

اس طرف تو کسی کا خیال ہی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ بھارتی انٹیلی جنس کا ایک زیرک افسر
ہے جس نے بڑی کامیابی سے یہ جال پھیلا رکھا ہے جرائم اور بھگتی کی آڑ میں "را" بڑی
کامیابی سے اپنا دھندہ چلا رہی تھی۔

بشیر اور عالم شیر کی یہ خوش قسمتی تھی کہ سوامی مہاراج کو ان کے پاکستانی یا مسلمان

ہونے کا شک نہیں گزرا تھا۔ اس کے نزدیک یہ دونوں صرف سمگلر تھے۔۔۔۔ اور ان کا
جانا پاکستانی علاقے میں لگا رہتا تھا۔

اس نے بشیر اور عالم شیر کو سمگلنگ کے چکر میں ہی پاکستان سرحد میں داخل نہیں کر
بلکہ وہ "را" کے ایک طویل المعیاد منصوبے پر عمل پیرا ہونے جا رہا تھا۔

جن علاقوں سے ان دونوں نے اپنی شناسائی کا دعوی کیا تھا وہاں سے "را" کو نئے ملا
بھرتی کرنے تھے۔

بھارتی انٹیلی جنس چاہتی تھی کہ اسے علاقے سے اپنے لئے کچھ پاکستانی ایجنٹ تلا
کرے اور اس کے لیے وہ بڑا شاندار طریقہ استعمال کرتے تھے پہلے سوامی مہاراج بشیر اور
شیر کے ذریعے جو اس کے نزدیک ہندو ہی تھے پاکستانی سمگلروں کو کس بہانے اس طر
بلاتے پھر ان میں سے اپنے کام کے بندے تلاش کر کے انہیں پھانس لیتے۔

سرحدی علاقوں میں یہ معمول کی بات تھی اور بھارتی انٹیلی جنس اکثر پاکستانیوں کو
کی زیادہ تعداد جرائم پیشہ اور ان پڑھ لوگوں کی ہوتی تھی سمگلنگ کے لالچ میں پھانس لیا
تھی ان لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ وہ آزادی سے بھارتی سرحد میں آ جا سکتے ہیں اپنا دھ
جاری رکھ سکتے ہیں۔

لیکن۔۔۔۔

انہیں بھارت کے لیے کچھ جاسوسی بھی کرنی پڑے گی۔۔۔۔

اس جاسوسی کی نوعیت بظاہر بڑی عام سی تھی جو ان جاہل اور جرائم پیشہ افراد
نزدیک غداری کے زمرے میں بھی نہیں آتی تھی انہیں کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے علاقے
پاکستانی فوج کی ہونے والی نقل و حرکت سے بھارتی انٹیلی جنس کو آگاہ کریں خصوصا
گاڑیوں کے نشانات آ کر بتائیں جو پاکستانی فوج کے زیر استعمال رہتی تھیں۔

ان نشانات کی مدد سے پھر بھارت کے فوجی ماہرین اس علاقے میں موجود فوج
تیکنیکی حیثیت کا پتہ چلاتے تھے۔

کسی بھی سمگلر کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کوئی خطرہ انہیں
پیش نہیں ہوتا تھا جب سے اس طرح کے تین چار کام لے لیے جاتے تو اسے کسی بھا
جاسوس کو سرحد پار لے جانے اور واپس لانے کی ذمہ داری سونپی جاتی تھی جس کے بعد

سمجھ لیا جاتا تھا کہ اب مچھلی پوری طرح جال میں پھنس چکی ہے۔۔۔۔
ان لوگوں کو ایک مرتبہ وطن فروشی کے راستے پر لگا کر انہیں اس بری طرح "را" اپنے
جال میں پھنسا لیتی تھی کہ پھر وہ مسلسل بلیک میل ہوتا رہتا تھا اور ان کے ذریعے بھارتی
انٹیلی جنس پھر پاکستان میں تخریب کاری کروایا کرتی تھی۔

"را" نے اپنے ملک ہی میں نہیں ساری دنیا میں ایسے خطرناک ایجنٹ کا جال بچھا رکھا
تھا جو غیر قانونی اور قانونی دونوں طرح کی سرگرمیوں کی آڑ میں دراصل "را" کا دھندہ چلا
رہے تھے۔

بھارت میں سوامی مہاراج کے روپ میں "را" کا سب سے زیادہ مضبوط اور قابل اعتماد
سیف ہاؤس موجود تھا۔

اس اڈے پر قریباً بھارت کی تمام اہم شخصیات کا آنا جانا لگا رہتا تھا ان میں اچھے لوگ
بھی شامل تھے اور برے لوگ بھی۔

سوامی مہاراج کا اڈہ "را" کے لیے ایک شاندار چیکنگ پوائنٹ بھی تھا جہاں وہ بڑی
خصوصیت سے بڑے بڑے مجرموں کا پتہ لگایا کرتے تھے۔۔۔۔

یہ مجرم بظاہر تو سوامی مہاراج کے ساتھی ہوتے تھے۔

لیکن۔۔۔۔

جب سوامی مہاراج کی طرف سے اشارہ ملتا "را" اتنی خوبصورتی سے ان کا صفایا کر دیتی
کہ کسی کو کانوں کان علم ہی نہیں ہو پاتا تھا۔

بالکل یوں سمجھا جاتا تھا جیسے اس شخص کی موت معمول کی بات ہے کسی کا دھیان
بھولے سے بھی گیانی مہاراج کی طرف نہیں جاتا تھا۔

مدن لال کا قتل کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے نظرانداز کر دیا جاتا۔

گیتا نجلی کا فرار اس سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

اور۔۔۔۔

سوامی مہاراج کے لیے یہ دونوں "انا کا مسئلہ" بن گئے تھے۔۔۔۔ وہ بہر صورت گیتا
نجلی کی واپسی اور ان دونوں سمگلروں کی موت کا خواہش مند تھا۔ جو پہلے تو ہندو بن کر اس

کے آشرم میں مزے لوٹتے رہے لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ دراصل وہی دونوں جیل
فرار ہونے والے خطرناک پاکستانی سپائی تھے۔

وہ غصے میں اپنے سر کے بال نوچنے لگتا تھا کہ آخر اتنی دیر تک وہ بے وقوف کیوں
رہا اس کا خیال اس طرف کیوں نہ گیا کہ یہ دونوں مفرور پاکستانی بھی ہو سکتے ہیں۔
اس کے ساتھ زندگی میں اس سے بڑا دھوکہ کبھی نہیں ہوا تھا اور اب وہ کسی بھی
پر ان تینوں کی موت کا خواہش مند تھا۔

آج بہت عرصے بعد اس کے آشرم میں گپتا جی واپس لوٹے تھے۔۔۔۔

گپتا جی کا شمار سوامی مہاراج کے خصوصی چیلوں میں ہوتا تھا۔ اس کے خاص کارندوں
ہی علم تھا کہ گپتا جی کوئی بہت بڑے آدمی ہیں جن کا بزنس بھارت ہی میں نہیں بلکہ
کونے کونے میں پھیلا ہوا ہے اور وہ سوامی مہاراج کے ایک اشارے پر اپنی جان بھی
قدموں میں بھینٹ کر سکتے تھے۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔

اس بات کا علم صرف سوامی مہاراج کو تھا کہ گپتا جی دراصل رگھوناتھ سہائے
انٹیلی جنس "را" کا ڈپٹی ڈائریکٹر ہے جس کا "گپتا جی" کور نام (Cover Name) تھا
واحد ایسی ہستی تھی جسے "را" کے ڈائریکٹر کے بعد سوامی مہاراج کی اصلیت کا علم تھا۔۔

"را" کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ اس کے اعلیٰ افسران کو اس بات کا علم نہیں
سوامی مہاراج دراصل "را" کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہے جو بھیس بدل کر آشرم چلا رہا ہے۔

اس وقت گیانی مہاراج اپنے خاص کمرے میں براجمان تھے اور چار داسیاں ان کی
میں مگن تھیں جب گپتا جی کمرے میں ایک داسی کی معیت میں داخل ہوئے گیانی مہاراج
شکل پر نظر پڑتے ہی گپتا جی "ڈنڈوت" (لیٹ کر پوجا کے انداز میں پاؤں چھونا) کرنے لگے

"شانتی۔۔۔۔ شانتی۔۔۔۔" سوامی مہاراج نے حسب عادت اپنا ہاتھ اٹھا کر
آشیرواد دی۔

یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ اب گپتا جی اٹھ کر بیٹھ سکتے ہیں۔

"کہو بانیکے! کہاں رہے اتنے دن۔۔۔۔ اپنے گورو کی یاد نہیں آئی"۔۔۔۔
سوامی مہاراج نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"آدشے مہاراج آدشے (ضرور) آپ کا خیال داس (غلام) کے من سے کبھی ایک لمحے
بھی نہیں جا سکتا۔ داس کے ہر سانس میں دل کی ہر دھڑکن میں آپ کے نام کی مالا
جاتی ہے مہاراج!۔۔۔۔ میں جنوبی افریقہ گیا ہوا تھا۔۔۔۔ من کو بہت بے کلی لگی
گورو کے چرن چھونے کو من اتاؤلا ہوا جاتا تھا۔ چار روز پہلے جب میں سوسی
(ہندوؤں کا ایک وظیفہ) کر کے سویا تو خواب میں گورو مہاراج کے درشن ہوئے اور
نے مجھے طلب فرمایا۔ اس روز جہاز کی ٹکٹ بک کروائی اور آج دہلی پہنچتے ہی اپنے
کے چرنوں کی دھول اپنے ماتھے پر سجانے کے لیے آگیا ہوں۔۔۔۔"
گپتا جی نے بڑی عقیدت سے ہاتھ باندھتے ہوئے ارداس انداز میں کہا۔

"آنند۔۔۔۔ آنند۔۔۔۔ بانیکے آنند پراپت کرو گے۔۔۔۔"
سوامی مہاراج نے اپنی مالا کے منکے گراتے ہوئے مالا والا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔

"تم جاؤ داسیو! تم جاؤ اور بسرام (آرام) کرو۔۔۔۔ ہم اپنے بھگت سے باتیں کریں
۔۔۔۔"

سوامی مہاراج کا اشارہ پاتے ہی وہاں موجود داسیاں الٹے پاؤں واپس جانے لگیں۔

"اے سکھنیا"۔۔۔۔

انہوں نے اچانک ہی کچھ سوچتے ہوئے کہا اور سانولے جسم کی ایک ساحرہ وہیں جم کر
۔۔۔۔

اس کے چہرے پر گپتا جی کے لیے زیادہ دیر نظر جمانا ممکن نہیں تھا۔ حسن اور جنسیت کا
امتزاج گپتا جی کو اس آشرم میں ہی نظر آ سکتا تھا۔

"ہمارے بھگت کے لیے "سوم رس" (اشارہ شراب کی طرف ہے) کا بندوبست
۔۔۔ اتنے لمبے لمبے سفر سے لوٹا ہے۔۔۔۔ اسے آنند دو۔۔۔۔ شانتی دو۔۔۔۔"
سوامی مہاراج نے اپنے اصلی روپے کی طرف لوٹتے ہوئے کہا۔

"دھن بھاگیہ مہاراج۔۔۔۔ داسی آپ کی کنیز ہے۔۔۔۔"

سکھنیا نے جھک کر گپتا جی کے سامنے اس طرح کورنش بجاتے ہوئے کہا تھا کہ
کے جسم پر موجود ڈھیلا ڈھالا بسنتی رنگ کا چولا جسم سے قریباً الگ ہو گیا تھا اور اس کے
کی ایک ہی جھلک نے گپتا جی جیسے گھاگ انٹیلی جنس آفیسر کے بدن پر بھی ایک لمحے

کے لیے لرزہ طاری کر دیا تھا۔

سکھینا انہی قدموں سے واپس لوٹ گئی۔

"ابے سالے---- ایسی قیامت کی جھلک اس طرح اچانک نہ دکھایا کر کہ ورنہ کسی روز تیرے آشرم ہی میں سورگباش ہو جاؤں گا۔"

سکھنیا کے حادثے سے سنبھلتے ہی گپتا نے کہا۔

"گپتا جی---- ہم بھی کوئی معمولی سوامی نہیں ہیں۔ بڑی دھوم دھام سے آپ کا انتم سنکار (مردے کی تدفین کی رسوم) کریں گے۔"

سوامی مہاراج نے قہقہہ لگایا۔

"کیا بات ہے بہت عرصے بعد تمہیں اتنا بے چین دیکھا ہے---- معلوم ہوتا ہے تم نے مدن لال کے معاملے کو کچھ زیادہ ہی سیریس لے لیا---- ارے یار پھر کیا ہوا اب تمہارے کریڈٹ پر اتنے اتنے بڑے کارنامے ہیں کہ "را" کے نزدیک تمہاری حیثیت میں کبھی معمولی سی کمی نہیں آ سکتی پھر کیوں پریشان ہو---- بھئی سوامی یار! تم جانتے ہو اس کھیل میں کبھی کبھی نتائج اپنی توقع کے مطابق نہیں نکلا کرتے (Be Relax) یار کیوں ڈیپریس ہو رہے (Take it easy man) "را" کو تم پر فخر ہے۔ مدن لال نے تو مرنا ہی تھا---- جس تیزی سے وہ حرام اکٹھا کر رہا تھا ایک دن اچانک سالے کا پیٹ پھٹ جاتا----"

گپتا جی!---- اس کے سامنے صوفے پر ٹانگیں پسار کر لیٹ گیا تھا۔

"گپتا جی---- میں اس کی موت کو اہمیت نہیں دے رہا---- بات اس کے مرنے کی نہیں---- لیکن جس بری طرح میں (Cheat) ہوا ہوں۔ جس طرح میری بدھی (عقل) نشٹ ہوئی میرے دل و دماغ نے اس حادثے کو ہضم نہیں کیا---- وہ لوگ میرے مجرم ہیں اور اپنی بدترین صورت سزا ملنی چاہیے۔ خواہ اس کی کچھ قیمت بھی ادا کرنی پڑے۔"

سوامی مہاراج نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

گپتاجی کو سوامی مہاراج کے جذبات کا احساس تھا اور یوں بھی اس کی عظیم خدمات کے پیش نظر "را" اس کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھی۔

"ٹھیک ہے---- کچھ کرتے ہیں لیکن بھگوان کے لیے مطمئن ہو جاؤ---- اور ہاں

تمہارے پاس ان کی کوئی تصویر تو ہو گی----"

گپتا نے پوچھا۔

"گپتا جی! میں نے کہا ناں کہ میری تو بدھی ہی نشٹ ہو گئی تھی---- میں نے اس پر تو سوچا ہی نہیں تھا کہ سالے کبھی (Cheat) کر جائیں گے۔ یہی تو پچھتاوہ میری جان کو آ گیا ہے۔ میرے پاس گیتا نجلی کی تصویریں ہیں---- جس مقام سے ان لوگوں نے سرحد عبور کی ہے اس کے نزدیک اپنے لوگوں کا جال بچھا دو---- میرا من کہتا ہے کہ وہ مل جائیں گے---- گپتا جی! میں نے گیتا نجلی پر بہت محنت کی ہے---- وش کنیا ہے وہ میں نے اسے کسی بڑے کام کے لیے بچا رکھا تھا گپتا جی---- اس لیے نہیں کہ یہ سالے مسلے اس پر ہاتھ صاف کر جائیں---- آپ جانتے ہیں کہ وہ مسلمان کی بیٹی ضرور تھی اور اس کی اس کمزوری کو استعمال کر کے میں پاکستان میں اس کے ذریعے بہت بہتر نتائج حاصل کر سکتا تھا----"

سوامی مہاراج نے کہا۔

گپتا جی کے جواب دینے سے پہلے سکھنیا "سوم رس" لے کر آ گئی----!

اس نے اپنے ہاتھوں سے دونوں کو جام بنا کر دیے اور پھر اپنے لیے جام تیار کرنے لگی----

گپتا جی اب سب کچھ بھول بھلا کر سکھنیا کے پھیلائے جنسی طوفان میں ہچکولے کھانے لگے تھے۔

"اب کچھ جل بھوجن (کھانے پینے) کا بھی بندوبست کرو۔ آج گپتا جی تمہارے خاص مہمان ہوں گے"----

گیانی مہاراج نے سکھنیا کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

گپتا نے بے شرمی سے دانت نکال دیے۔

"سوامی میں خود کوشش کروں گا---- میری انتہائی کوشش ہو گی کہ تمہارے مجرموں کو تمہارے سامنے پیش کر دوں---- ان لوگوں کو سبق سکھانا یوں بھی ضروری ہو گیا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ دشمن کا دماغ کسی معمولی کامیابی سے خراب ہو جائے"----

گپتا نے شراب کا لمبا گھونٹ حلق میں انڈھیلتے ہوئے کہا۔

"گیتا جی! میں بھی یہی چاہتا ہوں"۔۔۔۔

سوامی مہاراج نے مطمئن ہو کر گردن ہلائی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کھانے کی میز پر موجود تھے۔

یہ میز بطور خاص سوامی مہاراج کے خاص مہمانوں کے لیے سجائی جاتی تھی۔ یوں تو اس آشرم کے دور دور تک بھی کوئی شراب یا گوشت کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن۔۔۔۔

اس میز پر انواع اقسام کے گوشت اور شراب سوامی مہاراج اور اس کے مہمان گیتا جی کے لیے موجود تھی۔

تین داسیاں ان کی خدمت پر مامور تھیں اور سکھنیا گیتا جی کے پہلو میں بیٹھی ان کے ہوش و خرد پر بجلیاں گرا رہی تھی۔

رات دیر گئے تک یہ گھناؤنا کھیل جاری رہا جس کے بعد سوامی مہاراج نے سکھنیا کو گیتا جی کے ساتھ ان کے کمرے کی طرف روانہ کر دیا وہ اپنے دوست کے ایک ایک لمحے کو خوبصورت اور یادگار بنا دینا چاہتا تھا۔

"رگھو ناتھ سہائے "را" کا ڈپٹی ڈائریکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان ڈسک کا انچارج بھی تھا اور پاکستان میں تخریب کاری اور یہاں موجود ملکی اور غیر ملکی ایجنٹوں کا براہ راست انچارج بھی وہی تھا۔

سوامی مہاراج کو موہوم سی امید تھی کہ اس کے ذریعے شاید گیتا نجلی اس کے حرم میں واپس لوٹ آئے۔۔۔۔

وہ گیتا نجلی کو ہر قیمت پر دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔

سکھنیا نے اس رات گیتا جی کی وہ خدمت کی کہ اسے اس سے پہلے سوامی مہاراج کے ہاں گزاری جانے والی تمام راتوں کو بھلا دیا۔

یوں تو گیتا جی ہی نہیں "را" کا کوئی بھی اعلیٰ آفیسر جب بھی "را" کے اس آشرم پر آیا تھا۔ اسے جسمانی تسکین کا ہر ممکن سامان بہم پہنچایا جاتا تھا لیکن گیتا کی اعلیٰ حیثیت کے پیش نظر اس کے لیے خصوصی اہتمام ہوتا تھا۔

مرزا نام تھا اس کا۔۔۔۔!

لیکن۔۔۔۔

یہ اصلی نام نہیں تھا۔ اس کھیل میں کسی کا اصلی نام کسی اور کو نہیں بتایا جاتا ان کے ساتھیوں کو بھی نہیں۔ اسے بھی سب مرزا کے نام ہی سے جانتے تھے۔ اس کی قومیت کا بھی کسی کو علم نہیں تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا وہ پاکستانی ہے یا بھارتی؟

مرزا پاکستان میں "را" کا کیس آفیسر تھا۔

گزشتہ دس سال سے اس کا پاکستان میں آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اگر وہ ہندو تھا تو بھی اب کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔

مرزا کا تعلق بھی "را" کے خاص لوگوں سے تھا۔ اس نے پاکستان میں تخریب کاروں کا جال بچھا رکھا تھا جس میں زیادہ تعداد ان پڑھے لکھے بیروزگار نوجوانوں کی تھی جو اپنی بدقسمتی ہاتھوں مرزا کے جال میں کہ ہمیشہ کے لیے اس کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہتے اور مرزا بھی چاہتا موم کی گڑیا کی طرح ان کی گردن مروڑ دیتا۔

اس کے رابطے خصوصاً پاکستان کے اس علاقے میں تھے جہاں سے گیتا نجلی کے ساتھ اور عالم شیر نے سرحد عبور کی تھی۔

مرزا اس وقت رگھوناتھ سہائے کے سامنے بیٹھا تھا جس کی میز پر تین تصویریں رکھی عالم شیر اور بشیر کی تصاویر اس نے پولیس ریکارڈ اور جیل سے حاصل کی تھیں اور گیتا کی تصویر اسے سوامی مہاراج سے مل گئی تھی۔

"ان تینوں کو اچھی طرح پہچان لو"۔۔۔۔

رگھوناتھ نے مرزا کی طرف دیکھتے ہوئے تصاویر اس کے سامنے پھینک دیں۔

"ٹھیک ہے مہاراج"۔۔۔۔

مرزا نے تینوں تصاویر دیکھ کر میز پر رکھ دیں۔

رگھوناتھ نے اپنی میز کے دراز سے ایک اور پیکٹ نکال کر مرزا کے سامنے رکھ دیا۔

"اس میں ان تصاویر کی کچھ کاپیاں ہیں جو تمہارے کام آئیں گی۔ یہ لوگ بارڈر سیکورٹی کے کمانڈنٹ مدن لال کو قتل کر کے سرحد عبور کر گئے ہیں۔۔۔۔ ہمارے منہ پر طمانچہ رسید کیا ہے انہوں نے۔۔۔۔ مرزا! انہیں تلاش کرو جس طرح بھی ممکن ہو

انہیں تلاش کرو یہ "را" کی انا کا مسئلہ بن گیا ہے۔ ہماری ناک کٹ جائے گی۔۔۔ لڑکی گیتا نجلی کو ہر قیمت پر زندہ واپس لانا ہے اور ان دونوں کو۔۔۔۔"

اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے۔۔۔۔

"ان دونوں کو بھی زندہ لا سکو تو کیا کہنے اگر نہ آئیں تو کتے کی موت مار ڈالنا ہمارے مجرم دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں انہیں سزا ضرور ملنی چاہیے۔۔۔۔"

رگھوناتھ نے مونچھوں پر الٹا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہی ہو گا مہاراج۔۔۔۔ میں خود دیکھوں گا اس معاملے کو۔۔۔۔ موراں والی ہمارا ایک بڑا کائیاں بندہ ہے اس کو کام سونپتے ہیں"۔۔۔۔

مرزا نے چاپلوسی کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی کرو مرزا۔۔۔۔ کام ہونا چاہیے۔۔۔۔ آج تک ایسا ہوا نہیں کہ تمہیں کوئی کام ہم نے سونپا ہو اور تم نے پورا نہ کیا ہو۔۔۔۔ رقم کی پروا نہ کرنا۔۔۔۔ خصوصی فنڈ سے جتنے روپے جس کرنسی میں چاہیے نکلوا لو"

رگھوناتھ نے واقعی اسے اپنا انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔۔۔۔

سوائی مہاراج گو کہ اس کی طرح "را" کا ہی اعلیٰ آفیسر تھا لیکن سب سے بڑھ کر اس کا دوست تھا اور دوست بھی ایسا جس نے سکھنیا جیسی نادیوں کو اس کی سیوا پر لگا دیا تھا۔ ایسے شخص کا کام تو ہونا چاہیے تھا خواہ اس کی کتنی ہی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑتی۔۔۔۔

مرزا تھوڑی دیر بعد وہاں سے رخصت ہو گیا۔۔۔۔

اس کے لیے یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی لیکن اس سے پہلے اتنی شدت سے کبھی رگھوناتھ سہائے نے کوئی مطالبہ نہیں دہرایا تھا۔

مرزا کو معاملے کی سنگینی سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی اور اس نے اندازہ کر لیا کہ گیتا نجلی نامی اس لڑکی کا کوئی نہ کوئی تعلق "را" کے ڈپٹی ڈائریکٹر سے ضرور رہا ہو گا اور یہ دونوں پاکستانی جاسوس جو جیل سے فرار ہوئے ہیں اس لڑکی کو بھی اپنے ساتھ بھگا کر لے گئے ہوں گے جاتے جاتے انہوں نے مدن لال کا بھی صفایا کر دیا ہو گا۔

واقعہ کچھ بھی رہا ہو اسے اپنے افسران کے حکم کی تعمیل کرنی تھی۔ وہ "را" کا پرانا نمک خوار تھا اور قریباً دس سال سے ان کے لیے خدمات انجام دے رہا تھا۔ مرزا رہنے والا تو

پاکستان کا تھا لیکن اس نے ایک شادی بھارت میں بھی کی ہوئی تھی۔ اس کا تعلق ایک خاص فرقے سے تھا جس کے پیروکار دونوں طرف آباد تھے اور اس کا آنا جانا اکثر اپنے فرقے کی زیارات پر لگا ہی رہتا تھا۔

مرزا ایک سرحدی گاؤں میں رہتا تھا جہاں وہ اچھی خاصی اراضی کا مالک بھی تھا اس نے شہر میں رہائش اختیار کر لی تھی اور ایک شاندار کوٹھی میں نوکروں کی فوج کے ساتھ فروکش تھا۔

شہر میں اس کا لمبا چوڑا کاروبار تھا کاروباری حلقوں میں وہ اپنی اصول پسندی اور ایمانداری کی وجہ سے بڑا معتبر مقام رکھتا تھا۔ اس کا تعلق جس فرقے سے تھا اس کے لوگ بظاہر اسی طرح اصول پسند' ایماندار اور ملنسار بن کر زندگی گزار رہے تھے۔

لیکن۔۔۔۔

ان کے دلوں میں پاکستان کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا اور موقعہ ملنے پر وہ اس کا مظاہرہ کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔

مرزا کس طرح "را" کے جال میں پھنس گیا؟

یہ بھید کبھی نہ کھل سکا۔ بظاہر اس میں کوئی ایسی کمزوری نہیں تھی جس کو "را" استعمال کر کے اسے بلیک میل کر سکے۔ لیکن اس میں ایک کمزوری بالآخر "را" نے ڈھونڈھ ہی نکالی اور یہ اس کی ذات کا بڑا خلا تھا جس میں سے کوئی بھی باآسانی اندر داخل ہو سکتا تھا۔

مرزا پیدائشی مسلمان تھا۔۔۔۔ ایک سرکاری محکمے میں دوسرے درجے کا افسر اور اپنی ملازمت کے سلسلے ہی میں اس کا تبادلہ ایک ایسے شہر ہو گیا جہاں اس فرقے کے لوگ زیادہ تعداد میں آباد تھے۔ مرزا کو بچپن ہی سے عورتوں سے معاشقے کی علت لگ گئی تھی جس نے بالآخر اسے کہیں کا نہ رکھا۔

اس فرقے کے لوگوں کو ایسے گدھوں کی ضرورت اکثر رہتی تھی۔ انہوں نے مرزا کی اس کمزوری کو خوب خوب استعمال کیا اور اس کے سامنے عورتوں کی قطار لگاتے چلے گئے۔ مرزا شباب کی طغیانیوں میں ایسا ڈوبا کہ پھر کبھی نہ ابھر سکا۔۔۔۔ اس نے اپنا مذہب چھوڑ کر باطل مذہب اختیار کر لیا اور اس فرقے کی ایک ایسی عورت سے شادی کر لی جو ایک کروڑ پتی زمیندار کی بیوہ تھی۔۔۔۔

اس شادی سے مرزا کے ہاتھ بے شمار دولت آئی۔

لیکن-----

اس کا جی اپنی بیوی سے جلد ہی بھر گیا۔

یوں بھی اس نے یہ شادی عشق کے لیے تو نہیں کی تھی اسے تو دولت چاہیے تھی جو بالاخر اسے مل گئی۔ اس درمیان اپنے فرقے کی جماعت ہی کے چکر میں اس کا آنا جانا بھارت میں شروع ہو گیا جہاں اس نے سلمٰی سے معاشقہ چلا لیا اور اس سے شادی بھی کر لی۔

یہ شادی دراصل "را" کا کارنامہ تھی-----

انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ مرزا ان کے قابو آ جائے تو بڑے کام کا آدمی ہے۔ اس شادی نے مرزا کے ہاتھ پیر باندھ کر رکھ دیئے اور چند مہینوں میں ہی اس کے تعلقات "را" سے گہرے ہوتے چلے گئے جس کے بعد ایک دن وہ آیا جب اس کے ہاتھوں "را" نے باقاعدہ ایک تخریب کاری کروا کر اسے اپنا مستند ایجنٹ بنا لیا۔

مرزا میں اگر غیرت نام کی کوئی چیز ہوتی تو اپنے دین ہی کو کیوں چھوڑتا؟ اس کی زندگی کی ترجیحات کچھ اور تھیں۔ اس نے اپنا زندگی کا مقصد دولت، عورت اور شراب بنا لیا تھا اور اس تکون میں بند ہو کر اپنے اوپر اصول پسندی، ایمانداری اور شرافت کے مخصوص لبادے اوڑھ کر دن رات "را" کے اشاروں پر بندر کی طرح ناچ رہا تھا۔

مرزا کا طریق واردات بڑا خطرناک لیکن بہت آسان تھا۔

وہ شہر کی کئی نام نہاد سوسائٹیوں کا عہدے دار تھا اور سوسائٹی کے اکثر حلقوں خصوصاً پسے ہوئے طبقات میں اس کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

مرزا کی نظر سوسائٹی کے ان نوجوانوں پر لگی رہتی تھیں جو فرسٹریشن کا شکار تھے-----

ایسے نوجوان اس کا خصوصی شکار ہوتے تھے۔

مرزا پہلے ان سے دوستی گانٹھتا پھر انہیں بری عادتیں ڈالتا جس کے بعد انہیں ذہنی اور جسمانی طور پر اپنا محتاج کر کے "را" کے حوالے کر دیتا ایسے نوجوانوں کو پہلے سیر کرنے کے بہانے بھارت بھیجا جاتا جہاں وہ دہلی میں جا کر بھارتی انٹیلی جنس کے خرچ پر عیاشیاں کرتے جس کے بعد انہیں "را" اپنے شکنجے میں اس طرح جکڑتی کہ پھر اس کے اشارے پر وہ بندروں کی طرح ساری زندگی ناچتے رہتے تھے۔

ناصر بھی ایک ایسا نوجوان تھا-----!

مرزا کی اس سے ملاقات ہوئے ابھی چھ سات ماہ ہی گزرے تھے لیکن ان چھ سات مہینوں میں اس نے ثابت کر دیا تھا کہ آج تک مرزا نے جھک ہی ماری ہے کیونکہ ناصر جیسا ذہین غدار اسے میسر نہیں آیا تھا۔

"را" سے ناصر کے تعلقات اتنے گہرے ہو گئے تھے کہ اب انہوں نے ناصر کو براہ راست ہدایات دینی بھی شروع کر دی تھیں حالانکہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا اور اپنے لوگوں کو مرزا خود ہی کنٹرول کیا کرتا تھا۔

آج کل بھی ناصر تخریب کاری کا ایک خصوصی کورس کرنے دہلی آیا ہوا تھا۔ بظاہر تو وہ پاکستانی پاسپورٹ پر ویزہ لگوا کر آیا تھا۔

لیکن-----

اصل میں وہ ایک خاص مشن پر آیا ہوا تھا۔ "را" کا طریق کار یہی تھا کہ پاکستان میں موجود اپنے ایجنٹوں کو جب بھی بھارت بلانا مقصود ہوتا وہ انہیں قانونی طریقے سے ویزہ کی درخواست داخل کرنے کے لیے کہتے انہیں ویزہ مل جاتا جس کے بعد وہ سیر سپاٹے اور عیاشی کے بہانے دہلی آ جاتے۔ چونکہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی اس لیے کسی کا دھیان اس طرف نہیں جاتا تھا۔

ناصر کا تعلق چونکہ اس سرحدی علاقے سے تھا جہاں سے گپتا کے کہنے کے مطابق ان لوگوں نے سرحد عبور کی تھی اور یہاں کے بیشتر جرائم پیشہ لوگوں سے ناصر کا ملنا جلنا رہتا تھا اس لیے مرزا نے اس کو یہ کام تفویض کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ ناصر کے ذریعے کم از کم اس بات کی تصدیق کر سکتا تھا کہ یہاں کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی ہے یا نہیں۔

اس وقت وہ لوگ اس ضمن میں دہلی کے ایک مسلمان ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے تھے جس میں "را" کا ایک آفیسر بھی موجود تھا۔

ناصر نے اپنا کام دہلی میں مکمل کر لیا تھا۔ اس نے تخریب کاری کا ایک چھوٹا سا کورس کرنا تھا جو مکمل کرنے کے بعد اب یہاں صرف عیاشی کر رہا تھا۔

"تم کل ہی واپس چلے جاؤ"

مرزا نے اسے تلقین کی۔

"ٹھیک ہے مرزا صاحب----- بے فکر ہو جایئے۔ اس علاقے میں بہت سے رینجرزا سیکورٹی کے لوگوں تک اپنی رسائی ہے۔ میں انہیں زمین کی ساتویں تہہ سے بھی نکال لاؤ گا آپ مہربانی سے کچھ کیش کا فوراً بندوبست کر دیں۔"

ناصر نے مرزا کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

مرزا کو ناصر کی یہی عادت بری لگتی تھی-----

وہ کام کرنے سے پہلے اس کا معاوضہ طلب کر لیا کرتا تھا اور یہ معاوضہ اتنا زیادہ ہوتا کہ بسا اوقات مرزا کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جایا کرتے تھے۔ وہ "را" سے جس کام کے لی پچاس ہزار روپے لیا کرتا تھا اسے مقامی ایجنٹوں کے ذریعے دس ہزار روپے میں مکمل کر بقیہ چالیس ہزار اپنی جیب میں ڈال لیتا تھا۔

لیکن-----

ناصر بہت ہوشیار تھا۔

شاید اسے مرزا کی اس چالاکی کا علم ہو گیا تھا اور وہ مرزا سے پہلے ہی اتنے زیادہ پ طلب کر لیتا تھا کہ اسکے لیے کچھ گنجائش باقی نہیں بچتی تھی۔ ایک مرتبہ مرزا نے اشار سے اس بات کا ذکر "را" میں اپنے انچارج گپتا سے کیا تھا لیکن اس نے مرزا سے کہہ دیا ت کہ وہ کم از کم ناصر کے معاملے میں پیسوں کی پروا نہ کیا کرے----- یوں بھی "را" والوں کام سے مطلب تھا۔

وہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کچھ بھی قیمت ادا کر سکتے تھے-----

"ٹھیک ہے یار نوجوان کبھی اس سے پہلے تمہارے ساتھ کوئی وعدہ خلافی ہوئی ہے؟"----- مرزا نے چڑ کر کہا۔

"اس میں مرزا صاحب----- وعدہ خلافی والی بات نہیں آپ تو جانتے ہیں کہ ہمار دھندے میں وعدوں کی کیا حیثیت یا اہمیت ہے جس سے بات بھی کریں گے وہ ہمارے سوال کا جواب دینے سے پہلے ہاتھ پھیلا کر اپنا معاوضہ طلب کرے گا"-----

ناصر نے مسکراتے ہوئے کہا وہ مرزا کے دلی جذبات کا اندازہ کر سکتا تھا۔

"یہ لو----- اور پیسوں کی فکر نہ کرنا----- یہ سمجھو کہ گپتا صاحب کا ذاتی کام

انہیں ہر صورت میں مثبت رزلٹ چاہیے----- بہر صورت۔ سمجھ گئے

"را" کے اس آفیسر نے جوان کے ساتھ موجود تھا پاکستانی کرنسی نوٹوں کا ایک بنڈل بریف کیس سے نکال کر ناصر کو تھما دیا۔

"او۔ کے میں چلتا ہوں۔ امید ہے اب مرزا صاحب سے پاکستان میں ہی ملاقات ہو"

ناصر نے نوٹوں کی گڈی بغیر گنے اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں نے اسے بہت سر چڑھا لیا ہے"-----

ناصر کے باہر نکلتے ہی مرزا نے "را" کے آفیسر سے کہا۔

"مرزا صاحب آپ ایسی باتوں سے نہ گھبرایا کریں----- یہ لوگ اپنے مادر وطن سے ری کرتے ہیں تو ان کے کچھ مطالبات ہوتے ہیں۔ ہمارے رشتہ دار تو نہیں ہیں----- انہیں دولت ہی نہ ملے تو پھر اپنی جان ہتھیلی پر لے کر کیوں گھومتے پھریں گے-----

"را" کے آفیسر نے مسکراتے ہوئے مرزا صاحب کو ٹال دیا۔

ناصر اگلے روز ہی پاکستان پہنچ گیا-----!

اپنے وطن پہنچ کر اس نے حسب سابق اپنے آفس کا رخ کیا جہاں میجر کیانی اس کے ستقبال کے لیے موجود تھے۔

"سناؤ جوان کیسا رہا ٹرپ"-----

میجر کیانی اپنا گھنی مونچھوں کے نیچے چھپی مسکراہٹ کو نمایاں کیا۔

"جناب بڑا شاندار----- اس مرتبہ آپ کے لیے ایک اور نئی خبر لایا ہوں-----"

ناصر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا----- تو مرزا صاحب پھر کوئی نیا کارنامہ سرانجام دینا چاہتے ہیں"-----

میجر کیانی نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"کارنامہ تو نیا نہیں----- البتہ کام کی نوعیت ذرا مختلف ہے"-----

یہ کہہ کر ناصر نے میجر کیانی کو دہلی میں ہونے والی گفتگو اور "را" کی طرف سے اس

کام کے لیے پیشگی ملنے والا نوٹوں کا بنڈل تھما دیا۔

"ویل ڈن مائی بوائے---- ویل ڈن"----

انہوں نے نوٹوں کا بنڈل ناصر کی طرف واپس لوٹاتے ہوئے اسے شاباش دی "را دانست میں بڑی ہوشیاری دکھائی تھی اور وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان میں انہیں کھیلنے کی مکمل آزادی ہے۔

پاکستان انٹیلی جنس ان کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہی تھی۔ یہ اطلاع ملنے پاکستان نوجوانوں کو ورغلا کر "را" والے ان سے تخریبی کاروائیاں کرواتے ہیں۔ پاکستانی جنس نے "را" کے تخریب کاری کے تربیتی کیمپوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کچھ ذہین افسروں کو غداروں کے روپ میں ان کیمپوں تک پہنچا دیا تھا۔

یہ لوگ بظاہر "را" کے لیے کام کرتے تھے لیکن عملاً وہ پاکستان انٹیلی جنس کے آ تھے اور "را" کے کیمپوں میں موجود غداروں کے کوائف اور "را" کے عزائم جانتے ر تھے جس کے بعد یہ معلومات پاکستان انٹیلی جنس کے مرکز میں پہنچتی اور وہاں سے پھر ا ہنگامی آپریشن تیار کیا جاتا تھا جس کے ذریعے جہاں ایک طرف "را" کے گھناؤنے عزائ ناکام بنایا جاتا تھا وہاں اس بات کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا کہ "را" کو کسی مرحلے پر یہ شک گزرے کہ یہ لوگ ڈبل کراس نہیں اور ان کے کیمپوں میں پاکستان انٹیلی جنس کے لو بھی گھس آئے ہیں----"

ناصر کو بطور خاص مرزا پر نگران مقرر کیا گیا تھا----

مرزا کی وطن دشمن سرگرمیوں پر پاکستان انٹیلی جنس کو ڈیڑھ سال پہلے شک گزرا جس کے بعد سے انہوں نے ایک منصوبے کے تحت اپنے انتہائی ذہین آفیسر ناصر کو اس ٹکرا رہا تھا اور اس کے ذریعے ناصر نے "را" تک رسائی حاصل کر لی تھی---- پاکستا انٹیلی جنس کی پالیسی یہ تھی کہ وہ مرزا کے غدار ساتھیوں کے متعلق مکمل معلومات حاصل کے اس سارے گروہ کا قلع قمع کریں----

ناصر نے میجر کیانی کو بتا دیا تھا کہ اس مرتبہ مرزا کی طرف سے کیا فرمائش موصول ہوا ہے اور اس کام میں "را" کا ڈپٹی ڈائریکٹر گپتا براہ راست دلچسپی لے رہا ہے۔

"اس کا مطلب ہے کہ معاملہ خاصا سنگین ہے----"

میجر کیانی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"سر! آج تک گپتا کی شکل بھی ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھی۔ اس کے باوجود کہ وہ پاکستان ڈیسک" کا انچارج ہے---- مرزا ہی شاید ایسی واحد شخصیت ہے جس سے اس کا براہ راست رابطہ رہتا ہے لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ اس مرتبہ گپتا نے اپنے ماتحت کو بطور خاص میرے پاس بھیجا اور اس نے یہ رقم بھی مجھے دی ہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ مرزا اس معاملے میں ڈنڈی مار لیتا ہے شاید اس لیے ان لوگوں نے پہلے ہی براہ راست ادائیگی کر دی ہے----"

"تم آرام کرو میں دیکھتا ہوں---- بہرحال انہیں مطمئن تو کرنا ہے۔ کوئی نہ کوئی کہانی تو سنانا ہی پڑے گی"----

میجر کیانی نے کہا۔

ناصر اٹھ کر باہر آ گیا۔

اسے اب میجر کیانی کی طرف سے تفصیلات کا انتظار تھا جس کے بعد ہی اس نے مرزا کو رپورٹ پیش کرنی تھی۔

میجر کیانی نے اس روز شام تک ساری معلومات اکٹھی کر لی تھیں۔ وہ عالم شیر کو ذاتی طور پر جانتے تھے اس نے میجر کیانی کے ساتھ بھی کچھ عرصہ کام کیا تھا اس بات کا تو انہیں علم ہو گیا تھا کہ وہ دونوں بھارتی جیل توڑ کر فرار ہوئے ہیں۔

لیکن----

کسی جیل سے فرار ہونے والے کے متعلق "را" کی اتنی زیادہ دلچسپی کا کیا جواز تھا؟ اس بات کی سمجھ انہیں نہیں آ رہی تھی۔ انہیں معلوم ہوا تھا کہ انسپکٹر برکت کی وجہ سے گیتا نجلی کا بھی کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ وہ کہاں چلی گئی۔

یہ بھی ممکن تھا کہ خوفزدہ ہو کر اس نے دوبارہ سرحد عبور کر لی ہو اور اب بھارت پہنچ چکی ہو؟ انہیں تو اس بات کا علم نہیں تھا کہ گیتا نجلی خان فیملی کے پاس محفوظ ہے----

اس سے پہلے بھی بہت سے لوگ بھارتی جیلوں اور عقوبت خانوں سے فرار ہو کر اپنی جان بچا کر پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو چکے تھے لیکن "را" نے کسی کا تعاقب نہیں کیا تھا۔

جہاں تک ان دونوں کا تعلق تھا تو وہ بھی کوئی ایسا کارنامہ انجام دے کر نہیں آئے تھے کہ "را" انہیں مرنے مارنے پر نکل جاتی۔

شاید مدن لال کی موت نے "را" کو یہ فروختہ کر دیا ہو؟

انہوں نے مفروضہ قائم کرنا چاہا۔

لیکن----

بی ایس ایف کے ایک ڈپٹی کمانڈنٹ کا قتل؟

آخر "را" کا اس سے کیا تعلق ہو گا۔

بھارت میں کتنی انٹیلی جنس ایجنسیاں کام کر رہی ہیں۔ مدن لال کی شہرت اس کے علاوہ کیا تھی یہی کہ وہ پاکستانیوں کی قتل و غارت گری میں بہت دلچسپی لیتا تھا اور پاکستانی انٹیلی جنس کے پاس یہ معلومات بھی نہیں کہ مدن لال نے کروڑوں روپے اس دھندے سے کمائے تھے۔

ایسے آدمی کی موت کا "را" اتنی سنجیدگی سے کیا نوٹس لے گی؟

میجر کیانی نے آخری رائے یہی قائم کی تھی کہ مدن لال کی موت ہی اگر اس انتقامی کاروائی کی وجہ ہے تو ضرور اس کے گپتا سے خاص تعلقات رہے ہوں گے۔

لیکن----

پاکستانی انٹیلی جنس کے پاس گپتا سے متعلق جو معلومات موجود تھیں ان میں دور دور تک مدن لال کے اس کے ساتھ معمولی مراسم کا کوئی اشارہ بھی موجود نہیں تھا----!

اب میجر کیانی کے ذہن نے ایک دوسری لائن پر سوچنا شروع کیا اور انہوں نے مدن لال اور گپتا کا کوئی مشترک دوست ڈھونڈنا چاہا----!

گپتا بڑا مکار ہندو تھا----

اس کی سرگرمیاں اتنی پراسرار اور محدود تھیں کہ اس سے متعلق بہت سی باتوں پر اسرار کا پردہ پڑا تھا۔

اچانک ہی میجر کیانی کے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا انہیں اپنے ایک بھرتی ایجنٹ کی چند ہفتے پہلے ملنے والی رپورٹ کے کچھ مندرجات یاد آ گئے۔ اس ایجنٹ کو پاکستانی انٹیلی جنس نے گپتا سے متعلق تازہ ترین معلومات خصوصاً اس کا حلقہ احباب جاننے

مدات تفویض کر رکھی تھیں اور اس نے چند ہفتے پہلے جو رپورٹ دی تھی اس میں نئی تھی کہ گپتا کا مشہور ہندو یوگی سوامی مہاراج کے آشرم میں جانا لگا رہتا تھا۔

یہ گپتا یعنی رگھوناتھ سہائے کوئی دھارمک آدمی نہیں تھا۔ اس نے تو زندگی میں سوائے ...رت کے کبھی مندر کا منہ نہیں دیکھا ہو گا پھر ایک سوامی کے آشرم میں اس کی ...رفت سے پاکستان انٹیلی جنس نے بظاہر یہی رائے قائم کی تھی کہ دیگر امیر اور عیاش ...دؤں کی طرح وہ بھی آشرم میں موج میلہ کرنے جاتا ہو گا کیونکہ اکثر ہندوان آشرموں ...جہاں دھرم کے نام پر جنسیت کی دکانیں کھلی تھیں یہی کچھ کرنے کے لیے اس آشرم کو ...نے والے سوامی کے چیلے بن جایا کرتے تھے۔

میجر کیانی جانتا تھا کہ کسی بھی عیاش طبیعت انسان کے لیے ان آشرموں میں عیاشی کا جو ...ان موجود ہے وہ شاید انہیں کے یورپ نے کسی بھی ریڈ لائٹ ایریا میں نہیں ملتا ...ا---- وہ ان آشرموں کو "دھارمک ریڈ لائٹ ایریا" کہا کرتا تھا۔

ممکن ہے یہی ایک رشتہ اس انتقامی کارروائی کا باعث بن رہا ہو؟

انہوں نے سوچا۔

ممکن ہے یہ کاروائی اس سوامی مہاراج کے لیے کرائی جا رہی ہو کیونکہ عالم شیر اور بشیر ...ی آشرم کی ایک لڑکی کے ساتھ فرار ہوئے تھے---- اور آشرم کے سوامی نے اسے اپنی ...ا کا مسئلہ بنا لیا ہو۔

میجر کیانی بڑا ذہین آفیسر تھا----

وہ بات سے بات نکال کر ایک ایک گرہ کھول کر مسئلے کا بڑا سائنٹیفک اور مدلل حل ...لاش کیا کرتا تھا۔

اس کے ذہن نے یہ بات ماننے سے بھی انکار کر دیا کہ محض ایک لڑکی کی خاطر یہ سب ...چھ کیا جا رہا ہو۔ ایسی ہزاروں لڑکیاں ان سوامیوں کے قدموں سے لپٹی رہتی تھیں۔

عالم شیر نے جو بیان اپنی ایجنسی کو دیا تھا اس کی کاپی میجر کیانی کے سامنے دھری تھی وہ ...نتے تھے کہ عالم شیر جھوٹ نہیں بول سکتا اس نے گیتا نجلی کے متعلق جو کہانی بیان کی تھی ...گر وہ سچ تھی تو اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ کبھی کسی ہندو حرام کاری کا ...ریعہ بنی ہو؟

مدن لال کا سوامی مہاراج سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

اس نے سوچا۔۔۔

اگر مدن لال کا سوامی سے کوئی تعلق تھا اور سوامی مہاراج نے اس کی موت کو اپنا انا کا مسئلہ بنا لیا ہے اور اس کے دباؤ دینے پر رگھوناتھ سہائے ڈپٹی ڈائریکٹر "را" اپنے بہترین ایجنٹ مرزا کے ذریعے ان تینوں کو سزا دینے پر تلا ہے تو ضرور یہ سوامی مہاراج بھی کوئی غلط آدمی ہے۔

میجر کیانی کو مدن لال کے کالے کرتوت کا علم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اکثر سوامی بھی اپنے آشرم کی آڑ میں غیر قانونی کاروائیاں کرتے تھے۔

لیکن۔۔۔

مدن لال جیسے شخص کے ساتھ وہی سوامی ہاتھ ملائے گا جس کا کوئی نہ کوئی تعلق انٹیلی جنس کے دھندے سے رہا ہو؟

کہیں یہ سوامی مہاراج بھی بھارتی انٹیلی جنس "را" کا سیف ہاؤس تو نہیں ہے؟

وہ اچانک چونک اٹھا۔۔۔!

کون ہے یہ پراسرار سوامی؟

اسے اس سوال کا جواب تلاش کرنا تھا۔ اگر یہ "را" کا کوئی کور (Cover) تھا تو اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس وقت رات ایک پہر گزر چکی تھی اور شام ڈھلنے کے بعد سے میجر کیانی اپنے سامنے مختلف فائلوں کا ڈھیر سجائے کمرے کو اندر سے لاک کر کے اس معاملے کو سلجھا رہے تھے۔

یہ ان کی عادت تھی جب تک وہ کسی مسئلے کو سلجھا نہیں لیتے تھے اپنے تمام معمولات کو موقوف رکھتے تھے۔۔۔ انہیں سکون نہیں ملتا تھا اور ایک بے کلی سی لگی رہتی تھی۔۔۔ آج بھی جب یہ بات سلجھی تو میجر کیانی کو یوں لگا جیسے ان کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا ہو۔۔۔

"میں تمہیں دیکھوں گا سوامی مہاراج۔"

انہوں نے دل ہی دل میں کہا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔

رات بڑی تیزی سے اپنا سفر مکمل کر رہی تھی۔۔۔

روشنی کی ایک سرمئی لکیر چھاؤنی کی دیوار کے ساتھ لگے درختوں کے عقب سے نمودار ہو رہی تھی جب میجر کیانی اپنی جیب میں مطمئن ہو کر اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔

دہشت گرد

عالم شیر کے لیے زندگی کا اب کوئی مقصد باقی نہیں رہ گیا تھا---

گیتا نجلی سے ملاقات کے بعد اسے زندگی کا مفہوم مل گیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں کئی محل بنائے اور سجائے تھے۔ اسے اس بات کا علم تھا کہ ایک مرتبہ بھارتی حکومت کے چنگل سے بچ نکلنے کے بعد اس کے افسران اسے دوبارہ بھارت نہیں بھیجیں گے کیونکہ دوبارہ اس کا بھارت جانا خود کشی کے مترادف ہوتا۔

اب اس نے ذہنی طور پر اس پیشے سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ باقی زندگی اطمینان سے عذرا کے ساتھ کسی گاؤں میں گزار دے۔ اس کی آبائی زمین اور ایک مکان ابھی تک مقافاتی علاقے میں موجود تھے جہاں وہ بڑے آرام سے چھوٹا موٹا کاروبار کر کے زندگی کے باقی دن ہنسی خوشی گزار سکتا تھا۔

کتنے خواب سجائے تھے اس نے اور کس طرح یہ خواب اچانک ہی چکنا چور ہو گئے۔ جس صورتحال سے وہ دوچار ہوا تھا اس کا تصور تو وہ بھارت کی سرحد میں بھی نہیں کر سکتا تھا یہ تو اس کا اپنا ملک تھا---

انسپکٹر برکت نے جیسے اس کا نشیمن ہی جلا کر خاک کر دیا تھا۔

اس بات کا تو اسے یقین تھا کہ میجر صاحب نے گیتا نجلی کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دیا ہو گا۔ انہوں نے انسپکٹر برکت کی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا ہو گا۔

عین ممکن ہے وہی سچ ہو جو انسپکٹر برکت نے بیان کیا تھا۔

اس کا کہنا تھا گیتا نجلی بھی اس کی جیپ سے اتر کر فرار ہو گئی تھی---

اگر یہ بات ٹھیک تھی اور واقعی اپنی عزت بچانے کے لیے گیتا نجلی نے اتنی بہادری کی تھی کہ جیپ سے اتر کر بھاگ گئی تو وہ کہاں گئی ہو گی؟

اسے پاکستان کے متعلق تو کچھ علم نہیں تھا۔ اس بے چاری کو تو اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ وہ اس وقت کہاں تھی؟ یہاں کے دیہات، سڑکیں، اسٹیشن، شہر، اسے کسی بات کا پتہ نہیں تھا۔ پھر وہ کہاں گئی ہو گی؟

کہیں گیتا نجلی واپس سرحد کی طرف تو نہیں چلی گئی؟

عالم شیر نے سوچا اور لرز کر رہ گیا۔

اگر یہ سچ تھا تو--- یہ بہت بھیانک سچ ہوتا۔

عالم شیر کو یاد آیا کہ بشیر نے ان دونوں کے سامنے اس علاقے کا ذکر کیا تھا جہاں سے انہوں نے سرحد عبور کی تھی۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ گیتا نجلی نے وہی نام یاد رکھا ہو اور دوبارہ اسی پوسٹ سے سرحد عبور کر لی ہو۔ یہ بات تو عالم شیر کو بھی معلوم تھی کہ ایک مرتبہ بھارتی سرحد میں قدم رکھنے کے بعد کوئی گیتا نجلی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

اس کے پاس سوامی مہاراج کا اتنا مضبوط حوالہ موجود تھا کہ کسی کو اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

اس بات میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ گیتا نجلی کو حالات نے بری طرح بزدل کر دیا تھا۔ اس نے پاکستان سے متعلق جو خواب سجائے تھے وہ تو چکنا چور ہو گئے تھے۔ عالم شیر ہی اس کی واحد امید تھا اور وہ بھی اسے نہ مل سکا تو عین ممکن ہے اس کے پاس اپنی پرانی زندگی کی طرف واپس لوٹ جانے کے علاوہ کوئی چارہ ہی باقی نہ رہا ہو۔

سوامی مہاراج کو مطمئن کرنے کے لیے اس کا صرف یہ کہہ دینا کافی تھا کہ وہ دونوں اسے بندوق کی نوک پر اغوا کر کے لے گئے تھے اور موقعہ ملتے ہی وہ واپس بھاگ آئی ہے۔ اس طرح وہ سوامی کے دل میں اپنے لیے پہلے سے موجود جگہ میں کئی گناہ مزید اضافہ کر سکتی تھی---!! اس کے لیے دوبارہ آشرم میں پہلے سے زیادہ عزت اور مان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے مواقع موجود تھے۔

اگر اس کی سوچ صحیح تھی تو یہ اس کی مردانگی کے لیے سب سے بڑا چیلنج تھا۔

وہ اپنی موجودہ حیثیت کو بھلا بھی دے تو بھی وہ ایک مسلمان تو تھا۔ گیتا نجلی اس کے حسن و جوانی پر عاشق نہیں ہوئی تھی اسے اگر عالم شیر سے کوئی دلچسپی تھی تو محض یہ کہ وہ مسلمان پاکستانی تھا۔ ورنہ تو سوامی مہاراج کے آشرم میں اس سے ہزار گنا خوبصورت، جوان اور دولت مند لوگ آیا کرتے تھے۔ اور کسی کے لیے محض یہ اشارہ ہی کافی تھا کہ گیتا نجلی اس کی طرف متوجہ ہے وہ ایسی ہی تھی جس کے لیے کوئی بھی نوجوان اپنے دل و جان کا نذرانہ پیش کرنا باعث فخر جانتا۔۔۔۔

"بہت برا ہو۔۔۔۔ بہت برا ہوا۔۔۔۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا اور مایوس ہو کر گردن جھکائی۔

"میں جانتا ہوں عالم تمہارے دل و دماغ میں جو جنگ جاری ہے"

بشیر نے جو اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا اسے گہری سوچ میں مبتلا دیکھ کر کہا۔ عالم شیر نے گزشتہ پانچ چھ روز سے زندگی کے معاملات سے قطعی لا تعلقی اختیار کر لی تھی اس کی یہ حالت کم از کم بشیر کے لیے قابل برداشت نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا دوست کتنے مضبوط اعصاب کا مالک ہے لیکن جو حادثہ جانکاہ اس پر گزرا تھا وہ اس کے اپنے اعصاب پر بجلی گرا دینے کے لیے کافی تھا۔

وہ عالم شیر کے لیے اپنے دل میں ہمدردی اور محبت کے جذبات محسوس کر رہا تھا۔

لیکن۔۔۔۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟

میجر صاحب نے ان دونوں کو گھر جانے کی اجازت دے دی تھی اور کچھ زاد راہ بھی کر دیا تھا ساتھ ہی کہہ دیا تھا کہ اگر کبھی ان کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ بلا جھجک ان سے آ کر مل لیں۔۔۔۔

میجر صاحب ان کے لیے یہی کچھ کر سکتے تھے کیونکہ وہ قانونی طور پر بھی میجر صاحب کی ذمہ داری میں نہیں تھے۔ یہ تو ان کی خصوصی محبت اور وطن دوستی کے جذبات تھے جن کے تابع انہوں نے دونوں سے کہہ دیا تھا ورنہ انہیں بھی اس بات کا علم تھا کہ زندگی کی جو شطرنج انہوں نے بچھائی تھی اس کا کھلاڑی جیت کر بھی ہار جاتا ہے۔

عالم شیر کا اس دنیا میں سوائے ایک ماں اور دو بھائیوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ اس کی

شادی کے دس سال بعد ہی بیوہ ہو گئی تھی لیکن اپنی بیوگی کو اس نے کبھی مجبوری یا ری نہیں بنایا تھا۔ معاشرے کے جس طبقے سے اس کا تعلق تھا وہاں تو کنواریوں کی ہی والدین کے لیے مصیبت بن جاتی ہیں بیواؤں کا تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔۔۔۔

اپنے خاوند کی چند ایکڑ اراضی کے سہارے اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اپنی استعداد کے بق پڑھا لکھا بھی دیا تھا۔ عالم شیر کو تو فوج میں جانے کا شوق انٹیلی جنس میں لے گیا تھا اس کے دونوں بھائی سرکاری محکموں میں دوسرے درجے کے آفسر تھے۔

ان دونوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔

لیکن۔۔۔۔

جب بھی عالم شیر کی ماں نے اسے شادی کے لیے کہا اس نے انکار کر دیا اور اسے ظار کرنے کا کہہ دیتا۔

ماں بے چاری کب تک انتظار کرتی۔۔۔۔

دو بیٹوں کے سر پر سہرے سجے۔۔۔۔

ان کے ہاں بچوں نے جنم لیا۔

عالم شیر کی ماں نے زندگی کو خیرباد کہہ دیا۔ وہ اپنی دانست میں اس سے زیادہ شاید اور جی کر بھی نہیں سکتی تھی اگر اب تک زندہ تھی تو اس کا سبب عالم شیر ہی تھا جب وہ ارت میں قید ہوا کچھ عرصہ بعد ماں نے زندگی کی قید سے رہائی حاصل کر لی۔۔۔۔

اپنی ماں کی موت کی خبر عالم شیر کو جیل ہی میں مل گئی تھی۔

لیکن۔۔۔۔

اس نے دل پر پتھر رکھ لیا۔

اب جو گیتا نجلی اسے ملی تھی تو اس کے لیے زندگی کے مفہوم اجاگر ہونے لگے تھے کن اب گیتا نجلی بھی نہیں رہی تھی۔

"بشیرے میں گیتا نجلی کو تلاش کروں گا۔۔۔۔"

اس نے اچانک ہی یہ کہہ کر بشیر کو چونکا دیا۔

"میں سمجھا نہیں۔۔۔۔ تمہارا کیا مطلب ہے کیوں نہیں تلاش کریں گے لیکن ابھی

تمہیں آرام کی ضرورت ہے---- مل جائے گی وہ بھی اس نے کہاں جانا ہے"
اس نے اپنے دوست کو مطمئن کرنا چاہا حالانکہ اس کی بات کا مطلب بشیر اچھی ا
سمجھ گیا تھا۔ کہ عالم شیر کیا کہہ رہا ہے۔

"بشیرے! گیتا نجلی واپس چلی گئی ہے---- شاید مجھے دوبارہ بھارت جانا پڑے
تمہاری دوستی کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں لیکن یہ ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تم بھی مر
ساتھ اس جہنم میں دوبارہ چھلانگ لگاؤ"

عالم شیر نے ٹھہرے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

"عالمے! جب بھی ایسا موقعہ آیا تو مجھے پیچھے نہیں پاؤ گے---- فی الوقت تم اس بر
پر ذہن کو نہ الجھاؤ اور خود کو پریشان نہ کرو---- میرے خیال سے ہمیں گیتا نجلی کی تلا
کا آغاز یہاں سے کرنا چاہیے---- ابھی ہم نے کیا ہی کیا ہے کہ مایوس ہو کر بیٹھ رہ
پہلے ہم خود کوشش کرتے ہیں میرا دل کہتا ہے وہ تمہیں ضرور ملے گی"----

بشیر نے اسے تسلی دینا چاہی۔

"بشیرے یار وہ عام لڑکی نہیں تھی---- اس میں ضرور کوئی خاص بات تھی جو
جیسے پاپی کا دل بھی اس کی طرف کھنچا چلا گیا---- میں نے تو زندگی میں کبھی اس مسئلے
اہمیت ہی نہیں دی بشیرے یار ساری زندگی یہ پچھتاوا میری جان کو لگا رہے گا کہ ایک مسلما
ہو کر میں اس کی مدد نہ کر سکا---- بڑا ظالمانہ سلوک ہوا ہے اس کے ساتھ۔ اس نے ن
سرحد عبور کر لی ہو گی----" اسے پاکستانی راستوں کا علم بھی نہیں---- اس کے پاس
ہی کیا ایک گرم چادر اور تن کے کپڑے"----

عالم شیر خاصا اداس دکھائی دے رہا تھا۔

"عالمے! یہ دنیا نیکی سے کبھی خالی نہیں رہی۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ برکت
ہمارے ساتھ بہت برا سلوک کیا---- لیکن میرا دل کہتا ہے کہ گیتا نجلی محفوظ ہاتھوں م
ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ قدرت نے اسے برکت جیسے درندے کے چنگل سے بچانے ک
لیے بھاگنے میں مدد دی ہو---- یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسے تمہارے جیسا کوئی ہمدرد مل گ
ہو اور اس نے گیتا نجلی کو پناہ دے دی ہو----"

عالم شیر نے کہا۔

حالانکہ تم خود کہہ چکے ہو کہ اسے کسی جگہ' مقام کا نام یاد نہیں تو رابطہ کیا وہ دیواروں
کراتی پھر یہ بھی تو ممکن ہے کہ مقامی دیہاتوں میں سے اسے کوئی ہمدرد میسر آ گیا ہو اور
نے خاموشی ہی بہتر جانی ہو---- ابھی گیتا نجلی کو اس بات کا علم تو نہیں ہوا کہ انسپکٹر
ن گرفتار ہو چکا ہے اور اسے اپنے ایک ایک ظلم کا حساب دینا پڑے گا۔ اس بات کا علم
نا اسے پناہ دینے والے کو بھی نہیں ہو گا---- دیہاتوں میں یوں بھی کوئی بات ڈھکی چھپی
یں رہتی---- اسے پناہ دینے والے کو یہ خوف بھی لگا ہو گا کہ اگر اس کے گاؤں کے کسی
جرائم پیشہ شخص کی نظر گیتا نجلی پر پڑ گئی یا کسی بھی طرح انسپکٹر برکت کو اس کی اطلاع ہو
ئی تو گیتا نجلی کے ساتھ ساتھ وہ بھی مصیبت میں پڑ جائے گا"----

بشیر نے چاہا کہ اس طرح دلائل دے کر اپنے دوست کو فی الحال تو مطمئن کرے وہ
یں چاہتا تھا کہ عالم شیر جذباتی ہو کر سرحد عبور کر جائے کیونکہ وہاں لوگ جانے کب سے
ن کے منتظر بیٹھے ہوں گے اور اب بھارت میں ان کی گرفتاری کا مطلب سوائے موت کے
ر کچھ نہیں تھا۔

جان بوجھ کر وہ اپنے دوست کو موت کے پیچھے منہ میں کیوں دھکیلتے۔

"بشیرے یار میرا ذہن تو آؤٹ ہو چکا ہے۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ ہمیں کیا
کرنا چاہیے بس تم یہ جان لو کہ جب تک گیتا نجلی کی خیریت کی اطلاع نہیں مل جاتی میں
چین سے نہیں بیٹھ سکوں گا"----

اس نے کہا۔

دونوں کچھ دیر آپس میں باتیں کرتے رہے جس کے بعد بشیر نے اس کے سامنے ایک
لائحہ عمل رکھ دیا۔ اس کے مطابق دونوں نے نزدیک دور کے دیہاتوں میں موجود اپنے پیشے
سے متعلق اپنے دوستوں کے ذریعے گیتا نجلی کی تلاش کا پروگرام بنایا تھا۔

"کچھ دن آرام کر لو پھر ہم اس مشن پر نکلیں گے"----

بشیر نے آخر میں کہا۔

"بھائی بشیر مجھ سے صبر نہیں ہو گا---- تم جانتے ہو مجھ سے صبر نہیں ہو گا"----

عالم شیر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے پرسوں چلیں گے بھیکووال میں بھٹی کے ڈیرے پر جائیں گے وہ اس

علاقے کا سب سے بڑا اسمگلر ہے اور ہمارا اچھے برے وقت کا ساتھی---- مجھے امید ہے ہماری ہر ممکن مدد کرے گا۔"

بشیر نے بالآخر ہتھیار ڈال دیے۔

عالم شیر کے لیے اس کے گھر میں ایک دن مزید ٹھہرنا بھی عذاب بنتا جا رہا تھا۔ وہ اُ ہی لمحے کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔

اسے گیتا نجلی کو بہر صورت حاصل کرنا تھا خواہ اس میں جان کا زیاں بھی ہو جاتا۔

تیسرے روز جب وہ صبح جانے کی تیاری کر رہے تھے تو بشیر کے گھر کے دروازے جیپ آ کر رکی جس سے میجر درانی برآمد ہوئے انہوں نے سول کپڑے پہن رکھے تھے ا کے ساتھ اگلی سیٹ پر ایک اور نوجوان لمبا تڑنگا آرمی آفیسر بیٹھا تھا۔ عالم شیر نے بڑے غو سے اس کی طرف دیکھا۔

"چہرہ جانا پہچانا دکھائی دے رہا تھا"

اس نے بشیر کے کان میں سرگوشی کی اور دوسرے ہی لمحے اسے میجر کیانی یاد آ گیا میجر درانی ان کی طرف آ رہے دونوں سے باری باری انہوں نے گرم جوشی سے معانقہ کیا او میجر کیانی سے ان کا تعارف کروایا۔

"ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہیں سر!"----

عالم شیر نے جواب دیا۔

"بھئی کیانی کی بہت خواہش تھی تمہارے ساتھ ملاقات کرنے کی۔ دراصل سرحد پار سے تمہارے لیے کچھ پیغام تھا یہ چونکہ ان لوگوں کا میدان ہے اس لیے میں نے کہا بھائی تم خود ہی مل لو۔ میں سفارش کر دوں گا"----

میجر درانی نے فوجیوں کے انداز سے بات کرتے ہوئے کہا۔

"سر! ہم اس سے پہلے اکٹھے کام کر چکے ہیں"----

عالم شیر نے دوبارہ کہا۔

"ٹھیک ہے یار پھر تو خوب نبھے گی تمہاری----"

میجر کیانی کا قہقہہ بلند ہوا۔

بشیر نے انہیں بیٹھک میں بٹھا کر چائے منگوائی تھی اور میجر درانی اسے بتا رہا تھا کہ ان ہوں نے گیتا نجلی کی تلاش ختم نہیں کی۔

"اب تو ہمارے ہاتھ اس کی تصویریں بھی لگ گئی ہیں اور آسانی پیدا ہو گئی ہے"---- یہ کہتے ہوئے اچانک میجر کیانی نے ناصر کے ہاتھ آنے والی ان کی تصویریں نکال کر ان کے سامنے رکھ دیں۔

"یہ کہاں سے آ گئیں جناب؟

بشیر نے حیرانگی سے پوچھا۔

"یار یہی تو بتانے آئے ہیں---- معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تمہارے ساتھ رشتہ داری گانٹھنے پر تل گئے ہیں"----

میجر کیانی نے قہقہہ لگایا۔

"عالم شیر یہ تصویریں" "را" نے اپنے پاکستان ایجنٹوں کو روانہ کی ہیں اس ہدایت کے ساتھ کہ جس طرح ممکن ہو تم تینوں کو زندہ یا مردہ بھارت واپس پہنچایا جائے---- اس سلسلے میں ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔"

میجر کیانی نے کہا۔

"تاکہ تمہیں زندہ واپس پہنچا دیں۔"

میجر درانی کو تو قہقہہ لگانے کے لیے فقرہ چاہیے تھا۔

"ٹھیک ہے سر! یوں بھی اب زندگی بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔"

عالم شیر کا اس لہجے میں بات کرنا میجر کیانی کے لیے اچنبھے کی بات تھی۔ وہ گزشتہ تین چار سال سے اس کے ساتھ کام کر رہے تھے اور جانتے تھے کہ موت کے منہ میں بھی عالم شیر قہقہے لگایا کرتا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے تم نے گیتا نجلی کی گمشدگی کو کچھ زیادہ محسوس کیا ہے"----

میجر کیانی نے تشویش ظاہر کی۔

"پاگل ہے جناب اس کا ذرا دماغ گھوم گیا ہے---- میں کہہ رہا ہوں مل جائے گی اور اسے یقین ہی نہیں آتا---- بے صبرا کہیں کا----"

بشیر نے بڑے دکھی لہجے میں کہا۔

"عالم شیر میری یہاں آمد کا ایک خاص مقصد ہے۔ تم جانتے ہو ہمارے پیشے کا اصول یہی ہے کہ دوست ہو یا دشمن اسے کم سے کم معلومات فراہم کی جائیں۔ ہم دوستو کو بھی اندھیرے میں رکھتے ہیں تاکہ اگر کبھی وہ دشمن کی گرفت میں آ بھی جائیں تو دشمن بتانے کے لیے ان کے پاس اپنے ملک سے متعلق کم از کم صحیح معلومات نہ ہوں---- لیکن جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم جانتے ہو میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھوں گا"---- میں تم سے ہر بات صاف صاف کہہ دوں گا---- میجر کیانی نے چائے کا گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے کہا۔

"حیرت اور کسی حد تک پریشانی کی بات یہ ہے کہ تمہارے متعلق اس نوعیت کے احکامات "را" نے اس سے پہلے کبھی جاری نہیں کیے---- ہمارے بہت سے ساتھی بھارت جیلوں سے فرار ہو کر پاکستان پہنچے ہیں لیکن ان کی تلاش میں "را" نے کبھی کوئی ٹیم روانہ نہیں کی---- جبکہ تمہارے معاملے میں ایک نئی روایت قائم کی جا رہی ہے---- اس سے زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ "را" کا ڈپٹی ڈائریکٹر رگھوناتھ سہائے عرف گیتا براہ راست بھی کیس میں دلچسپی لے رہا ہے اور یہ احکامات اس کے حکم پر ہی جاری کیے گئے ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں بہت مغز ماری کی کہ آخر گیتا اس معاملے میں اتنی زیادہ دلچسپی کیوں لے رہا ہے۔ کڑی ملا کر بالاخر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ سوامی مہاراج کوئی غیر معمولی شے ہے---- اتنی اہم شخصیت جس کی معمولی ناراضگی بھی "را" برداشت نہیں کر سکتی---- سوامی مہاراج کے غیر ممالک میں بھی آشرم موجود ہیں---- ہمارے پاس یہ رپورٹس موجود ہیں کہ پاکستان کے خلاف "را" نے غیر ممالک خصوصاً یورپ، امریکہ اور کینیڈا میں جو جال بچھا رکھا ہے اور پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کے جو جال بنے جا رہے ہیں ان تمام کھیلوں میں یہ سوامی اور ان کے آشرم اہم کردار ادا کر رہے ہیں---- خصوصاً پاکستان کی اعلیٰ شخصیات جو وطن دشمن ہیں ان کے ساتھ رابطوں اور میٹنگز کے لیے انہی آشرموں کا سہارا لیا جاتا ہے---- یہ بات تو طے شدہ ہے کہ یہ سوامی مہاراج "را" کا بہت بڑا آدمی ہے اس کی آڑ میں ہی بین الاقوامی شطرنج کے مہرے بچھائے اور پھر کھیلے جاتے ہیں---- میرے خیال سے فی الوقت تم دونوں کا منظر سے غائب ہو جانا بہت ضروری ہے ایک تو چاہتے ہیں کہ "را" کو یہاں تمہاری تلاش میں الجھائے رکھیں تاکہ ان کے زیادہ سے زیادہ ایجنٹس

ہماری نظروں میں آ سکیں---- دوسری طرف تمہاری عظیم خدمات کے پیش نظر بھی خواہش ہے کہ ہم تمہیں امریکہ کے ایک شہر میں حال ہی میں قائم ہونے والے مہاراج کے ایک آشرم تک پہنچا دیں---- آج کل اس شیطان کی آمدورفت کی ات وہاں سے ملتی رہتی ہیں---- تمہیں سوامی کے نزدیک رہنے کا موقعہ ملا ہے یقیناً شناسا چہرے تمہاری نظر میں ہوں گے۔ ممکن ہے تم ان میں سے کسی کو پہچان لو اور ان غداروں کی ریشہ دوانیوں سے بھی باخبر ہو سکو جو اپنے مادر وطن کا سودا دشمن سے نے ہیں---- ہمیں یہ تفصیلات درکار ہیں---- جہاں تک گیتا نجلی کا تعلق ہے ایک میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے سرحد پار نہیں کی---- یا تو وہ خوفزدہ ہو کر یں روپوش ہو گئی ہے یا پھر ہمدرد ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے---- جہاں تک پہلی بات کا تی ہے تو ہم ہی نہیں "را" بھی اس کی تلاش میں ہے اور کوئی نہ کوئی اس تک پہنچ جائے ---- اگر دوسری بات سچ ہے تو اس سے ہمدردی رکھنے والا کوئی شخص اس کی ساری کہانی نے کے بعد اس کی گرفتاری کا خطرہ مول نہیں لے گا---- ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ اپنے اور پر وہ تمہاری تلاش شروع کر چکا ہو---- گیتا نجلی ہرگز ہرگز نہیں چاہے گی کہ میڈیا کے ریعے تم تک پہنچے یا تمہیں اپنے ٹھکانے سے آگاہ کرے کیونکہ وہ ہم سب سے زیادہ سوامی کے متعلق جانتی ہے اور اسے یہ دھڑکا ہمیشہ لگا رہے گا کہ اشتہار اگر سوامی کے کسی آدمی کی ظر سے گزرا تو وہ اسے کبھی نہیں چھوڑیں گے---- دوسری طرف اسے یہ بھی خوف لگا ہو اکہ انسپکٹر برکت ہی کہیں تم سے پہلے اس تک نہ پہنچ جائے کیونکہ اس بات کا علم تو اسے یں کہ انسپکٹر برکت اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے----

میجر کیانی کی بات کا خاتمہ ایک طویل خاموشی کا نقطہ آغاز تھا----!

اس کی بات سن کر وہاں موجود ہر شخص گہری سوچ میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا۔

میجر کیانی کی بات ان سب کے دل کو لگ رہی تھی----

اس نے جو کچھ کہا تھا وہ برحق تھا۔

اس کی گفتگو کی سچائی سے انکار ممکن نہیں تھا۔

انٹیلی جنس کے طریق کار کے برعکس اس نے واقعی کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر ساری بات سے کر دی تھی----

اس نے دونوں پر اندھے اعتماد کا مظاہرہ کیا تھا----

انٹیلی جنس کی زبان میں (Blind Game) کھیلی تھی۔

لیکن----

اس بھرپور اعتماد کے ساتھ کہ اس کا چلایا ہوا تیر نشانے پر لگے گا----

اس کے مخاطب بظاہر تو عام سے پاکستانی تھے۔

لیکن----

اصل میں وہ کیا تھے؟

کیا کر سکتے تھے؟

کیا کچھ کر گزرنے کی کی طاقت رکھتے تھے؟

اسے ان سب باتوں کا بخوبی علم تھا۔ وہ بھی جانتا تھا کہ ان کا ماضی کیا ہے۔ اس نے گزشتہ دو دن اور دو راتیں ان کے ماضی سے متعلق جذئیات حاصل کرنے میں گزارے تھے۔ ان سب لوگ سے فردا" فردا" ملاقات کی تھی جن کے ساتھ کبھی ان دونوں نے کام کیا تھا----

میجر کیانی کو اس بات کا بخوبی علم اور احساس تھا کہ ان لوگوں نے جرنیلوں سے کارنامے انجام نہیں دئے تھے۔ ماضی میں پاکستانی انٹیلی جنس کے احکامات کی تعمیل میں انہوں نے بھارتی افواج سے متعلق بہت اہم اور حساس نوعیت کی فائلیں جان پر کھیل کر فراہم کی تھیں---- وہ ان کے ٹیلنٹ کو ضائع کرنے کے بجائے اس کا مثبت استعمال چاہتا تھا----

میجر کیانی ایک محب وطن آفیسر تھا اپنے ملک و قوم کی بھلائی اس کا مطمع نظر تھا اور اس لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا----

وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے دوسرے افسروں کی طرح خود امریکہ جا کر عیاشی کرتا او فائلوں کا پیٹ بھر واپس آ جاتا۔

لیکن----

اس نے ایسا نہیں کیا۔

اس نے صحیح لوگوں کا صحیح کام کے لیے انتخاب کیا تھا۔

میجر درانی سے طویل گفتگو کے بعد اس کا یقین اس بات پر مزید مستحکم ہو گیا تھا کہ

انہوں کوئی غیر معمولی کام کر گزرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور پاکستانی غداروں کے غیر ملکی رابطوں کو ننگا کر کے دکھائیں گے----

اس طویل خاموشی کو بالآخر میجر درانی نے توڑا----

"عالم شیر تم دونوں میرے ساتھی ہو۔ ہم نے بہت عرصے اکٹھے کام کیا ہے---- میں ایمانداری سے سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات میں تمہارے لیے اس سے شاندار پیشکش اور کوئی نہیں ہو گی---- اس میں ملک و قوم کا بھی فائدہ ہے---- امریکہ قانونی حیثیت سے جاؤ گے---- ایک دوست کی حیثیت سے میں تمہارے لیے بہترین فیصلہ یہی کر سکتا تھا---- جہاں تک گیتا نجلی کا تعلق ہے اس کی تلاش میں حکمت اور ہوشیاری زیادہ ضروری ہے اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ "را" اس کے تعاقب میں ہے اور ہم میں سے کسی کی معمولی سی لغزش اسے کتنا نقصان پہنچا سکے گی اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکو گے---- "را" کو اطلاع پہنچ جائے گی کہ تمہارے گھروں تک رسائی ہونے کے بعد یہ علم ہوا ہے کہ تم دونوں پراسرار طور پر روپوش ہو چکے ہو یا تمہیں پاکستانی انٹیلی جنس نے غائب کر دیا ہے---- اور گیتا نجلی بھی تمہارے ساتھ ہی غائب ہے---- بصورت دیگر اگر تم دونوں نے مل کر اسے ڈھونڈنا شروع کر دیا تو تمہارے ساتھ "را" کے مقامی ایجنٹ سائے کی طرح چپک جائیں گے اور تمہارے تعاقب میں چلنا ان کا کام مزید آسان کر دے گا---- ایسی حالت میں گیتا نجلی کے لیے خطرات بڑھ جائیں گے---- ہم اسے تمہاری امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کریں گے اور میرا وعدہ رہا کہ تم سے کوئی بات نہیں چھپائی جائے گی---- تم اپنا کام مکمل کر کے واپس آ جاؤ یا وہیں رہنا چاہو ہم گیتا نجلی کو تمہارے پاس ضرور پہنچا دیں گے---- میرے خیال سے تمہیں حالات نے اتنا تجربہ کار تو ضرور کر دیا ہو گا کہ تم سچ اور جھوٹ کا فرق جان سکو----

انہوں نے اپنی بات مکمل کر کے عالم شیر کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں----

بشیر کے لیے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔

لیکن----

وہ دیکھ رہا تھا کہ عالم شیر کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمایاں ہیں۔ جب کہ اس کے ایک جانثار دوست کی حیثیت سے بشیر جانتا تھا کہ ان دونوں کی بقا ہی اس میں ہے اور یہ

راستہ انہیں کسی محفوظ منزل کی طرف لے جائے گا۔

اس سے پہلے کہ عالم شیر اپنے منہ سے کوئی ایسی بات نکالے جو ان کے لیے پیشکش لانے والے ان فرشتہ نما انسانوں کو کچھ اور سوچنے پر مجبور کرے اس نے خود ہی جواب دینا احسن خیال کیا۔

"سر! اگر آپ پسند فرمائیں تو ہمیں صرف ایک رات اس پیشکش پر غور کرنے کا موقع ضرور عنایت کر دیں---- میرے خیال سے فوری طور پر کسی بھی اچھے یا برے کام کا فیصلہ جذباتی فیصلہ کہلاتا ہے----"

بشیر نے ایسی بات کہہ دی تھی جس کا ان دونوں کے پاس سوائے ہاں کے اور کوئی جواب نہیں تھا۔

واقعی اگر وہ دونوں فوراً ہاں کر دیتے تو بھی اس بات کا شک رہتا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کسی دباؤ کے تحت تو نہیں کیا----

میجر درانی جانتا تھا بشیر اتنا زیادہ تعلیم یافتہ تو نہیں ہے لیکن بلا کا ذہین تھا اور آج تک اس نے اپنے کسی فیصلے پر ناکامی کا منہ بھی نہیں دیکھا تھا۔

"ہاں یہی مناسب ہو گا---- کیوں درانی"----

میجر کیانی نے سرہلاتے ہوئے اپنے ساتھی کی رائے طلب کی۔

"آف کورس---- میرے خیال سے ہمارے دوستوں کو سوچنے کا موقعہ ملنا چاہئے۔

درانی نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

دونوں اگلے روز دوبارہ ملاقات کا وعدہ کر کے واپس لوٹ گئے۔

عالم شیر واقعی خود کو اس پوزیشن میں نہیں سمجھتا تھا کہ فوراً اس بات کا ہاں یا ناں میں جواب دے سکے اس کے لیے خاموشی ہی بہترین جواب تھی۔

میجر کیانی نے اسے جو کچھ بتایا تھا اس کے بعد سے اس کا سوچنے کا انداز ہی بدل گیا تھا وہ جان گیا تھا کہ یہ دونوں میجر عام قسم کے انٹیلی جنس آفیسر نہیں جن کا کام اپنے ایجنٹوں کو استعمال کر کے اپنا راستہ سیدھا کرنا ہوتا ہے بلکہ دونوں ان کے ساتھ بڑی ہمدردی اور اپنائیت کا اظہار کر رہے تھے۔

عالم شیر کو بطور خاص میجر درانی کے متعلق ایمان کی حد تک اس بات کا یقین تھا کہ وہ انہیں کبھی دھوکہ نہیں دے سکتا نہ ہی کبھی زندگی میں ان کی بھلائی سے کبھی صرف نظر کرے گا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کے دوستوں کو دوبارہ بھارت نہ جانا پڑے اور ان کی انہی کی عظیم خدمات کا بھی مناسب اور باعزت معاوضہ انہیں موصول ہو جس کی یہ بہترین صورت تھی۔

عالم شیر کو میجر کیانی سے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں اس کے بعد اس بات کا تو اسے علم ہو گیا تھا کہ انہوں نے جذباتی پن کا مظاہرہ کیا اور خود ہی گیتا نجلی کو تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے تو یہ گیتا نجلی کی زندگی داؤ پر لگانے والی بات ہو گی----

جہاں تک اس کے سرحد عبور کر جانے کی بات تھی تو اسے اب احساس ہونے لگا تھا کہ اس کا اندازہ غلط تھا واقعی وہ یہیں موجود ہے بصورت دیگر "را" اپنے مطلوب ملزموں میں اس کے نام کا اضافہ کبھی نہ کرتی----

دونوں دوست صبح صبح تیار تو اس لیے ہوئے تھے کہ آج بھیکووال میں بھٹی کے پاس جائیں گے لیکن اب انہوں نے اپنا ارادہ بدل لیا تھا----

دونوں دوبارہ بیٹھک میں آ کر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کچھ سوچنے لگے تھے۔

"کیا خیال ہے تمہارا؟"

بالآخر عالم شیر ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد بشیر سے مخاطب ہوا۔

"عالمے! میں تیرا یار ہوں تیرا فیصلہ غلط ہو یا صحیح---- یار کو ہمیشہ یاری سے غرض ہوتی ہے۔"

اگر تم مجھے کہو گے کہ جہنم میں چھلانگ لگانی ہے تو مجھے پیچھے نہیں پاؤ گے---- تم جانتے ہو میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں---- یہ تو تھی پہلی بات---- اب میں ایمانداری سے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تم سے کسی معاملے میں منافقت نہ کروں۔ جہاں تک میری ذاتی رائے کا تعلق ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ قدرت کو ہماری حالت پر رحم آ گیا ہے اور اس نے ہمیں اپنی بہترین مہربانیوں سے نوازا ہے۔ تم جانتے ہو ہمارے اس کاروبار میں کئی لوگ آئے اور چلے گئے لیکن میجر صاحب جیسا مہربان اور نیک انسان کسی کو میسر نہیں آیا ہو گا---- انہوں نے ہمارے متعلق جو بھی فیصلہ کیا ہے بالکل صحیح ہے---- میرے خیال

سے یوں بھی اگر ملک و قوم کے لیے ہمیں کچھ عرصہ مزید اپنے وطن سے دور رہنا پڑے تو ہمارے لیے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہو گی---- امریکہ بھارت سے زیادہ بری جگہ تو نہیں ہے---- ممکن ہے اس درمیان یہ لوگ آسانی سے گیتا نجلی کو تلاش کریں---- ممکن ہے قدرت نے وہاں ہم سے کوئی کام لینا ہو---- اس میں ہماری بھلائی ہو۔ اس لیے میری طرف سے تو ہاں سمجھو لیکن یہ مشروط ہاں ہے۔ اگر تم نہیں چاہتے تو میں بھی نہیں چاہتا“

بشیر نے سنجیدگی اور ایمانداری سے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

عالم شیر نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا پھر بے اختیار اسے گلے لگا لیا---

”بشیرے! مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے۔ میں خود کو کم از کم اس معاملے میں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا ہوں---- مجھے تمہارا فیصلہ دل و جان سے قبول ہے اور تم انشاء اللہ ہر قدم پر مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے---- بشیرے ہمارا جینا مرنا بھی اپنے ملک کے لیے ہے---- اگر ہم سوامی مہاراج کے بچھائے جال کی کوئی گرہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہو گی“----

”خدا کا شکر ہے عالمے کہ تم نے جذبات کے بجائے عقل سے فیصلہ کیا ہے۔ ان حالات میں اگر خدا کی ذات انسان کی راہنمائی نہ کرے تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے---- میرا دل کہتا ہے گیتا نجلی بھی ضرور مل جائے گی“---- بشیر نے کہا۔

بشیرے! بخدا میں اپنے کسی جسمانی یا جذباتی تقاضے کے پیشِ نظر گیتا نجلی کی تلاش پر مصر نہیں ہوں---- میری حیثیت ہی کیا ہے۔ ایسی عظیم لڑکیوں کو قدرت نے کسی بڑے انعام کے لیے مختص کیا ہوتا ہے---- میری تو صرف ایک خواہش ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو اس کا اعتماد بحال کر سکوں---- اسے بتا سکوں کہ اس ملک میں انسپکٹر برکت جیسے لوگ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں---- کاش اسے یہ علم ہو جائے کہ انسپکٹر برکت اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے کاش وہ محفوظ ہاتھوں میں پرامن زندگی گزار رہی ہو---- کاش---“

اس کے لہجے میں ایک جہاں کی یاسیت سمٹ آئی تھی۔

دونوں دیر گئے تک ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔

ان کے اس فیصلے کا میجر کیانی اور درانی نے خیر مقدم کرتے ہوئے اسے ملک و قوم کے

لیے نیک شگون قرار دیا تھا۔

عذرا کے لیے خان فیملی کے پاس وہ سب کچھ تھا جس کی اسے تلاش تھی---- محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر----

اعتماد----

اور سب سے بڑھ کر یہ احساس کے اسے اپنا لیا گیا ہے----

انور خان اس شہر کا مانا ہوا بیرسٹر تھا کوئی عام نوجوان وکیل نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا ایک ایک منٹ قیمتی تھا۔

لیکن----

عذرا کے لیے اس کے پاس بہت وقت تھا۔ قریباً ہر دوسرے روز وہ اسے اپنے ساتھ کسی نہ کسی بہانے گھر سے باہر لے جایا کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گیتا نجلی کے اندر ایک بے نام سا خوف در آیا ہے۔ مسز خان نے اسے بتایا تھا کہ اکثر وہ رات کو سوتے میں بڑبڑا کر اٹھ جاتی ہے اور خوفزدہ ہو کر بیٹھی رہتی ہے----

وہ خود ماہر نفسیات تھیں اور جانتی تھیں کہ عذرا کا علاج کیا ہے؟ انہوں نے وہی کیا جو سب سے پہلے اس کا کھویا ہوا اعتماد واپس لوٹانے کی ضرورت تھی۔ مسز خان نے ہندی کی کچھ کتابیں قیام پاکستان سے پہلے اپنی نو عمری میں پڑھ رکھی تھیں۔

یہی پڑھائی ان کے کام آئی----

انہوں نے عذرا کو گھر پر اردو اور قرآن پاک پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ عذرا مسز خان کی توقعات سے کئی گنا زیادہ ذہین تھی۔ پندرہ بیس روز بعد وہ خود سے سب کچھ پڑھنے لگی تھی اور اس نے مسز خان کی مدد کے بغیر لکھنا شروع کر دیا تھا۔

مسز خان کی پوزیشن بڑی عجیب و غریب تھی۔

انہوں نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ ان کا بیٹا عذرا میں دلچسپی لے رہا ہے۔ یہ تو اس کی خاندانی شرافت تھی کہ اس نے عذرا کے جذبات کا احساس کرتے ہوئے کبھی اس پر اپنے دلی جذبات منکشف نہیں ہونے دیئے تھے----

وہ جانتا تھا کہ عالم شیر جو کوئی بھی تھا عذرا کے دل سے بہت نزدیک تھا جس نے اپنی

جان پر کھیل کر اسے کفر سے نجات دلائی تھی۔

انور خان کو احساس تھا کہ عذرا اسے اتنی جلدی نہیں بھلا سکے گی۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ عذرا کے لیے عالم شیر کو ڈھونڈ نکالے۔

لیکن----

اپنی تلاش کا سفر وہ کہاں سے شروع کرے؟

یہی تھا وہ سوال جس نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ عذرا اتنی خوفزدہ تھی کہ وہ اخبار یا ریڈیو، ٹی وی کے ذریعے کسی بھی تلاش کے لیے تیار نہیں تھی۔

انور خان یا اس کے خاندان کے لوگ اس کی مرضی کے بغیر اس کی مدد بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ صورتحال کی سنگینی کا ادراک ان سے زیادہ بہر حال عذرا کو تھا----

یوں بھی اس شہر کے حالات بڑے الارمنگ رہتے تھے۔ آئے روز اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوتی رہتی تھیں کہ بھارتی انٹیلی جنس کے تربیت یافتہ تخریب کار شہر میں سرگرم عمل ہیں۔

اگر یہ خبریں شائع نہ بھی ہوتیں تو بھی کوئی عقل کا اندھا بھی دیکھ سکتا تھا کہ بھارتی مداخلت کے شاہکار ہر جگہ بکھرے پڑے ہیں۔

فی الوقت انور خان کے لیے عذرا کے اس خوف کو ہضم کرنا مشکل تھا کہ سوامی مہاراج انتقاماً اس ملک میں بھی اس کے خلاف کچھ کر سکے گا۔

لیکن----

اس انسپکٹر سے متعلق وہ کچھ بھی گمان کر سکتے تھے۔ جو شخص عالم شیر اور اس کے ساتھی کو جن کی اصلیت کا اسے علم بھی تھا۔ ان کی طرف سے شناخت کروائے جانے کے باوجود ان کے خلاف ایسے گھٹیا جرم کا ارتکاب کر سکتا تھا اس سے کسی خیر کی توقع عبث تھی۔

عین ممکن تھا کہ اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لیے ہی وہ کچھ کر گزرتا۔ اس بات کا تو انہیں بھی علم نہیں تھا کہ وہ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔

لیکن----

یہ کوئی ایسا جواز نہیں تھا جسے بنیاد بنا کر وہ خاموش بیٹھے رہتے----

انور خان آج بھی معمول کے مطابق عذرا کے ساتھ شاپنگ کرنے جا رہا تھا۔ عذرا کو

ے ساتھ رہتے ہوئے قریباً تین ماہ گزر چکے تھے۔ اس اثناء میں اس کا اعتماد بھی کافی حد بحال ہو چکا تھا اور اب اس نے ماحول اور ارد گرد کی چیزوں میں دلچسپی لینا بھی شروع کر تھی۔

انور خان آج پہلی مرتبہ اسے کلفٹن ایریا میں سمندر کنارے سیر کے لیے لایا تھا۔

انے کچھ دنوں سے ساڑھیوں کا استعمال بند کر دیا تھا اور اب وہ صرف شلوار قمیض پہنتی ے یہ لباس اس پر خوب جچتا تھا۔

آج اس نے نیلے رنگ کی شلوار قمیض کے ساتھ اسی رنگ کا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔

ر کنارے چلنے والی ہوا اسے اس کے لمبے بال اڑتے اور بے قابو ہو کر اسی کے چہرے گردن سے لپٹ جاتے تھے۔

اپنا دوپٹہ سنبھالنا عذرا کے لیے مسئلہ بنا ہوا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے چہرے پر آئی بالوں کی کو پرے ہٹاتی پھر اسی ہاتھ سے اپنے دامن پر گرا دوپٹہ سنبھالنے لگتی----

نیلے پانیوں پر سورج کی ڈوبتی کرنیں دور تک پھسلتی چلی جا رہی تھیں---- حد نظر سمندر کا کنارہ ناپید تھا۔

انور خان کی طرح بظاہر سطح سمندر پر سکون تھا لیکن جس طرح اس کی تہہ میں ایک ن برپا تھا اسی طرح انور خان کے دل میں بھی ہلچل مچی تھی۔

قدرت نے اسے عجیب امتحان میں ڈال دیا تھا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ وہ محبت کی آفاقی لذت سے آشنا ہوا تھا اور اس کی بدقسمتی تھی کہ ی محبوبہ پر اپنی محبت کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا----

جب بھی اس کا جی چاہتا کہ عذرا کو اس کے تئیں اپنے دلی جذبات سے باخبر کر دے اخلاقی قدغن اس کے آڑے آ جاتی----

اسے بسا اوقات اپنی حالت پر ترس آنے لگتا۔ اس کا جی چاہتا کہ جتنی جلدی ممکن ہو شیر سے عذرا کی ملاقات ہو جائے اور اسے سکون نصیب ہو----

زندگی نے اسے عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں سے کوئی ایک راستہ اختیار کرنا بھی کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔

دونوں سمندر کے کنارے دور تک چلتے چلے گئے----

دونوں نے ریت میں اترنے سے پہلے جوتے گاڑی میں ہی چھوڑ دیئے تھے اور اب عذرا اس کے آگے آگے ریت پر اپنے پاؤں کے نشان چھوڑتی چلی جا رہی تھی انور خان نے اپنی زندگی میں مور کو اس سے زیادہ مستی سے اپنے پاؤں پر جھولتے نہیں دیکھا تھا جس عالم جذب و مستی میں عذرا سمندر کے پانیوں پر چل رہی تھی یوں لگتا تھا جیسے پانی کی بے تاب لہروں کو اس کے قدموں سے ٹکرا کر سکون میسر آ جاتا ہے----

اس نے اپنے پاؤں میں مقامی رواج کے مطابق چاندی کے ہلکے ہلکے پازیب پہن رکھے تھے اور شلوار کے پائنچے اونچے کیے وہ دھیرے دھیرے ریت اور سمندر کی لہروں پر تیرتی چلی جا رہی تھی۔

انور خان مبہوت کھڑا اس کے قدموں میں بچھتی سمندر کی لہروں کو دیکھ رہا تھا----! ریت پر اس کے قدموں کے نشان بنتے اور پھر لہروں کی آمد کے ساتھ مٹتے چلے جاتے اب اس کی شلوار کے پائنچے گیلے ہونے لگے تھے۔

لیکن----

وہ مستی کے عالم میں لہراتی ہوئی چلتی چلی جا رہی تھی۔

اچانک ہی اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا جہاں انور خان مبہوت سا ایک ٹک اسے دیکھے چلا جا رہا تھا----

عذرا شرماتی ہوئی انہی قدموں پر لوٹ آئی اور نہاتی ہوئی اس کے نزدیک آ کر ٹھہر گئی۔

"معافی چاہتی ہوں---- میں شاید دور چلی گئی تھی---"

اسے اور تو کچھ نہیں سوجھا اس نے یہی کہہ دیا۔

"کمال ہی بھئی اس میں معافی کی کیا بات ہوئی----"

انور خان نے کہا۔

"میں نے اس سے پہلے سمندر صرف فلموں میں دیکھا تھا---- دریا تو سب دیکھے تھے بس یونہی کچھ زیادہ ہی شوق چڑھ گیا تھا سمندر دیکھنے کا----"

"بہت اچھا شوق ہے لیکن سمندر کو کنارے سے ہی دیکھنا چاہیے----"

انور خان نے اس کی بات کو مسکراتے ہوئے مکمل کر دیا۔

دونوں اب گاڑی کی طرف واپس آ رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ عذرا کو چٹ پٹی چیزیں لگتی ہیں اب وہ اسے گول گپے کھلانے لے جا رہا تھا----

دونوں اپنی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے جب ایک قیمتی کار ان کے نزدیک آ کر رکی۔ عذرا کار کی طرف غیر ارادی طور پر ہی نظر ڈالی تھی جب اچانک وہ سہم گئی---- اس کا ہاتھ اختیار انور خان کے بازو پر گیا جس نے چونک کر عذرا کی طرف دیکھا جس کی نظریں ری کار پر جمی تھیں اور وہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی----

"کیا بات ہے---- کیا ہوا؟"

انور خان نے بے چینی سے پوچھا۔

"یہ---- یہ تو شرما ہے---- اس کا یہاں کیا کام---- یہ تو بہت خطرناک---- پ چلیں یہاں سے چلیں--- یہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے"----

اس نے یہ کہتے ہوئے سیٹ پر دھری چادر کو اس طرح اپنے سر پر ڈال لیا تھا کہ اس کا ہرہ دکھائی نہ دے سکے۔

انور خان کو کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی----

اس سے سوامی مہاراج کا اچھا خاصا غائبانہ تعارف ہو چکا تھا اور عذرا نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ اسے فرار ہونے کی سزا ضرور دے گا۔

"کیا یہ شخص یہاں عذرا کی تلاش میں آیا ہے؟

ضرور یہ کوئی خطرناک آدمی ہے؟

اسے گرفتار کروانا چاہیے؟"

کئی خیالات اس کے ذہن پر بجلی کے کوندے کی طرح یکے بعد دیگر لپکے----

"چلیے ناں---- یہاں سے چلیے"----

گھبرائی ہوئی عذرا نے کہا۔

"عذرا تم پاکستان میں ہو---- یہ سوامی کا آشرم نہیں۔ گھبرا کیوں رہی ہو---- ہمیں اس شخص کا پتہ لگانا چاہیے---- اسے گرفتار کروانا چاہیے"----

"دیکھیے خدا کے لیے---- آپ گھر چلیں----"

عذرا نے اس کی بات سنے بغیر اس کا بازو تقریبا جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ اس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ چلتے ہیں۔۔۔"

انور خان کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا اچانک ہی اسے کچھ خیال آیا اور اس نے اپنی کار میں رکھے دستی فون سے اپنے ایک دوست کا ٹیلی فون نمبر تیزی سے ملا دیا۔۔۔

"میجر خان صاحب سے بات کروایئے میں انور خان بول رہا ہوں۔"۔۔۔

دوسرے ہی لمحے اس کا دیرینہ دوست میجر خان لائن پر تھا۔۔۔ میجر افراسیاب خان آرمی انٹیلی جنس آفیسر تھا جس کی ٹرانسفر چند روز پہلے ہی کراچی میں ہوئی تھی اور اس نے آج ہی اپنا فون نمبر اپنی اچانک آمد کا سرپرائز دے کر لکھایا تھا۔

"خان۔ بہت ایمرجنسی ہے کار کا نمبر نوٹ کرو۔۔۔"

انور خان نے اپنے دوست کو کلفٹن کی اسی جگہ کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا جہاں وہ کھڑا تھا۔۔۔

"اس کار کے دونوں سوار مشتبہ ہیں میں یہاں کھڑا ہوں۔۔۔ ان کے نزدیک" اس نے اپنی گاڑی کا نمبر لکھوایا۔

"جیسے ہی تمہارے لوگ یہاں پہنچیں گے میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔۔۔ باقی بات پھر ہو گی" اس نے اپنے دوست کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا اور عذرا سے مخاطب ہوا۔

"عذرا حوصلہ کرو۔۔۔ ہمیں اصولی طور پر یہاں چند منٹ ضرور ٹھہرنا ہو گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میرے جیتے جی کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اپنے ملک کا ایک وفادار شہری ہونے کے ناطے میرا فرض ہے کہ میں کسی بھی مشتبہ غیر ملکی کو یوں چپ چاپ بچ کر نہ جانے دوں۔۔۔ تم چند منٹ کے لیے آرام سے بیٹھو۔۔۔ ابھی میرے دوست کی گاڑی آ جائے گی۔۔۔ شرما اور اس کے ساتھی یہاں نہیں ہیں۔۔۔ نہ ہی انہوں نے تمہیں دیکھا ہے۔ تم کیوں گھبرا رہی ہو۔۔۔"

اس کی اس بات سے عذرا نے قدرے حوصلہ کیا تھا لیکن ابھی تک اس کا خوف مکمل دور نہیں ہوا تھا۔

کسی نہ کسی طرح انور خان نے آٹھ دس منٹ اس کے ساتھ وہاں گزار دیے جب اسے دو گاڑیاں اس طرف آتی نظر آئیں۔

گلی کار اس کا جگری دوست میجر افراسیاب خان چلا رہا تھا۔۔۔

اس کی شکل پر نظر پڑتے ہیں انور خان گاڑی کا دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل آیا رفتاری سے میجر افراسیاب کی طرف بڑھ رہا تھا جس نے اپنی گاڑی اس سے کچھ فاصلے دی تھی۔۔۔

"خیریت ہے یار تم نے تو میری بھی ہاتھ پاؤں پھلا دیئے۔۔۔ کمال کے آدمی ہو تم ۔۔۔ میجر خان نے گاڑی سے باہر نکل کر اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے

"میں نے تمہارے ساتھ تفصیلاً" بات کرنی تھی۔ باقی باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ مختصر بات ہے کہ سامنے والی سفید کار میں سے دو آدمی نکلے ہیں۔۔۔ جس آدمی نے ہلکے براؤن کا سفاری سوٹ پہن رکھا ہے وہ بھارتی باشندہ اور خطرناک ہے۔۔۔ تفصیلات تمہیں ہوں گا فی الوقت تم اسے قابو کرو۔۔۔ باقی باتیں رات کو کھانے پر ہوں گی تب تک ے پاس اس شخص سے متعلق خاصی معلومات جمع ہو چکی ہوں گی۔ اس طرح تمہیں بات سمجھنے میں بھی آسانی رہے گی"۔۔۔

انور خان نے اس سے کہا۔

"او۔کے آل رائیٹ۔ تم اطمینان سے گھر جاؤ۔ میں نے زندگی میں تمہیں کبھی اتنا ل نہیں دیکھا۔ احتیاط سے گاڑی چلانا کہیں راستے میں کسی سے ٹکر نہ مار لینا۔۔۔ گے۔۔۔"

میجر خان نے بے تکلفی سے اس کی کندھے پر ہاتھ مارا۔

"خدا حافظ"۔۔۔

انور خان نے کہا اور اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

اس نے گاڑی سٹارٹ کی تو عذرا کی جان میں جان آئی جس کا ثبوت اس نے ایک ا سانس سے دیا۔

"گول گپے کھالیں"۔۔۔

انور خان نے چاہا کہ اسے اور خود کو نارمل کرے۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ پھر کبھی سہی۔ اس وقت گھر چلو۔۔۔"

اس نے بے چینی سے کہا۔

"اچھا بھئی گھر ہی چلتے ہیں---"

اس نے گاڑی گھر کی طرف جانے والی سڑک پر ڈال دی۔ ابھی تک عذرا نے اپنے چہرے سے چادر الگ نہیں کی تھی۔

"میرا دوست انٹیلی جنس آفیسر ہے۔ بھائیوں جیسا ہے۔ اس کو میں نے شرما کی گرفتاری کے لیے کہا ہے اگر وہ کسی خطرناک ارادے سے یا غیر قانونی طور پر پاکستان آیا ہے تو بچ کر نہیں جانا چاہیے۔ اس طرح سوامی کو بھی کان ہو جائیں گے کہ تم تک پہنچنا اتنا آسان بھی نہیں ہے--- میں اپنے دوست کے ذریعے عالم شیر کو بھی آسانی سے تلاش کروا لوں گا--- کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو گی"---

اس نے گھر پہنچنے پر عذرا کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

گھر پہنچ کر وہ خاصی نارمل ہو گئی تھی لیکن ابھی تک خوف کے سائے اس کے چہرے پر لرزاں تھے۔

"آپ میرے لیے جو بھی کریں گے--- بہترین کریں گے لیکن مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ کو عالم شیر سے اتنی جلدی ملنے کی کیا ضرورت ہے--- کسی معمولی سی بے احتیاطی سے---"

"نہیں عذرا! اگر ایسی بات ہوتی تو میں تمہاری بات کی پرواہ کیے بغیر اخبارات میں اشتہار دے دیتا--- تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟"

اس نے عذرا کی بات کاٹتے ہوئے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

مسز خان جو کسی کام سے گھر سے باہر گئی تھیں۔ واپس لوٹیں تو سیدھے ان ہی کی طرف آ گئی تھیں۔

"خیریت--- تم لوگ اتنی جلدی واپس آ گئے"---

انہوں نے انور خان سے کہا۔

"بس ممی--- عذرا کچھ گھبرا گئی تھی---"

"بھئی کیا ہوا تھا--- کچھ بتاؤ گے بھی"---

مسز خان نے عذرا کے نزدیک پہنچ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے مطمئن کرنا چاہا۔

انور خان کو بادل نخواستہ ساری کہانی اپنی ماں کو بھی سنانا پڑی۔

"شاباش بیٹا! تم نے عقل مندی سے کام لیا--- میں خود سوچ رہی تھی کہ افراسیاب سے بات کروں۔ آج صبح ہی اس نے فون کر کے بتایا تھا کہ اس کی پوسٹنگ کراچی میں ہو گئی ہے۔ وہ اپنے گھر کا بچہ ہے اور میرے خیال سے تمہیں اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

مسز خان نے کہا۔

عذرا نے ایک لمحے کے لیے ان کی طرف دیکھا اور نظریں جھکائیں۔ اسے احساس ہو گیا کہ یہ لوگ اس سے زیادہ اس کا خیال رکھیں گے۔

میجر افراسیاب کو کم از کم اس بات کا یقین ضرور تھا کہ انور خان جس شخص کا نام ہے وہ بے وقوف یا وہمی آدمی نہیں ہے نہ ہی وہ اس طرح افراتفری کا مظاہرہ کر کے اسے پریشان کر سکتا ہے یہ کوئی سیریس معاملہ ہی ہو سکتا تھا۔

"اس گاڑی کے دونوں سواروں پر کڑی نظر رکھنا ہے دونوں سے متعلق مکمل معلومات مجھے رات تک چاہئیں"---

اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

انٹیلی جنس کی دو گاڑیاں اور متعدد اہلکاروں نے فوراً کار کو گھیرے میں لے لیا تھا اور وہ اس کے سواروں کی آمد کے منتظر تھے۔

دونوں سواروں کی واپسی قریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی۔ کار شرما کا ساتھی چلا رہا تھا جب کہ وہ اطمینان کے ساتھ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

جیسے ہی سفید کار نے رینگنا شروع کیا۔ انٹیلی جنس کی کاریں اس سے چپک گئیں۔ اس تعاقب کا خاتمہ قریباً آدھے گھنٹے بعد جس جگہ ہوا اس نے افراسیاب کے ماتحتوں کو چونکا دیا۔

میجر افراسیاب اپنے آفس میں اپنے ساتھیوں کی طرف سے اطلاع کا منتظر تھا جب وائرلیس پر اسے پیغام ملا۔

"سر! دونوں ڈاکٹر جسکانی کے گھر موجود ہیں معاملہ سنگین دکھائی دیتا ہے۔"

"ویل ڈن--- ان پر کڑی نظر رکھو---"

اس نے اپنے ماتحتوں کو ہدایت جاری کی۔

جسکانی زیر زمین تخریب کاری تحریک کا سرگرم لیڈر تھا اور میجر افراسیاب کی ایجنسی اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رکھا تھا۔ جسکانی گزشتہ تین ماہ سے بظاہر روپوش تھا لیکن اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس پر انٹیلی جنس کی نظر ہے اور وہ ابھی اس پر محض اس لیے ہاتھ نہیں ڈال رہے کہ انہیں اس کے زیادہ سے زیادہ اڈوں اور ساتھیوں کا علم ہو جائے۔۔۔۔ کسی بھی غیر ملکی کی جسکانی سے ملاقات کا مطلب یہ تھا کہ وہ مشکوک آدمی ہے اور کوئی عام سا مشکوک آدمی نہیں بلکہ جسکانی جیسے بڑے خطرناک تخریب کار کا ساتھی۔۔۔

میجر افراسیاب سوچ رہا تھا کہ انور خان کی اطلاع نے ان کا کام خاصا آسان بنا دیا ہے پہلے اسے انور خان کی باتیں بڑی عجیب لگی تھیں لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ انور خان کے پاس سنانے کے لیے ضرور کوئی اہم بات ہے۔۔۔

اور یہ لڑکی کون تھی؟

بڑی پراسرار لڑکی تھی جس نے اپنا چہرہ چادر سے چھپا رکھا تھا اور انور خان کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ انور خان کو اتنی سنجیدگی کے ساتھ کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھے دیکھا تھا۔۔۔!

یہ انور خان کسی چکر میں پھنس گیا ہے؟

اس نے سوچا۔

تھوڑی دیر بعد اپنے ماتحتوں کو ہدایات دے کر وہ انور خان کی طرف روانہ ہو گیا جو رات کے کھانے پر اس کا منتظر تھا۔

مسز خان کے لیے افراسیاب کی آمد بڑا نیک شگون تھی۔

میجر افراسیاب ان کے بیٹے کا لنگوٹیا ہی نہیں بلکہ اس خاندان کے ایک اہم فرد کی حیثیت رکھتا تھا اور مسز خان کو علم تھا کہ ایک وہی ہے جو اس کے بیٹے کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔۔۔!!

تھوڑی دیر بعد وہ سب کھانے کی میز پر موجود تھے۔

وہ پراسرار لڑکی بھی جو اس کے دوست کے ساتھ کار میں بیٹھی تھی۔

مسز خان نے دوبارہ سارے واقعات دھرا دیئے اور اسے بتایا کہ کس طرح عذرا ان کی

میں داخل ہوئی تھی۔

"بہن جی! ظاہر ہے میرے لیے عذرا کی حیثیت ایک بہن کی سی ہے کیونکہ اب وہ گیتا نہیں بلکہ خان فیملی کی بیٹی ہے۔۔۔۔ میری درخواست ہے کہ مجھے تنہائی میں اس سے باتیں کرنے کا موقعہ دیا جائے۔۔۔۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہوں گی۔۔۔۔

میجر افراسیاب بہرحال انٹیلی جنس آفیسر تھا۔۔۔۔

اس نے اپنے ذاتی اطمینان کے لیے صرف ان لوگوں کی باتوں پر یقین کرنا کافی نہیں ۔۔۔ ابھی تک اس نے عذرا کے متعلق کوئی بھی مثبت یا منفی رائے قائم نہیں کی اس کے پیشے نے اسے یہی سکھایا تھا کہ آنکھیں بند کر کے نہ ہی کسی پر اعتماد کیا جا سکتا اور نہ خوامخواہ کسی پر بداعتمادی کی جاتی ہے۔ وہ کسی سے متعلق کوئی بھی رائے حقائق کی پر ہی قائم کر سکتا تھا۔

"بیٹا! ضرور کرو لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ تم ہم بوڑھوں سے زیادہ عقل مند نہیں

جسٹس خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انکل خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔۔۔"

میجر افراسیاب نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

عذرا کے لیے اس سے علیحدگی میں بات کرنا معمول کی بات تھی۔ اس نے اندازہ کر لیا خان فیملی کے نزدیک افراسیاب کی حیثیت گھر کے ایک فرد کی سی ہے اور شاید یہ سمجھ ں سے علیحدگی میں بات کر رہا تھا کہ عذرا نے کوئی بات ابھی تک چھپا رکھی ہے۔۔۔۔

گھنٹہ دونوں گفتگو کرتے رہے۔ اس درمیان میجر افراسیاب نے یہی رائے قائم کی تھی کہ اجو کچھ کہہ رہی ہے وہ سچ ہے اور اب اس کے پاس کہنے کے لیے اور کوئی بات نہیں ۔۔۔

"شکریہ بہن جی معاف کیجئے میرے پیشے کا تقاضہ یہی تھا کہ میں مکمل اطمینان کرنے کے ئی کوئی قدم اٹھاتا۔۔۔۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی ایک مہینے کے اندر میں آپ کی ملاقات عالم شیر سے کروا دوں گا"۔۔۔۔

اس نے بالآخر اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کی ساری زندگی احسان مند رہوں گی۔ میری صرف ایک التجا ہے کہ م
وجہ سے میرے محسنوں پر کوئی مصیبت نہ آئے۔ آپ کا تعلق چونکہ انٹیلی جنس سے
آپ میری بات کا مطلب زیادہ بہتر جانتے ہوں گے۔ یہ لوگ کتنے خطرناک ہیں۔ ان
کتنے لمبے ہاتھ ہیں اور وہ کیا کر سکتے ہیں میں جانتی ہوں"۔۔۔۔
عذرا نے کہا۔

"ایک بات اور ذہن میں آ گئی معافی چاہوں گا۔۔۔۔ آپ کو اس بات کا تو علم ہے
شرما جیسے لوگ ایک نام تو رکھا نہیں کرتے کیا اس کا کوئی اور نام تو نہیں تھا۔۔۔۔ اور اپ
ذہن پر زور دے کر یہ بھی یاد کرنے کی کوشش کیجئے کہ شرما کے ساتھ کون کون سے لوگ
وہاں آیا کرتے تھے۔۔۔۔ اور ہاں اگر میں آ کو کچھ تصاویر دکھاؤں تو کیا آپ بتا سکیں گی
ان میں سے کسی شخص کو آپ نے وہاں دیکھا تھا۔۔۔۔؟"

میجر افراسیاب کے ذہن نے اچانک ہی اس کو ایک نئی لائن سمجھائی تھی۔

"کیوں نہیں بھائی صاحب۔۔۔۔ میں وعدہ تو نہیں کرتی لیکن مجھے یقین ہے کہ زندگی
میں ایک مرتبہ بھی جس شخص سے میرا معمولی سا رابطہ بھی رہا ہو میں قیامت تک اس کی
شکل نہیں بھلا سکتی اور اسے ہزاروں میں پہچان سکتی ہوں۔۔۔۔ میں نے یوگا کی خاص
ورزشوں کے ذریعے اپنی بدھی بڑھائی ہے۔۔۔۔ اپنی یاداشت کو تیز کیا ہے"۔۔۔۔
عذرا نے اعتماد سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔ آپ نیچے چلیں اگر کچھ دیر اور ہو گئی تو خان صاحب میرا داخلہ گھر
میں بند کر دیں گے"۔۔۔۔

افراسیاب نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"امید ہے تمہاری تشفی ہو گئی ہو گی"۔۔۔۔

اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی انور خان نے تبصرہ کیا۔

"یار غصہ نہ کیا کرو۔۔۔۔ تم تو خود وکیل ہو تم جانتے ہو ایسے معاملات میں اندھا اعتماد
آدمی کو کہیں کا نہیں رکھتا۔

افراسیاب نے کمرے کے ایک کونے میں رکھے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"تم جب نوکری نہیں کرتے تھے تب بھی تمہیں کسی پر اعتبار نہیں تھا۔۔۔۔ یہ

نئی عادت نہیں جس کا میں غصہ کروں گا"۔۔۔۔

انور خان کو علم تھا کہ دوران تعلیم بھی ان کا اسی بات پر جھگڑا لگا رہتا تھا۔
افراسیاب نے انور خان کے گھر سے اپنے آفس فون کر کے اپنے کسی ماتحت کو کوئی البم
کی ہدایت کی تھی اور اب ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کافی پی رہا تھا۔

"ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ عذرا نے ہم پر بہت احسان کیا ہے۔ جس شخص کے
ن اس نے شک ظاہر کیا تھا وہ میرے اب تک اندازے کے مطابق بھارتی انٹیلی جنس کا
خاص آدمی ہے جس کے رابطے ہمارے ملک کے بڑے تخریب کاروں سے ہیں اور اس
آدمی کے ذریعے ہمیں بہت کامیابی ملنے کی امید ہے"۔۔۔۔

افراسیاب نے انہیں بتایا۔

"حیرت ہے۔۔۔۔ میں تو عذرا کی یاداشت کی داد دوں گا کہ اس نے شرما کی شکل یاد
لی اور اسے فوراً پہچان بھی لیا۔۔۔۔"

خان صاحب بولے۔۔۔۔

اسی اثناء میں نوکر نے میجر افراسیاب کے ماتحت کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ میجر افراسیاب
وہ باہر چلا گیا جب واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک البم موجود تھی۔۔۔۔

"عذرا بہن تم ذرا ادھر آ جاؤ"۔۔۔۔

اس نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا جس پر روشنی کے لیے بلب نصب تھا۔ جو
اس نے روشن کر کے فائل اس کے سامنے کھول دی تھی۔ عذرا کی نظریں البم پر لگی ایک
ایک تصویر کا جائزہ لے رہی تھیں۔

تیسرے صفحے کی ایک تصویر پر اس نے انگلی رکھ دی۔

"اس شخص کا آنا جانا اکثر ہمارے آشرم میں ہوتا تھا۔۔۔۔ شاید یہ شخص شرما کے ساتھ
ایک دو مرتبہ آیا ہے۔۔۔۔ سوامی اس سے عموماً علیحدگی میں ملا کرتا تھا۔۔۔۔ میرے
اندازے کے مطابق یہ کوئی نامی گرامی سمگلر ہے۔۔۔۔ بہر حال جرائم پیشہ ضرور ہے۔۔۔۔"

"ہوں ں ں۔۔۔۔"

میجر افراسیاب نے سر ہلایا۔

یہ جسکانی کی تصویر تھی۔۔۔۔!!

وہ چونک اٹھا۔۔۔۔

"شکریہ بہن جی۔۔۔۔ آپ نے ہمارا کام آسان کر دیا۔ میں چلتا ہوں۔۔۔۔"

اس نے خدا حافظ کہا اور سب کو ہکا بکا چھوڑ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

کمانڈو اٹیک

انسپکٹر نصیر نے بڑی محفوظ جگہ پر مورچہ جمایا تھا۔

جسکانی جس کوٹھی میں روپوش تھا اس کے بالکل سامنے موجود بلڈنگ جس میں رہائش کے لگژری فلیٹ بنے ہوئے تھے ان کے لیے بڑی محفوظ ثابت ہوئی تھی۔ انہوں نے ان میں سے ایک فلیٹ کے مالک کو اعتماد میں لے کر وہاں دوربین نصب کر لی تھی جس سے سامنے جسکانی کی کوٹھی کے برآمدے تک ہونے والی تمام حرکات کا جائزہ آسانی سے لیا جا سکتا تھا۔

انسپکٹر نصیر نے علی الصبح یہاں کا چارج سنبھالا تھا۔۔۔۔

اب یہاں ایک بھارتی دہشت گرد کی آمد نے صورتحال کو خاصا سنگین بنا دیا تھا۔ شرما شام ڈھلے جسکانی کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا اور ابھی تک باہر نہیں آیا تھا۔ ساری رات ان لوگوں نے کوٹھی کو گھیرے میں لیے رکھا انہیں احتیاط سے ایک ایک قدم پھونک کر رکھنا پڑتا تھا کیونکہ وہ پولیس یا مقامی ایجنسی کی نظر میں آئے بغیر یہ کام کرنا چاہتے تھے۔۔۔۔ ان کا تعلق انتہائی اہم انٹیلی جنس ایجنسی آئی۔ ایس آئی سے تھا۔

یہ لوگ اپنے آپریشن خود ترتیب دیتے تھے اور ناگزیر حالات میں بھی دوسری ایجنسیوں کو اعتماد میں لیا کرتے تھے تاکہ راز داری کا تحفظ ہو سکے۔

میجر افراسیاب خان کو جسکانی کی اتنی زیادہ فکر نہیں تھی کیونکہ جسکانی کی نقل و حرکت ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کی طرف سے چلائی جانے والی دہشت گرد زیر زمین تنظیم میں آئی۔ ایس۔ آئی نے اپنا ایک اہم رکن داخل کر دیا تھا جو جسکانی کا اعتماد حاصل

کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اب وہ بہرے کے روپ میں جسکانی کے ساتھ ہی اس کوٹھی میں مقیم تھا۔۔۔۔۔ اس "بہرے" کے ذریعے وہ لوگ جسکانی کی نقل و حرکت سے باخبر رہتے تھے لیکن شرما کی یہاں آمد کا کیا مقصد تھا؟

کیا وہ کوئی بڑا اور خطرناک مشن لے کر آیا ہے؟

کیا بھارتی انٹیلی جنس "را" کی طرف سے تباہی کا کوئی نیا منصوبہ اس شہر میں زیر عمل ہے؟ "را" کے اتنے اعلیٰ افسر کی آمد کا یقیناً کوئی خاص مقصد تھا؟

عذرا نے اس شخص کو پہچان لیا اور انور خان نے اس کی فراہم کردہ اطلاع اپنے دوست کو منتقل کر کے انجانے ہی میں بہت بڑی ملکی خدمت انجام دی تھی جس کا احساس ان دونوں کو ابھی نہیں ہو سکتا تھا۔

انسپکٹر نصیر کبھی کبھی اپنی نظریں دوربین سے الگ کر کے اطراف کا جائزہ لینے لگتا جس کے بعد دوبارہ اس کی آنکھیں جسکانی کی کوٹھی کے برآمدے پر فوکس ہو جاتیں۔ اس مرتبہ جب اس نے دوبین سے نظریں جمائیں تو برآمدے میں ان کا ساتھی بہرے کے روپ میں کھڑا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر سے بلند کر کے انہیں ایک کاصی طرح کا اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کچھ دیر بعد باہر آکر ان تک کوئی اہم پیغام پہنچائے گا۔۔۔۔۔

انسپکٹر نصیر نے اپنی جگہ اپنے ماتحت کو کھڑا کیا اور خود لاپرواہی سے سیٹی بجاتا باہر نکل گیا۔ اس بلڈنگ میں چونکہ مہمانوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا اس لیے کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہیں دی۔

جسکانی کی کوٹھی کے سائے سے پیدل چلتا وہ اس لین کی آخری کوٹھی تک پہنچ گیا۔ جہاں سے گھومتے ہوئے اس نے بہرے کو برآمد ہوتے دیکھ لیا تھا۔۔۔۔۔ جو اس طرف آ رہا تھا۔

اس لین کے آخر میں بنے ایک بس سٹاپ پر ایک خوانچہ فروش سے نصیر نے رک کر سگریٹ کی ڈبیا خریدی اور وہیں کھڑے کھڑے سگریٹ سلگا کر اس کے کش لگانے لگا۔ اس اثنا میں بہرہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ نصیر پر سرسری سی نظر ڈال کر وہ آگے نکل گیا۔

اب انسپکٹر نصیر اپنے ساتھی کے تعاقب میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تھا۔ اس دوران

اس نے بطور خاص اس بات کا جائزہ لیا تھا کہ کہیں کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا۔۔۔۔۔ اس سفر کا اختتام قریباً تین چار فلانگ دور بنی مارکیٹ پر ہوا جہاں سے سبزی گوشت خریدنے کے بہانے وہ باہر آیا تھا۔

دونوں مارکیٹ کے ایک کونے میں ایک چھوٹی چائے کی دکان کے ایک کونے میں جا بیٹھے نصیر نے چائے کا آڈر دے دیا تھا اور اب دونوں ایک دوسرے کے واقف کار کی حیثیت میں باتیں کر رہے تھے۔

"کل شام جو شخص آیا ہے بڑا خطرناک ہے۔"

انسپکٹر جمیل نے جو بہرے کے روپ میں اس کے سامنے بیٹھا تھا اپنی بات کا آغاز کیا۔۔۔۔۔ "اسے یہ لوگ میاں بھائی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں لیکن یہ اس کا اصلی نام نہیں ہے۔۔۔۔۔ میرے خیال سے وہ بھارتی انٹیلی جنس کا کوئی اہم آدمی ہے۔ جسکانی کو اس پر اندھا اعتماد ہے۔ اس نے میاں بھائی کے ساتھ ابتدائی بات چیت میں مجھے بھی شامل کیا تھا لیکن بعد میں شاید اس کے کہنے پر مجھے دوبارہ اپنے ساتھ نہیں بٹھایا۔۔۔۔۔"

جمیل نے سگریٹ کا کش لے کر اردگرد کا جائزہ لیا۔۔۔۔۔!

ہیں علم ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ ہم نے کلفٹن سے اس کا تعاقب کیا ہے۔ ایک اطلاع ملنے پر ہم اس سے چپکے ہوئے تھے۔ تمہیں فون کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ میجر صاحب کی سختی سے ہدایت تھی کہ تمہارے ساتھ صرف پرسنل میٹنگ کی جائے۔ تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے"۔۔۔۔۔

نصیر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"میں جتنی باتیں سن پایا ہوں ان کے مطابق "را" کو گزشتہ تین چار ماہ سے اس شہر میں ہونے والی سیکورٹی کے سخت انتظامات پر تشویش ہے۔۔۔۔۔ یہ شخص میاں بھائی جسکانی سے کہہ رہا تھا کہ ان لوگوں کو جلد از جلد تین چار بڑے دھماکے کرنے چاہئیں اس کے بعد ہی ان کی اعلیٰ قیادت مطمئن ہو گی۔۔۔۔۔ اس کے برعکس جسکانی بضد ہے کہ اسے جلد از جلد پاکستان سے نکال کر کسی دوسرے ملک پہنچایا جائے اور یہ کام اس کے آدمی بعد میں کرتے رہیں۔ جبکہ میاں بھائی کا کہنا تھا کہ کم از کم ایک دو دھماکے اس کی موجودگی میں ہونا ضروری ہیں کیونکہ اس کے ملک سے فرار کے بعد عین ممکن ہے اس کے تخریب کار ساتھیوں کے

حوصلے ٹوٹ جائیں اور مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکیں۔ جبکہ "را" کی اعلیٰ قیادت ہر قیمت پر مثبت نتائج چاہتی ہے---- اب صورتحال یہ ہے کہ جسکانی بڑا خوفزدہ ہے۔ وہ اس کے قابو نہیں آ رہا---- دوسری طرف اسے "را" پر غصہ بھی ہے کہ جب وہ مصیبت میں گرفتار ہے تو ان لوگوں نے اپنی شرائط منوانا شروع کر دی ہیں---- لیکن میرے خیال سے اسے بہر حال میاں بھائی کی بات ماننا پڑے گی اور یہ لوگ دھماکے کریں گے---- میں انتہائی کوشش کر رہا ہوں کہ "را" کی طرف سے تخریب کاری کا جو تازہ سامان آ رہا ہے اس کا پتہ لگواؤں کیونکہ میاں بھائی کی آمد کا مقصد تخریب کاروں کے لیے سامان کی فراہمی بھی ہے۔ وہ اپنے ساتھ کرنسی نوٹوں کا بریف کیس بھر کر لایا ہے جو اس نے کل رات ہی جسکانی کو سونپ دیا تھا"----

جمیل نے اپنی بات مکمل کر لی تھی----

"ویل ڈن---- میں میجر صاحب سے بات کرتا ہوں اور اگلی ہدایات حاصل کرتا ہوں۔ اب تم دوپہر کے بعد چکر لگانا---- تاکہ اگلی ہدایت تم تک پہنچا سکوں---- اور ہاں ایک مرتبہ پھر یاد رکھنا کہ فون استعمال نہیں کرنا----"

انسپکٹر نصیر نے اپنے ساتھی سے کہا اور باہر نکل آیا----

اس کی روانگی کے چند منٹ بعد جمال بھی باہر آ گیا اور اب وہ سبزیاں اور گوشت وغیرہ خرید کر کوٹھی کی طرف واپس جا رہا تھا۔

جمیل بڑا مطمئن کوٹھی میں پہنچا تھا۔

اس کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ جسکانی کے باپ "را" کے لوگ ہیں جن کا اپنا ایک طریقہ کار ہے اور ان کا پہلا اصول بھی یہی ہے کہ دشمن کی طرح دوست بھی کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتے۔

میاں بھائی نے اس گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے جسکانی کے ساتھ اس گھر کے مکینوں سے متعلق طویل انٹرویو کیا تھا۔ جمیل کے علاوہ یہاں تین مسلح محافظ ایک ڈرائیور اور جسکانی کا ایک ساتھی قیام پذیر تھے۔

اب سب لوگوں میں جمیل نیا آدمی تھا---- گو کہ یہاں کسی بھی روپ میں کوئی بھی

ایسا نہیں تھا جس کا تعلق زیر زمین تخریب کاری تنظیم سے نہ رہا ہو---- یہ سب ے ساتھی تھے جو مختلف سورنگ رچا کر اس کے ساتھ قیام پذیر تھے----!

یکن----

ان میں جمیل سب سے نیا تھا اور ابھی تک "را" کے پاس جسکانی نے اس سے متعلق ٹ نہیں پہنچائی تھیں----

جسکانی کو اس نے اپنی لچھے دار باتوں سے جادو کر رکھا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ دنوں میں اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ہی وجہ تھی کہ میاں بھائی نے اس سے الگ طویل انٹرویو کیا تھا جس کے بعد سے ہی اس کے کہنے پر جسکانی نے اسے میاں بھائی کے ساتھ ہونے والی اپنی گفتگو میں بٹھانے انکار کر دیا تھا----

جسکانی نے اسے اشارہ سمجھا دیا تھا کہ میاں بھائی اس سے کچھ ضروری باتیں علیحدگی میں چاہتا ہے شاید اس نے جمیل پر شک کرنا مناسب نہیں جانا تھا۔

جمیل کے لیے یہ بڑی حوصلہ افزاء بات تھی۔

"را" کا یہ اصول تھا کہ وہ لوگ اپنے ایجنٹوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور پاکستان میں بھی ے تخریب کار ساتھیوں پر کوئی نہ کوئی چیکنگ سسٹم ضرور لگاتے ہیں۔ انہوں نے جسکانی کے یوں کو بھی یوں کھلا نہیں چھوڑ دیا۔

اس بات کا علم جسکانی کو بھی نہیں تھا کہ وہ جب بھی اپنی نئی پناہ گاہ سے متعلق "را" کو ع کرتا تو "را" سے لوگ اس کی پناہ گاہ کے نزدیک اپنے کسی نہ کسی خاص ایجنٹ کو اس ساتھیوں کی نگرانی پر ضرور لگا دیا کرتے تھے۔

"را" والے جانتے تھے کہ ان کا مقابلہ دنیا کی ذہین ترین انٹیلی جنس آئی۔ ایس۔ آئی ے ہے اور یہ لوگ کبھی غافل نہیں رہتے۔ آج تک شاید ہی ان کا کوئی منصوبہ ان کی ی کے مطابق کامیاب ہو سکا تھا اس کی وجہ آئی۔ ایس۔ آئی کی چوکسی تھی جسکانی کی اس ی کے ساتھ ملحقہ مارکیٹ میں "را" کا ایک اور مقامی ایجنٹ پان سگریٹ کا خوانچہ گلے لٹکا کر بیٹھ گیا تھا اس کو صرف یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ جسکانی کے ڈرائیور، پہرے یا ی گارڈوں میں سے کوئی جب بازار میں سودا سلف خریدنے آئے تو اس بات پر نظر رکھے

کہ وہ یہاں کسی کو ملتا ہے۔ اس ایجنٹ کو جسکانی کے ساتھیوں کی پہچان کروا دی گئی تھی——!

آج بھی جب جمیل اپنا؟ میں انسپکٹر نصیر سے ملاقات کر کے اس امید کے ساتھ واپس رہا تھا کہ انہیں کسی نے یہاں دیکھا تو اسے علم نہیں تھا کہ اس کی ملاقات کی خبر مقامی پ سی۔ او سے بذریعہ فون یہاں پہلے ہی پہنچ چکی تھی—— کہ وہ باورچی خانے میں بڑے اطمینان سے سبزیاں اور گوشت ٹوکری سے نکال کر رکھ رہا تھا جب اچانک ہی میاں بھائی وہاں آ گیا——!

انسپکٹر جمیل نے کل رات ہی نوٹ کر لیا تھا کہ اس کے تئیں میاں بھائی کا رویہ مشکوک ہو گیا ہے لیکن وہ جسکانی کو اس سے متعلق گمراہ نہیں کر سکا تھا۔ اس کی اچانک آمد نے جمیل کو چونکا دیا اور سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔

کسی بھی پیش آمدہ صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے اس نے ذہنی طور پر خود کو تیار کر لیا تھا۔

"کیا حال ہے جوان؟"——

میاں بھائی نے بظاہر بڑے ہلکے پھلکے انداز میں اس سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے میاں بھائی"——

اس نے میاں بھائی کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"کب سے رہ رہے ہو اس علاقے میں——"

میاں بھائی نے یہ سوال بھی اس انداز میں کیا تھا جیسے کوئی معمول کی بات کی جا رہی ہو۔ دیکھو! میاں بھائی ہم جسکانی کا جانثار ہے۔ اس کے ایک اشارے سے یہ جان دے سکتا ہے—— ہم کو معلوم نہیں کہ تم کون لوگ ہے لیکن جسکانی بھائی کا جو بھی مہمان ہے وہ ہمارے لیے قابل احترام ہے—— میرے کو ایسے سوالات کے جوابات دینے کی عادت نہیں—— تمہیں میرے متعلق جو بھی پوچھنا ہے جسکانی سے پوچھ لو—— اس کے حکم کے بغیر ہم کسی بات کا جواب نہیں دے گا——"

انسپکٹر جمیل نے یوں ظاہر کیا جیسے اس نے میاں بھائی کی بات کا برا منایا ہو لیکن وہ جسکانی کا جانثار بھی تھا۔

"یار تم تو برا مان گئے—— ہم بھی جسکانی کے یار ہیں—— بس یونہی اس علاقے سے متعلق جاننا چاہتے تھے"——

"علی بھائی—— تم میاں بھائی کی ہر بات کا جواب دے دو—— یار تم سمجھتے ہو نا کہ اس دھندے میں معمولی سا شک بھی ایک دوسری کی جان لے سکتا ہے—— میں نہیں چاہتا کہ ہمارے کسی ساتھی کو بلا وجہ مار دیا جائے—— میاں بھائی ہمارا "باس" ہے میرے خیال سے تمہارے لیے اتنا اشارہ کافی ہو گا"——

اچانک ہی جسکانی کچن میں داخل ہوا اور اس نے جمیل سے کہا تھا شاید وہ یہاں علی کے جعلی نام رہ رہا تھا۔

"پوچھو بابا پوچھو"——

جمیل نے چڑ جانے کی اداکاری کرتے ہوئے میاں بھائی سے کہا۔

"دیکھو میاں!—— جیسا کہ جسکانی نے تمہیں بتایا ہے ہمیں ہر کسی پر شک کرنا پڑتا ہے جسکانی مجھ پر بھی شک کر سکتا ہے اور ہم جسکانی پر بھی شک کر سکتے ہیں—— دیکھو میاں! ایک آدمی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی جانوں کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا—— اس سے بہتر ہے کہ وہ اکیلا بندہ ہی مار دیا جائے جو سب کی جان کے لیے خطرات پیدا کر رہا ہے۔ اس لیے تمہیں کسی بات کا برا منائے بغیر میرے سوالوں کے جواب دینے ہوں گے"

میاں بھائی نے کہا۔

"ارے بابا کہا نا کہ پوچھو کیا پوچھنا ہے"——

جمیل نے بدستور پہلے والے لہجے میں جواب دیا۔

"مارکیٹ میں جب تم سبزی لینے گئے تھے تو کسی سے ملاقات تو نہیں ہوئی"——

میاں بھائی کے پہلے ہی سوال نے انسپکٹر جمیل کو چکرا دیا اس نے جان لیا کہ نصیر کے ساتھ ملاقات کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔

لیکن——

ایک اطمینان اسے ضرور تھا کہ دونوں اتنے تربیت یافتہ ہیں کہ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی کسی کے کانوں میں نہیں پڑی ہو گی۔

"دیکھو میاں بھائی!"——

جمیل نے اس کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

”ہمیں یہاں رہتے ہوئے قریباً دو مہینے ہو گئے ہیں---- آخر یہاں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ مجھے بازار جانا ہوتا ہے اور وہاں میرے جانے کا مقصد صرف سبزیاں خریدنا نہیں ہوتا---- تمہیں شاید اس بات کا علم نہ ہو کہ میں اپنے صوبے سے مفرور ہوں۔ میں بس پولیس کو پندرہ قتل اور کئی ڈکیتیوں میں مطلوب ہوں---- میری حیثیت ایک اشتہاری ملزم کی بھی ہے اور مجھے اپنی آنکھیں کھلی رکھنا پڑتی ہیں---- اس لیے میں جب بھی بازار جاتا ہوں وہاں چائے' پان سگریٹ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے دکانداروں سے گپ شپ کرتا رہتا ہوں---- اس طرح میری کوشش ہوتی ہے کہ میں یہاں ہونے والی کسی غیر معمولی بات کو نظرانداز نہ کروں---- تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں نے پانچ سال پولیس کی نوکری کی ہے۔ میں پولیس میں حوالدار تھا اور پہلا قتل میں نے اپنے تھانیدار کا کیا تھا---- میں نے پولیس کی ٹریننگ سے یہ بات سیکھی ہے کہ بعض اوقات معمولی لوگوں کے پاس غیر معمولی خبریں ہوتی ہیں---- یوں بھی چھوٹے چھوٹے دکاندار چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے ہیں---- بڑے لوگوں کے پاس تو چھوٹی چھوٹی باتیں جاننے کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا---- اس لیے میں کئی لوگوں سے ملتا رہتا ہوں---- خاص طور سے اگر کسی ایسے چہرے پر نظر پڑ جائے جو مجھے مارکیٹ میں پہلی مرتبہ دکھائی دے تو میں کسی نہ کسی چکر میں اس کے ساتھ کسی بہانے چند منٹ گزار کے یہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں کہ وہ کون ہے؟ اور یہاں کیا کر رہا ہے؟----“

جمیل نے اپنی بات مکمل کی تو جسکانی کے کھنچے ہوئے اعصاب پرسکون ہو گئے اس نے اس طرح میاں بھائی کی طرف دیکھا جیسے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈانٹ کر کہہ رہا ہو کہ دیکھا تم تو خوامخواہ میرے ساتھی پر شک کر رہے ہو----

لیکن----

میاں بھائی بھی شیطان کا بھائی تھا وہ ”را“ کا تربیت یافتہ آفیسر تھا ایسی لچھے دار گفتگو سے مطمئن ہونا اس نے بھی نہیں سیکھا تھا۔

”تمہاری بات بالکل بجا ہے---- جس طرح کے تمہارے خیالات ہیں ایسے ہی ہمارے بھی خیالات ہیں---- ہمیں بھی اپنے ساتھیوں کی حفاظت کے لیے چھوٹی چھوٹی

ور باتوں کا نوٹس ضرور لینا پڑتا ہے---- تم یہ سمجھ لو کہ جسکانی کی حفاظت کے پیش ہیں یہ سوال کر رہا ہوں کہ ابھی جب تم مارکیٹ میں گئے تھے تو تم نے کس کس سے کی اور کیا کیا باتیں ہوئیں---- اس بات کا یقین اور ہونے والی گفتگو کیا ٹیپ بھی ہیں آ جائے----“

یاں بھائی نے آخری فقرے بڑے چبا چبا کر کہے تھے اس نے اپنی دانست میں انسپکٹر ے پاؤں تلے سے زمین سرکانے کی کوشش کی تھی لیکن انسپکٹر جمیل بھی آئی۔ ایس۔ ربیت یافتہ تھا اس نے اپنے ہوش و حواس برقرار رکھے۔

”میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا---- نہ ہی میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ پنے ساتھیوں پر بے اعتمادی کی جائے اس طرح تو ہم ایک دوسرے کی ٹوہ ہی لگاتے رہیں ور اپنی حفاظت سے غافل ہو جائیں گے بہر حال آج میں نے دو تین دکانداروں سے باتیں کی تھیں اور وہاں چائے کے ہوٹل میں موجود ایک نوجوان سے جو اس علاقے ے پہلی مرتبہ دکھائی دیا تھا اور وہاں چائے پینے بیٹھا تھا چند منٹ باتیں کی تھی اس کے ھا کسی سے نہیں ملا۔ انسپکٹر جمیل نے جواب دیا۔

”کون تھا وہ جوان؟

میاں بھائی نے فوراً اگلا سوال توپ کے گولے کی طرح اس کے دماغ پر داغا۔

”پنجاب سے آیا ہے بیچارہ---- خود کو ڈرائیور بتا رہا تھا اپنا نام اس نے غلام رسول تھا اور کہہ رہا تھا یہاں کسی کوٹھی میں شاید اسے ڈرائیور کی جگہ مل جائے---- چونکہ ا تعلق میرے ڈسٹرکٹ سے ہے اس کے لیے میرے دل میں خوامخواہ ہمدردی پیدا ہو ---- میں نے اس سے کچھ باتیں اس کے علاقے سے متعلق بھی کر لیں تاکہ وہاں کے کو حالات جان لوں اور اس سے جھوٹا وعدہ بھی کر لیا کہ میں اس کے لیے کوشش کروں اسے نوکری مل جائے“----

جمیل نے اطمینان سے کہا۔

”ہوں ں ں ں“----

میاں بھائی کی تشویش کچھ زیادہ ہی طویل ہو گئی تھی۔

”ظاہر ہے تم نے اسے یہاں کا ایڈریس بھی دے دیا ہو گا جہاں تم کام کرتے

ہو"---- اس نے بڑی مکاری سے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا دماغ خراب نہیں ہے میاں بھائی جی---- نہ میں کچی گولیاں کھیلا ہوں

اور ہاں جسکانی بھائی---- ٹھیک ہے تمہارے اپنے اصول ہوں گے۔"----

اس نے اچانک ہی اپنا رخ جسکانی کی طرف موڑ دیا۔

"لیکن میرے لیے یہ بات ناقابل برداشت ہے کہ کوئی میری وفاداری پر شک کر یوں بھی اپنے کسی بھی عمل کے لیے میں آپ کو تو جواب دے سکتا ہوں کسی اور کی میں برداشت نہیں کر سکتا---- اگر غلامی ہی کرنی تھی تو میں پولیس ہی میں رہتا اور اپ بھی کرتا رہتا---- ارے یار---- ہم تمہارے ساتھ اس لیے آیا ہے کہ تم آزاد آدمی ہے اور اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہا ہے---- لیکن ہمارے ساتھ یہ غلاموں والا سلو ٹھیک بات نہیں ہے"----

جسکانی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس کی ہاں میں ہاں ملائے۔ اس کے لیے میاں کے کسی بھی حکم سے سرتابی کا مطلب موت کے سوا کچھ نہیں تھا دوسری طرف وہ اپ جیسے جانثار ساتھی کو نظرانداز نہیں کر سکتا تھا جس نے اب تک تین مرتبہ تو عملاً جا کھیل کر اس کو پولیس کے شکنجے سے نکالا تھا اور اس کے ساتھ صرف اس لالچ پر؟ ہوا ت موقعہ ملتے ہیں جسکانی اور وہ دونوں پاکستان چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے----

"یار تم تو برا مان گئے---- بس ٹھیک ہے۔ مجھے یقین آ گیا"----

میاں بھائی بڑبڑا رہا تھا----

اس نے فی الوقت تو جمیل کو مطمئن کرنا ہی مناسب جانا تھا لیکن جمیل کی باتوں پر ا اعتبار نہیں تھا---- اس کے آدمی نے میاں بھائی کو مطلع کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان بسرے نے جس شخص سے باتیں کی ہیں وہ مشتبہ دکھائی دیتا ہے----

یہ ایجنٹ بھارتی باشندہ تھا----

"را" کا تربیت یافتہ جاسوس تھا----

کوئی مقامی ایجنٹ نہیں تھا جس کی اطلاع مشکوک ہوتی۔ شرما جانتا تھا کہ پاکستان داخل ہونے سے پہلے وہ لوگ اپنے کسی بھی ایجنٹ کو تربیت کے کن کن مراحل گزارتے ہیں اور اس کی ذہنی اور جسمانی تربیت کا نظام کتنا مضبوط ہے۔

ب ہے تم کافی بناؤ----"

ہ کر میاں بھائی باہر نکل گیا۔

برا مت ماننا---- تم جانتے ہو ان لوگوں سے ہی ہمیں مال ملتا ہے---- ان ہی ے ہمارے کام ہوں گے۔ اس مرحلے پر جب کہ میں بھی تمہاری طرح مفرور ہو کر پھر رہا ہوں اور کوئی؟ بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ ہماری خاطرخواہ ہلاک کر ان لوگوں پر ہی تکیہ کرنا پڑے گا اور ان کی تمام باتوں کو بھی صحیح جان کر ان کی ہاں ملانا پڑے گی۔ سمجھ گئے نا----"

نی نے جمیل کی طرف دیکھ کر ایک آنکھ دبائی۔

ب میں جمیل مسکرا کر رہ گیا----!

انی نے سمجھ لیا کہ علی مطمئن ہو گیا ہے۔

ن----

بول رہا تھا کہ انسپکٹر جمیل بھی آئی۔ ایس۔ آئی کا آفیسر ہے اور شرما کی طرح وہ بھی نہیں ہوا۔

کانی اسے کافی لانے کا کہہ کر جیسے ہی کچن سے ملحقہ کمرے میں پہنچا جہاں شرما اس کا عین انہی لمحات میں جمیل بھی بلی کی طرح پنجوں پر چلتا کمرے کے دروازے تک آ

دونوں باڈی گارڈ باہر دروازے پر پہرہ دے رہے تھے اور ڈرائیور اپنے کمرے میں تھا یہاں ان تینوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اس اطمینان کے بعد ہی اس نے کمرے کے ے کی جھری سے آنکھ لگائی تھی----

ل کے کان اندر سے پیدا ہونے والی کسی بھی آواز کو سننے کے لیے پوری طرح تیار

رے کا تھوڑا سا منظر اسے دکھائی دے رہا تھا۔

ل نے دیکھا سامنے والی کھڑکی کی طرف میاں بھائی منہ کیے کھڑا ہے اور جسکانی اس کے موجود صوفے پر بیٹھا تھا۔

اچانک ہی میاں بھائی نے گردن گھمائی اور جسکانی پر نظریں "تاڑ" دیں شاید اس نے

چند سیکنڈ میں کوئی اہم فیصلہ کر لیا تھا۔

"جسکانی بھائی---- اپنے بہرے کو آج ہی ٹھکانے لگا دو---- اب کے بھ کوٹھی سے باہر نہیں جانا چاہئے---- اسے فون تک بھی نہیں پہنچنے دینا---- کی کا رابطہ نہیں ہونا چاہئے---- اور ہاں اس کی لاش اس وقت ٹھکانے لگانا جب ہم یہا رخصت ہو جائیں---- مال تمہیں پرسوں شام کو ملے گا---- سمندری راستے سے سمجھ گئے نا---- میں آج شام کو نکل جاؤں گا---- تمہیں یہاں سے کہاں نقل ہ اس کی اطلاع میری روانگی سے پہلے تمہیں مل جائے گی۔ میری بات سمجھ گئے نا----"

اس کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ انسپکٹر جمیل کے کانوں کے راستے دماغ میں کر رہا تھا۔

وہ جان گیا تھا کہ اب نہ تو وہ اس کوٹھی سے قدم باہر نکال سکتا ہے نہ ہی ان سے سے سکتا ہے۔

لیکن----

آئی۔ ایس۔ آئی والے دشمن کی توقعات سے بڑھ کر ہوشیار تھے اور اس کے ممکنہ جامعیت کے خلاف انہوں نے شاندار منصوبہ بندی بھی کر رکھی تھی۔ اس نے ا سے کافی کے دو مگ تیار کیے اور کچن کے اس دروازے سے اسے اس بات کا علم تھا ک کے ساتھیوں نے دوربین سے یہاں نگرانی کی ہوئی ہے اور یوں بھی یہ ممکن بھی نہیں آئی۔ ایس۔ آئی کے لوگ اسے جہنم میں جھونک کر اس کی حفاظت سے ایک لمحے کے بھی غافل ہو جائیں----

ایک ہاتھ میں ٹرے پکڑے وہ کمرے کی طرف جا رہا تھا جبکہ دوسرے ہاتھ سے ا مخصوص انداز میں اپنے ساتھیوں کو سگنل دے دیا تھا کہ اس کی جان کو شدید خطرہ لا گیا ہے۔

دو مرتبہ اس نے یہ سگنل دہرایا تھا----

دوربین سے آنکھیں لگائے انسپکٹر نصیر کے ساتھی نے چونک کر اپنے آفیسر کو مخا تھا۔

"سر! بہرے نے دو مرتبہ "ایس۔ او۔ ایس" سگنل دیا ہے"----

اس نے اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"دہراؤ---- کسی طرح کا سگنل تھا"----

انسپکٹر نصیر نے مزید اطمینان کے لیے تصدیق چاہی۔

اس کے ساتھی نے جمیل کا سگنل دہرایا تو ایک لمحے کے لیے تو انسپکٹر نصیر کو بھی اپنے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی محسوس ہوئیں۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ان لوگوں کو شک ہو گیا ہے----

لیکن----

ابھی چند منٹ پہلے تک تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

ضرور ان دونوں کی ملاقات کوئی نوٹ کر رہا تھا----

ان کا کوئی مخبر مارکیٹ میں موجود ہے جو اس کوٹھی کے ملازموں کی نگرانی کر رہا ہے----

اس کے ذہن میں یکے بعد دیگرے کئی خیال آئے۔

کچھ بھی ہو اس نے سوچا سب سے پہلے میجر صاحب کو اس ہنگامی صورتحال سے مطلع کر کے ان سے ہدایات تو لے----

اس نے فوراً ہی ایک کونے میں رکھے دستی فون پر میجر افراسیاب سے رابطہ قائم کیا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے انسپکٹر جمیل کے ساتھ اپنی ملاقات سے اور اس کی طرف سے فراہم کردہ اطلاعات کی رپورٹ اسے دی تھی۔ اب جو اچانک دوبارہ اس کا فون آیا تو میجر افراسیاب چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

خیریت گزری کہ ان کے پاس موبائیل فون کا رابطہ موجود تھا ورنہ ایسے پیغامات میں معمولی تاخیر سے بھی انتہائی خطرناک صورتحال پیدا ہو سکتی تھی۔

"خیریت"----

اس نے انسپکٹر نصیر کی آواز سنتے ہی کہا۔

"سر! معاملہ بگڑ گیا ہے---- ایمرجنسی----"

انسپکٹر نصیر نے اسے بتایا کہ جمیل کی طرف سے دو مرتبہ ایس او ایس سگنل ملا ہے۔

کتنے بندے ہیں تمہارے پاس"-----

"ہم چار آدمی ہیں جناب اور ایک گاڑی"-----

انسپکٹر نصیر نے کہا۔

"تم یہیں رہو---- کوٹھی پر نظر رکھو---- فی الوقت باقی سب سے کہو کوٹھی گھیرے میں لے لیں معمولی شک گزرنے پر بھی اندر کود جانا---- خبردار! انسپکٹر جمیل کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے---- میرا مطلب سمجھ گئے نا---- اور ہاں میں خود اس طرف آ رہا ہوں۔ جب تک میں نہ پہنچوں تم معاملات پر کڑی نظر رکھنا"---- مجھے یہاں پہنچنے میں پندرہ بیس منٹ لگ جائیں گے۔"

میجر افراسیاب نے کسی بھی ایمرجنسی سے گھبرانا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کے لیے ایسے پیغامات معمول کی بات تھی۔ یہ اس کی خوبی تھی کہ سنگین صورت حال میں وہ نہ صرف اپنے ہوش و حواس قائم رکھتا تھا بلکہ اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بھی بڑھائے رکھتا تھا----

اس کے متعلق یہ بات کہی جاتی تھی کہ جتنی صورت حال خطرناک ہو اتنا ہی وہ خود کے لیے خطرناک ہو جاتا تھا----

انسپکٹر جمیل اس کی ایجنسی کا سرمایہ افتخار تھا----

یہ لوگ جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جہنم میں کود جاتے تھے اس کے لیے ہمیشہ سے واجب الاحترام رہے تھے۔

اس نے انسپکٹر جمیل کی زندگی کو لاحق خطرات کا علم ہوتے ہی خود میدان عمل میں اترنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

انسپکٹر نصیر پر اسے اعتماد تھا کہ وہ جیتے جی اپنے کسی ساتھی کو آسانی سے دشمن کے قبضے میں نہیں جانے دے گا۔

نصیر کو ہدایات دینے کے فوراً بعد اس نے اپنے ایمرجنسی سکواڈ سے رابطہ قائم کیا یہ لوگ آرمی کے تربیت یافتہ کمانڈوز تھے جنہیں بطور خاص کسی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے یہاں بلایا گیا تھا اور جو ہر وقت کسی بھی ہنگامی اطلاع پر کارروائی کے لیے تیار رہتے تھے۔

میجر افراسیاب نے ایمرجنسی سکواڈ کے انچارج کیپٹن کو کوٹھی کا نمبر اور عقب کی لوکیشن بتا دی تھی دوسرے ہی لمحہ وہ لوگ اپنے مشن پر چل پڑے تھے۔

کمانڈوز نے کوٹھی تک پہنچنے کے لیے ایک پرائیویٹ ویگن استعمال کی تھی جس پر وہ شہریوں کے لباس میں موجود رہتے تھے۔

ویگن کیپٹن صاحب خود چلا رہے تھے اور وہ آندھی اور طوفان کی رفتار سے اپنے ٹارگٹ کی طرف بھاگی چلی جا رہی تھی۔

اپنی منزل تک پہنچ کر انہوں نے ویگن کو اس طرح ایک طرف پارک کر دیا تھا کہ کسی کو ان پر معمولی سا شک بھی نہ گزر سکے۔

اب وہ ایک ایک کر کے اپنے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں اسلحہ چھپائے کوٹھی کو تو اس طرح گھیرے میں لے چکے تھے کہ نہ تو یہاں سے کوئی باہر جا سکتا تھا نہ ہی اندر آ سکتا تھا۔

کمانڈوز کے پوزیشن لینے کے چند منٹ بعد ہی میجر افراسیاب بھی وہاں موجود تھا اس نے دوربین سے خود حالات کا جائزہ لے کر اپنے ذہن میں ایک پلان بنا لیا تھا۔

برآمدہ خالی نظر آ رہا تھا جبکہ دونوں پہرے دار مستعدی سے اپنی اپنی جگہ موجود تھے۔

انسپکٹر جمیل نے دروازہ کھٹکھٹایا تو جسکانی نے خود دروازہ کھولا تھا۔

"کافی رکھ دو اور تم جا کر کھانا تیار کرو----"

جسکانی نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے کہا۔

انسپکٹر جمیل کی جہاندیدہ نظروں نے اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ جسکانی نے شرما کے حکم پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

لیکن----

اس بات کا اسے بھی بخوبی احساس تھا کہ وہ لوگ اندھیرا ہونے سے پہلے اس کی لاش غائب نہیں کر سکتے۔ اس لیے اسے مارنے کے فیصلے پر بھی شام سے پہلے عمل درآمد نہیں ہو سکے گا----!

چونکہ وہ اپنے کانوں سے سن چکا تھا کہ اس کے لیے اس گھر سے باہر جانے کے راستے بند ہیں اس نے بھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی---- اسے اس بات کی امید ضرور تھی کہ اس کا سگنل اس کے ساتھیوں تک پہنچ چکا ہو گا۔

ایک مرتبہ پھر اس نے بطور احتیاط کمرے سے برتن واپس لاتے ہوئے برآمدے سے گزرتے وقت اپنا مخصوص ایس او ایس سگنل دہرا دیا تھا۔ اس مرتبہ براہ راست یہ سگنل میجر

افراسیاب نے موصول کیا تھا۔

جس کے فوراً بعد وہ نیچے اتر آیا۔

کمانڈو پارٹی کا کیپٹن اس کے اشارے کا منتظر تھا۔۔۔۔

سڑک کے کنارے پہنچتے ہی میجر افراسیاب نے اسے اشارے سے اپنی طرف بلا لیا۔۔۔۔ دونوں بظاہر لاپرواہی سے ٹہلتے ہوئے اس ویگن کی طرف جا رہے تھے جس میں بیٹھ کر یہ لوگ یہاں تک آئے تھے۔

میجر افراسیاب اور کیپٹن دونوں ویگن میں داخل ہو گئے۔ دروازہ انہوں نے بند کر دیا۔

میجر صاحب نے ایک کاغذ پر موٹی موٹی لکیریں کھینچ کر اسے اندر کا نقشہ سمجھایا اس نقشے میں کوٹھی کے اندر موجود کمروں کی تعداد ان کے دروازے کھڑکیاں اور اس کمرے تک کی نشاندہی کی گئی تھی جس میں عموماً جسکانی بیٹھا کرتا تھا انسپکٹر جمیل کے ذریعے انہیں اس کوٹھی کے اندر کی تمام تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں انہوں نے چند منٹ پہلے تک اندر موجود دونوں مسلح پہرے داروں کی پوزیشن سے بھی انہیں آگاہ کر دیا تھا۔

کوٹھی میں موجود آدمیوں کی تعداد کے ساتھ انہوں نے انسپکٹر جمیل کی شناخت بتا کر اس کے کپڑوں کا رنگ بھی بتا دیا تھا اور کہا تھا ان کے ساتھی کو معمولی گزند بھی نہیں پہنچنی چاہیے۔

"آل رائیٹ سر! ایسا ہی ہو گا سر!۔۔۔۔

کیپٹن نے اپنی تربیت کے مطابق جواب دیا۔

"اچانک ہی ان کے کانوں میں سبزی پھل بیچنے والے کی آواز پڑی تھی۔ یہ لوگ ریڑھیوں پر پھل اور سبزیاں لگا کر ان علاقوں میں گھوما کرتے تھے اور کوٹھیوں کے دروازے کی گھنٹی بجا کر وہاں کے مکینوں کے ہاتھ تازہ پھل اور سبزیاں فروخت کیا کرتے تھے۔۔۔۔"

دونوں اس آواز پر چونکے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیئے۔ کیپٹن صاحب کو اس مسکراہٹ کا مطلب سمجھ آ گیا تھا۔

جیسے ہی ریڑھی والا ویگن کے نزدیک پہنچا انہوں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔۔۔

تھوڑی دیر بعد ریڑھی والا ویگن کے اندر میجر افراسیاب کے پاس موجود تھا جو اسے اپنی شناخت کروانے کے بعد اس سے قانون کی مدد کی درخواست کر رہے تھے اور یقین دلا رہے

تھے کہ اس کے نقصان کی اس کی توقعات سے بڑھ کر قیمت ادا کی جائے گی۔۔۔۔ پھل فروش بھی کوئی محب وطن غریب آدمی تھا جس نے چیں بچیں کرنے کے بجائے فوج کے ساتھ تعاون ضروری سمجھا۔

اس نے جان لیا تھا کہ یہ لوگ کوٹھی میں داخل ہونا چاہتے ہیں جہاں تخریب کار چھپے ہوئے ہیں۔

جمیل کو جسکانی نے اشارے سے اس کمرے میں بلایا تھا جہاں میاں بھائی ایک صوفے پر بیٹھا شراب پی رہا تھا اور اس کے سامنے میز پر بھرا ہوا پستول دھرا تھا۔

"علی بھائی"

کمرے میں داخل ہوتے ہی جسکانی نے بھی پستول ہاتھ میں پکڑ کر اس کی طرف لہراتے ہوئے کہا تم جانتے ہی ہو کہ ہمارے دھندے میں بعض فیصلے بادل نخواستہ بھی کیے جاتے ہیں۔ یہ بھی ایسا ہی فیصلہ ہے۔ تم میری مجبوری سمجھتے ہو گے دراصل میاں بھائی کو تمہاری باتوں کا یقین نہیں آیا۔ میاں بھائی میرا بھی باپ ہے۔ ان لوگوں کا ایک مخبر تمہاری اور اس آدمی کی ساری گفتگو سن چکا ہے جس کے بعد انہیں شک ہو گیا کہ جس آدمی سے تم ملے تھے وہ انٹیلی جنس کا بندہ تھا۔۔۔۔ جس کے بعد سے انہوں نے تمہیں قتل کر دینے کا حکم دیا ہے۔۔۔۔ دیکھو علی بھائی! ہم لوگ ایک عظیم مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں فرض کیا تم صحیح بھی ہو اور یہ اطلاع غلط بھی ہے تو بھی تم یہ فیصلہ قبول کر لو۔۔۔۔"

جسکانی کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ موجود تھی۔

جمیل جانتا تھا جب اس میں درندگی آ جایا کرتی تھی تب ہی ایسی مسکراہٹ اس کے چہرے پر جاگا کرتی تھی۔

"ہاں ہاں۔۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔۔ تم ایک عظیم مقصد کے لیے مرنے جا رہے ہو۔ میں نے جسکانی سے کہہ دیا ہے کہ تمہاری موت کے بعد تمہارے قتل کا الزام ہم پاکستانی سرکار پر لگا دیں گے۔۔۔۔ اور ہاں مرنے سے پہلے میں تمہیں بتا دوں کہ میرا تعلق "را" سے ہے۔۔۔۔ میں نے حکم دیا ہے کہ تمہاری لاش کی تصویریں میڈیا سے دکھائی جائیں گی اور ہم ساری دنیا کے سامنے چلا چلا کر تمہاری بے گناہی کا ماتم کرتے ہوئے

بتائیں گے کہ تم پر تشدد کر کے پاکستان انٹیلی جنس نے تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

دیکھو یار---- برا مت ماننا۔ اس سے ہمارے دونوں مقاصد پورے ہو جائیں گے ایک تو تحریک کو بہت عرصہ بعد ایک بڑا شہید مل جائے گا اور دوسری طرف ہمیں پاکستان کے خلاف عالمی سطح پر پرچار کرنے کا موقعہ ہاتھ آ جائے گا---- تمہاری عظیم شہادت کا فائدہ انقلاب کو پہنچے گا---- اور ہاں جسکانی کو اس چکر میں مزید ہمدردیاں حاصل ہو جائیں گی۔ تمہاری عظیم شہادت سے سبق حاصل کر کے بہت سے نوجوان تمہارے راستے پر چلنے کے لیے تیار ہو جائیں گے----"

اتنا کہہ کر میاں بھائی دیوانہ وار قہقہے بلند کرنے لگا۔

درندگی اس کے لعنتی چہرے پر سمٹ آئی تھی اور وہ قدیم زمانے کا کوئی پیشہ ور جلاد دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے اپنی بات مکمل کرنے پر شراب کا ایک اور گھونٹ اپنے حلق میں انڈیل لیا تھا۔

"ہاں! علی بھائی۔ ایک اور بات ان لوگوں نے تمہیں بڑی اذیت ناک موت دینے کا فیصلہ کیا تھا لیکن میں نے ان سے درخواست کی ہے کہ تمہیں سسکا سسکا کر نہ مارا جائے۔ تم ایسا کرو زہر پی لو----"

جسکانی نے اس کے نزدیک پہنچ کر اس کی آنکھوں کے سامنے پستول لہراتے ہوئے کہا۔

وہ وحشیوں کی طرح میاں بھائی کے قہقہوں میں اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

"جسکانی---- تم اپنے دوست کے لیے اپنے ہاتھ سے موت کا جام تیار کرو----"

میاں بھائی نے اس سے کہا۔

اب میاں بھائی نے اس کی طرف پستول تان لیا تھا اور جسکانی نے شراب کا ایک پیگ تیار کر کے اس میں قریب دھری ایک شیشی کا آدھا لیکوئیڈ انڈھیل دیا تھا۔

"معاف کرنا دوست مجھے علم ہے کہ تم نے آج تک شراب کے جام کو ہاتھ نہیں لگایا۔ چلو مرنے سے پہلے یہ گناہ بھی کر لو----"

جسکانی نے قہقہہ لگایا۔

دونوں شیطانوں کے قہقہوں سے کمرے کی چھت گونجنے لگی تھی----"

انسپکٹر جمیل کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا۔

"دیکھو جسکانی---- تمہاری حیثیت تو ایک زر خرید کتے سے زیادہ کچھ نہیں---- لیے میں تمہارے منہ نہیں لگ رہا---- لیکن تمہارے اس باپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ زندگی موت کا فیصلہ کوئی انسان کرنے کا اختیار ہی نہیں رکھتا---- یہ فیصلہ تو خدا کی ذات ہی کرتا ہے۔ اور ہاں---- میاں بھائی تم جو کوئی بھی ہو یہ بات غور سے سن لو کہ تمہارا شک بالکل درست ہے اور میں وہی ہوں جو تم سوچ رہے ہو---- میں گزشتہ چھ ماہ سے جسکانی کے ساتھ ہوں اور اس کے ایک ایک پل کی خبر ہمیں ہے---- اس پر ابھی تک اس لیے ہاتھ نہیں ڈالا گیا کہ ہم تمہارے تربیت یافتہ تمام چوہوں کو بل سے نکال کر گھٹیا موت مرنے پر مجبور کر دیں---- تم اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے ہو لیکن اب تمہیں علم ہو گیا ہو گا کہ تم پرلے درجے کے گدھے ہو---- اور جو تمہارے اشاروں پر بندروں کی طرح ناچ رہے ہیں وہ تم سے بھی بڑے گدھے ہیں---- یہ غدار اپنے انجام سے نہیں بچ سکیں گے۔ اس نے خود تو مرنا ہی تھا تمہیں اپنے ساتھ کتے کی موت مروا دے گا"----

انسپکٹر جمیل کی بات کے خاتمے پر ایک لمحے کی لیے میاں بھائی نے جسکانی کی طرف دیکھا یوں لگتا تھا جیسے اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا ہو----

"بکتا ہے سالا! مرنے سے پہلے پاگل ہو گیا ہے---- موت کے صدمے نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے"

جسکانی نے قہقہہ لگایا تو میاں بھائی کے تنے ہوئے اعصاب کچھ ڈھیلے ہو گئے تھے۔

اچانک ہی دروازے پر لگی کال بیل کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

اس کے ساتھ ہی پھل سبزی والا---- تازہ پھل سبزی والا---- کی آواز بلند ہوئی۔

"اسے بھی اس وقت مرنا تھا"----

جسکانی بڑبڑایا۔

گھنٹی کی آواز پر دروازے پر موجود پہرے داروں نے باہر جھانکا جہاں سبزی والا کھڑا تھا۔

وہ جانتے تھے جب تک اسے دروازہ کھول کر یہ نہیں کہیں گے کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں یہ کمبخت واپس نہیں جائے گا۔

ابھی یہ بھی خوف لاحق تھا کہ اگر اس نے دوسری گھنٹی بجائی تو جسکانی ان دونوں کی گھنٹی بجائے گا شراب نوشی کرتے ہوئے کسی بھی لمحے اس کا دماغ خراب ہونے کا خطرہ موجود رہتا تھا---

"ابے جا بے جا--- کچھ نہیں چاہیے۔"

ایک مسلح پہرے دار نے دروازہ کھول کر کہا۔ اچانک ہی وہ چونکا ریڑھی والے کے دونوں طرف اس کے دو اور ساتھی بھی موجود تھے جن کے ہاتھوں میں پکڑے ریوالوروں کا رخ اس کی طرف تھا۔

"کون ہو تم؟"

ابھی بمشکل اس کے منہ سے نکلا تھا جب ریڑھی والا ہوا میں اڑتا ہوا اس پر گرا اور اسے زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

دوسرے پہرے دار نے چاہا کہ کندھے سے لٹکی کلاشنکوف سیدھی کرے لیکن یہ حسرت اس کے دل ہی میں رہ گئی۔ اس پر بیک وقت دو کمانڈو جھپٹے اور بے چارے کو منہ سے آواز نکالنے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔

دونوں نے بے ہوش ہونے سے پہلے آخری منظر یہی دیکھا کہ برق رفتاری سے سات آٹھ کمانڈوز اندر بھاگے چلے جا رہے تھے۔

ان کے قدموں کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی لیکن چند لمحوں میں وہ موت کے فرشتوں کی طرح اپنی اپنی پوزیشن پر پہنچ چکے تھے۔

جسکانی کسی غیر ارادی خوف کے تحت اچانک ہی دروازہ کھول کر باہر کی پوزیشن دیکھنے لگا تھا جب اچانک اس پر آفت ٹوٹی۔

دروازے پر کھڑا کمانڈو اس پر آکٹوپس کی طرح جھپٹا اور اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

میاں بھائی نے چاہا کہ اپنے سامنے والا پستول اٹھا لے۔

لیکن---

انسپکٹر جمیل نے بجلی کی سی پھرتی سے اس کے سامنے رکھی میز کو زور دار ٹھوکر ماری اور میز الٹ گئی۔ پستول اور شراب کی بوتل فرش پر جا گری۔

میاں بھائی نے چاہا تھا کہ پستول جھپٹ لے لیکن اس کی یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ دروازے سے اندر داخل ہونے والے دوسرے کمانڈوز بجلی کی طرح اس پر لپکے انہوں نے اسے اس طرح جکڑا تھا کہ میاں بھائی زہر بھی پھانکنا چاہتا تو ایسا نہ کر پاتا۔ وہ اپنی مرضی سے جسم کو جنبش دینے کے لائق بھی نہیں رہا تھا---

اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر انہوں نے ایک چھوٹی سی مضبوط رسی سے اس طرح باندھ دیئے تھے کہ میاں بھائی گردن ہلانے کے لائق نہیں رہا تھا۔

"ویل ڈن جمیل"---

اچانک ہی میجر صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

ان کی شکل پر نظر پڑتے ہی انسپکٹر جمیل کا ہاتھ بے اختیار سلام کے لیے اٹھ گیا---

"کیوں میاں بھائی--- میں نے کیا کہا تھا--- میں نے تمہیں کہا تھا ناکہ زندگی اور موت کا فیصلہ انسان نہیں کرتے۔ تم نے دیکھ لیا ہم لوگ کتنے بیدار ہیں--- کتنے ہوشیار ہیں تمہیں میری پہلی بات کا یقین آگیا--- تم نے دیکھا کہ پاگل میں نہیں ہوا تھا--- پاگل تو تمہارے حکمران ہو گئے ہیں--- جنہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ شاید وہ تمہیں ایک چھوٹا اور کمزور ملک جان کر کھا جائیں گے--- لیکن وہ نہیں جانتے کہ ایک چھوٹی سی چیونٹی ایک پہاڑ جیسے ہاتھی کے لیے کیا مسائل پیدا کر سکتی ہے---"

انسپکٹر جمیل جوش غضب میں جانے کیا کچھ بولتا جا رہا تھا۔

"چلیئے مسٹر شرما--- ہم بھی بہت مدت سے آپ کے منتظر تھے"---

اچانک ہی جمیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے مطمئن رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے میجر افراسیاب نے میاں بھائی سے کہا۔

میجر افراسیاب کے منہ سے اپنا اصلی نام سن کر شرما کی رہی سہی ہمت جواب دے گئی اس نے مایوسی سے سر جھکا لیا---

تھوڑی دیر بعد ہی وہ آرمی کی ایک جیپ میں میجر افراسیاب کے ساتھ عازم سفر تھا۔ اس کے باقی ساتھیوں کو اس سے الگ کر دیا گیا تھا جبکہ جسکانی کو کمانڈوز اپنے ساتھ ہی ویگن میں بٹھا کر لے گئے تھے---

گرفت اور ملاپ

شرما کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہاں تک لایا گیا تھا۔

لیکن-----

اس کے دماغ پر کوئی پٹی نہیں بندھی تھی کہ وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو جاتا۔ اس نے اپنے مکمل ہوش و حواس کے ساتھ حملہ آواروں کے آفیسر کو اپنے نام سے خود کو مخاطب کرتے سنا تھا----- اس نے "علی بھائی" کو بھی جمیل کے نام سے مخاطب کیا تھا----

جسکانی نے تو اسے تین گھنٹے یہی سمجھانے میں لگا دیئے تھے کہ یہ شخص جو بیرے کے روپ میں یہاں موجود ہے اسکا نام علی ہے جو ایک مفرور قاتل ڈاکو اور اب اس کا جانثار ساتھی ہے جس نے دو تین مرتبہ اپنی جان پر کھیل کر اسے پولیس کے ہاتھوں مرنے سے بچایا ہے---- یہ شخص چھ ماہ سے جسکانی کے ساتھ تھا----

اب شرما کو اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ گذشتہ پانچ چھ ماہ سے ان کی طرف سے اتنی زیادہ امداد ملنے کے باجود ان کے تربیت یافتہ تخریب کار کوئی دھماکہ کیوں نہیں کر سکے تھے ان کے سارے منصوبے اتنی آسانی سے کیسے بے نقاب ہو جاتے تھے----!

یہ آئی۔ ایس۔ آئی والے بڑے خطرناک لوگ تھے----

اس کی توقعات سے کئی گناہ زیادہ ہوشیار اور مستعد تھے۔ انہوں نے "را" میں بہت دور تک رسائی حاصل کر لی تھی۔

شرما نام سے اسے مخاطب کرنے والا اس دنیا میں سوائے سوامی مہاراج کے اور کوئی نہیں تھا۔ سوامی مہاراج جو "را" کا بہت بڑا عہدے دار تھا اس کا "باس" بھی تھا۔

شرما کے تو کئی نام تھے۔

لیکن-----

اس کے انتہائی خاص لوگوں کو اس کے شرما ہونے کا علم تھا؟

کیا ان لوگوں کے ہاتھ سوامی مہاراج کی گردن تک پہنچ گئے ہیں؟

کیا انہیں "را" کے اس محفوظ ترین (Safe House) کا علم ہو گیا ہے؟

یہ لوگ وہاں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

شرما تو اس سوچ سے ہی لرز اٹھا کہ آئی۔ ایس۔ آئی کی رسائی سوامی مہاراج تک ہو گئی ہے کیونکہ "را" کا غیر ممالک میں بچھا ہوا جال اس آشرم کے سہارے چل رہا تھا۔ سوامی مہاراج کے ذریعے تو "را" غیر ممالک میں آپریٹ کرتی تھی----

اسے رہ رہ کر انسپکٹر جمیل کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

"جسکانی---- گدھے کے بچے تو نے ہمیں مروا دیا"

اس نے دل ہی دل میں جسکانی کو موٹی سی گالی دی اور عہد کیا کہ اگر وہ کبھی زندہ اپنے وطن پہنچ گیا تو جسکانی کو پاکستان جیل میں ہی مروا ڈالے گا خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

اسے راتوں رات آنکھوں پر پٹی باندھ کر نجانے کہاں پہنچا دیا گیا تھا۔ رات کو کسی نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اسے معمول کے مطابق اس کے سیل میں کھانا پہنچایا گیا----

شرما جانتا تھا کہ اس کے کسی سوال کا کوئی جواب یہاں سے نہیں ملے گا---- اس لئے اس نے کسی سے کوئی سوال نہیں پوچھا۔

دوسرے روز صبح ناشتے کے بعد اس کی ملاقات میجر افراسیاب سے ہوئی۔

"میرا خیال ہے مسٹر شرما آپ کو سوچنے سمجھنے کے لیے خاصا وقت مل گیا ہے"

اس نے شرما کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا۔

"دیکھو مسٹر! تم جو کوئی بھی ہو---- تم نے قانونی دستاویز پر سفر کرنے والے ایک غیر ملکی کو ناجائز حراست میں رکھا ہوا ہے اور یہ بین الاقوامی قوانین کی صریحاً خلاف ورزی ہے----"

شرما ابھی اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

"اچھا---- مسٹر شرما! تم نے بہت عقل مندی کی جو مجھے اس بات سے آگاہ کر
واقعی میں نے بڑی غلطی کی ہے۔ میرے خیال سے تمہیں رہا کر دینا چاہیے---- شاید اس
طرح ہماری غلطی کی تلافی بھی ہو جائے---- کیا خیال ہے تمہارا؟"

میجر افراسیاب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں آپ کو وارننگ دیتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تو اس کے خلاف
سفارتی سطح پر زبردست احتجاج ہو گا---- آپ لوگ مجھے جانتے نہیں---- میں کوئی
معمولی آدمی نہیں ہوں"----

شرما نے بظاہر اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"مسٹر شرما---- اب آپ یہ تو نہ کہتے کہ ہم آپ کو جانتے بھی نہیں---- اگر نہ
جانتے تو اتنی تکلیف ہی کیوں دیتے---- ہمیں اس بات کا بھی علم تھا کہ آپ کوئی غیر
معمولی آدمی نہیں ہیں۔ ہم نے اس بات کا اہتمام کر لیا ہے کہ آپ کی غیر معمولی حیثیت
کے پیش نظر آپ کو غیر معمولی موت سے دوچار کیا جائے---- مسٹر شرما! کیا خیال ہے
تمہیں اس بنگلے میں واپس لے جا کر سانپ سے ڈسوا دیں---- لیکن وہاں ہی کیوں کسی
فائیو سٹار ہوٹل کے کمرے میں کیوں نہیں سانپ تو کہیں بھی آ سکتے ہیں---- مسٹر شرما بچے
نہ بنو---- تمہیں علم نہیں کہ تم کہاں پھنس گئے ہو---- یہاں سے بچ کر نہیں جا
سکتے---- مجھے کل آنے والے مال کی جگہ کا پتہ چاہیے---- آج تم یہ بتاؤ گے---- یہ
میں کہہ رہا ہوں۔ تم نے اندزہ کر لیا ہو گا کہ ہم جو بات کہتے ہیں اسے منوانے کی ہمت بھی
رکھتے ہیں---- مسٹر شرما مجھے کل "را" کی طرف سے تخریب کاری کے لیے آنے والے
سامان کی تفصیل اور جگہ کا صحیح صحیح پتہ چاہیے---- مجھے تم---- اور ہاں---- یہ بات
ذہن میں رکھنا کہ ہم نے سوامی مہاراج کے آشرم میں آنے والے تم جیسے تمام گدھوں پر
مکمل نظر رکھی ہوئی ہے---- شرما! تم بھول رہے ہو کہ تمہارا مقابلہ کس قوم سے ہے۔"

اچانک ہی میجر افراسیاب کو ایک خیال سوجھا اور اس نے اندھیرے میں تیر چلا دیا۔

"بے وقوف تم لوگوں کو علم ہی نہیں کہ سوامی کے آشرم سے بھاگنے والی لڑکی گیتا سنگھی
ہمارے لیے کئی برسوں سے کام کر رہی تھی---- جب اس کا کام پورا ہو گیا ہم نے اسے
واپس بلا لیا---- جانتے ہو تم"----

شرما کے دماغ پر اس بات نے پوری قوت سے ہتھوڑا چلا دیا۔

"کیا گیتا سنگھی پاکستان انٹیلی جنس کے لیے کام کر رہی تھی؟

اس نے سوچا----

"تبھی تو وہ اس طرح آسانی سے نکل گئی---- مدن لال کو مار کر بھی نکل گئی----
مطلب ہے وہ دونوں جو اس کے ساتھ فرار ہوئے تھے دراصل اس کو نکالنے آئے
تھے---- اس کا مطلب ہے----؟

اس سے آگے اس کا دماغ شل ہو کر رہ گیا۔

میجر افراسیاب اس کے چہرے کی بدلتی کیفیات کا جائزہ بڑی باریک بینی سے لے رہا تھا۔
وہ جانتا تھا شرما کے اندر کیا جنگ چل رہی ہے----

"تم بالکل صحیح سوچ رہے ہو شرما---- وہ دونوں اس مشن پر گئے تھے"----

میجر افراسیاب کا دوسرا حملہ پہلے سے بھی زیادہ جاندار تھا----

"دیکھو مجھے کسی بات کا علم نہیں---- میں کچھ نہیں بتاؤں گا----

شرما نے پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے نہ بتاؤ---- جسکانی بتا دے گا---- میں تو تمہیں ایک موقعہ دینا چاہتا تھا
اپنے افسران کے دلوں میں تمہارے لیے کوئی رحم کی گنجائش پیدا کر سکوں---- مسٹر
شاید تمہارا دماغ اس صدمے سے ابھی تک سنبھل نہیں پایا---- تم نہیں جانتے کہ
تمہارے لیے کوئی قانونی گنجائش بھی باقی نہیں چھوڑیں گے---- مسٹر شرما! تمہیں گولی
ہم تمہاری لاش کو بھارتی ساحلوں کے نزدیک پھینک دیں گے---- بھارتی سرحد کے
پھینک دیں گے---- اور وہاں گولی بھی تمہیں بی۔ ایس۔ ایف (بارڈر سیکورٹی فورس)
رائفل سے ماری جائے گی---- تمہارے ملک کی سرحد کے کم از کم ایک کلو میٹر اندر
جا کر---- وہاں تم کون سے قانون کی رہائی لو گے---- ہم یہ سب کچھ کر سکتے
---- اگر اب تک تمہارے ساتھ نہیں ہوا تو اس لیے کہ میں "ڈیل" کرنا چاہتا
ہے----"

میجر افراسیاب نے اس کو ذہنی طور پر مفلوج کر دینے کے لیے بڑا زبردست نفسیاتی حملہ
تھا۔

"میں سوچتا ہوں----"

شرما نے اپنے سر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا۔

"سوچو----"

میجر افراسیاب نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

"لیکن یہاں نہیں---- مجھے تنہائی چاہئے----"

"ٹھیک ہے---- ہم تمہیں اکیلے بند کر دیتے ہیں----"

میجر افراسیاب مسکرایا۔

اس نے میز کے کونے پر لگا پش بٹن دبایا اور دو متعدد جوان اندر داخل ہو گئے۔

"اسے تنہائی چاہئے---- سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔"

اس نے اپنے جوانوں کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"او۔ کے سر"۔

ان میں سے ایک نے جواب دیا اور دوسرے نے شرما کا بازو پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا---- وہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہاں تک لائے تھے۔ اب اس طرح آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے واپس لے جا رہے تھے۔ انہوں نے شرما کو اسی بلڈنگ کا اندرونی حصہ دیکھنے کی بھی مہلت نہیں دی تھی۔

شرما کے ہاتھ پکڑ کر وہ اسے پانچ چھ منٹ تک چلاتے ہوئے ایک جگہ پہنچ کر رک گئے۔ انہوں نے شرما کے بازو چھوڑ دیئے تھے۔

"تین منٹ بعد اپنی آنکھوں کی پٹی اتار لینا---- خبردار! اگر اس سے پہلے اتاری تو زندگی بھر کے لیے اندھے کر دیئے جاؤ گے----"

شرما کو اپنے کانوں کے نزدیک سرگوشی سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی ٹھک سے لوہے کا دروازہ اس کے عقب میں بند ہو گیا----

شرما کے لیے تفتیش کا یہ طریقہ بالکل نیا اور بڑا اذیت ناک تھا ابھی تک کسی نے اسے ایک تھپڑ بھی نہیں مارا تھا اور وہ بوکھلا گیا تھا۔

اپنے اندازہ کے مطابق تین منٹ گزرنے کے بعد جب اس نے آنکھوں سے پٹی اتاری تو اسے یوں لگا جیسے وہ ساری زندگی کیلئے اندھا ہو گیا ہے---- اس کے چاروں طرف

ہی اندھیرا تھا----

پ سیاہ اندھیرا----

پہلے تو شرما نے بھی سمجھا کہ دیر تک آنکھیں بند رہنے کی وجہ سے اسے کچھ دکھائی دے رہا تھوڑی دیر بعد نارمل ہو جائے گا لیکن تین چار منٹ تک بھی جب اسے کچھ آیا تو وہ بوکھلا گیا۔

پاگلوں کی طرح اس نے تیزی سے چند قدم آگے بڑھائے تو اس کا سر کسی دیوار سے اور وہ گر پڑا----

انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں اس نے ہاتھوں سے دیواروں کو ٹٹولنا شروع کیا تو اسے اندھے ہونے کا یقین ہونے لگا---- اچانک ہی اس کے کانوں میں بھنبھناہٹ سی گونجنے

اب یہ بھنبھناہٹ نمایاں آواز میں بدل گئی تھی یہ دراصل میجر افراسیاب کے ساتھ اس فتگو کا ٹیپ تھا۔ جو رک رک کر چل رہا تھا جس میں میجر افراسیاب نے اسے بتایا تھا کہ کس طرح قانونی موت سے دو چار کیا جائے گا----!!

اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن بھی کہیں سے نہیں آ رہی تھی۔

شرما پر اچانک ہی پاگل پن کا دورہ پڑا---- اسے یوں لگا جیسے اس کا دم گھٹ جائے گا لہ سانس لینے کے لیے یہاں وافر مقدار میں ہوا موجود تھی---- اس نے دیوانہ وار چیخنا شروع کر دیا۔ وہ زور زور سے گلا پھاڑ کر گالیاں بک رہا تھا۔ پھر اس کی آواز بیٹھنے لگی۔

اچانک ہی وہاں جیسے ہزاروں سرچ لائٹیں ایک ساتھ جل اٹھیں----!

یہ منظر اندھیرے سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔

"شرما! تمہارے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی اور تم طبعی موت مر جاؤ گے۔ مجھے وہ بتا دو----"

ایک گونجدار آواز سنائی دی۔

"بتاتا ہوں---- بتاتا ہوں"----

شرما نے ہتھیار ڈال دیئے اس کی ساری توانائیاں ایک معمولی جھٹکے کا سامنا نہیں کر سکی ں۔

میجر افراسیاب ایک جوتا مارے بغیر اسے راہ راست پر لے آیا تھا۔ ابھی اس کے پا اور طریقے بھی موجود تھے۔ اسے زندگی میں بہت کم موقعوں پر مجرموں کے خلاف تھرڈ ڈگر کے طریقے استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

روشنیاں دوبارہ بجھ گئیں۔

اس مرتبہ جب روشنی ہوئی تو وہ معمول کے مطابق تھی شرما نے دیکھا وہ ایک کوٹھڑ میں بند ہے جس کا دروازہ بھی باہر سے لاک نہیں کیا گیا تھا کیونکہ یہاں کوئی پہرے دار بھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بس سیڑھیوں سے کسی کے اترنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

اگلے ہی لمحے وہی دونوں اس کے سامنے کھڑے تھے جو اسے یہاں لے کر آئے تھے۔ انہوں نے دوبارہ شرما کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور اسے میجر افراسیاب کے سامنے لے جا کر اس کی آنکھوں سے پٹی اتار دی۔

کمرے میں اب میجر افراسیاب اور شرما ہی اکیلے رہ گئے تھے۔ اس نے سمندری ساحل کے ایک خاص علاقے کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا تھا کہ وہاں کل رات کے دوسرے پہر ایک لانچ آئے گی جس سے تخریب کاری کا جدید سامان پاکستان میں موجود "را" کے ایجنٹوں کے لیے لایا جائے گا۔

وقت مقررہ پر میجر افراسیاب کے لوگوں نے لانچ کو تخریب کاری کے سامان سمیت قابو کر لیا۔

اسے جسکانی کے وہ ساتھی چلا کر لائے تھے جو ایک عرصہ سے مفرور ہو کر بھارتی انٹیلی جنس کے تربیتی کیمپوں میں پناہ گزین تھے۔

ان لوگوں نے ایسے ایسے انکشافات کیے تھے جنہیں سن کر دشمن کے مکروہ عزائم کا پتہ چلتا تھا۔

میجر افراسیاب تیسرے روز ان لوگوں کو شرما سمیت مناسب ہاتھوں میں سونپ کر خان صاحب کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

اس نے بطور خاص عذرا کا شکریہ ادا کیا تھا اور بتایا تھا کہ اسے شرما کے ذریعے اور کئی کامیابیاں بھی حاصل ہوئی ہیں۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر وہ عذرا کی ملاقات عالم شیر اور بشیر سے کروا دے گا۔۔۔۔

اب وہ اپنے اس وعدے پر عمل کرنے جا رہا تھا۔

یہ اس کے لیے کچھ مشکل کام نہیں تھا۔

بشیر اور عالم شیر کو ایک ماہ تک امریکہ اور وہاں موجود سوامی مہاراج کے آشرم سے متعلق ہر طرح کی معلومات بہم پہنچائی گئی تھیں۔۔۔۔

اس دوران ان کے پاسپورٹوں پر ویزے لگ چکے تھے اور اب وہ قریباً ڈیڑھ ماہ بعد امریکہ کے لیے عازم سفر تھے۔ انہیں کراچی سے فلائیٹ لینی تھی۔

اس عرصے میں عالم شیر نے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی گیتا نجلی کو فراموش نہیں کیا میجر کیانی نے اپنی ہر ممکن کوشش اس کی تلاش کے لیے جاری رکھی تھی۔ انہوں نے ور خاص سرحدی علاقے کے دونوں طرف اپنے ایجنٹوں کو ہدایت کی تھی کہ اگر ان کے ں اس سلسلے میں کوئی بھی اطلاع آئے تو انہیں فوراً مطلع کریں۔

لیکن۔۔۔۔

خدا جانے گیتا نجلی کو زمین کھا گئی یا آسمان نے نگل لیا تھا کہ اس کا کوئی سراغ ہی نہیں ل رہا تھا۔ میجر کیانی نے بالآخر نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو کر روپوش ہو گئی ہے اور نہیں چاہتی کہ اس کے متعلق کسی کو علم بھی ہو اگر وہ اس کی تصاویر بھی اخبارات میں شائع کروا ئے تو بھی شاید وہ ان سے رابطہ نہ کرتی۔

یوں بھی اب انہیں زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ عالم شیر اور بشیر کسی طرح امریکہ میں موجود سوامی مہاراج کے آشرم میں گھس جائیں اور وہاں آنے جانے والے پاکستانی غداروں پر نظر رکھ سکیں۔

"را" نے غیر ممالک میں جاسوسی اور تخریب کاری کا جال پاکستان کے خلاف پھیلا رکھا تھا اسے ننگا کرنا اب ان کے لیے ناگزیر ہو گیا تھا۔

وہ ایک پروفیشنل اور محب وطن انٹیلی جنس آفیسر تھا اور اپنی تربیت کے مطابق اس کی نظر ہمیشہ مقصد پر رہتی تھی۔

اب جو عالم شیر اور بشیر اپنے مشن کے لیے جا رہے تھے۔ ان کی شکلیں آج سے چار پانچ ماہ پہلے والے عالم شیر اور بشیر سے بالکل مختلف تھیں۔ اس ڈیڑھ مہینے کے دوران ان

کے چند دن پر خاص محنت کی گئی تھی۔

پاکستان انٹیلی جنس کی ہر ممکن کوشش تھی کہ دونوں کو آشرم میں ان کے شناسا بھی نہ پہچان سکیں اور اسے اس سلسلے میں خاصی کامیابی بھی نصیب ہو گئی تھی۔

دونوں دوسرے نام سے اور عالم شہری کی حیثیت میں سفر کر رہے تھے۔ لاہور سے کراچی پہنچنے پر انہیں فلائیٹ تبدیل کرنا تھی۔

لاہور سے جہاز اڑا اور دوپہر کو کراچی پہنچ گیا۔

ان کی فلائیٹ چونکہ رات گئے روانہ ہوئی تھی دونوں نے یہ وقت شہر میں گھوم پھر کر گزارنے کا ارادہ کیا تھا اور اب اپنا سامان لاکر میں رکھنے کے بعد ٹرمینل سے باہر ٹیکسی سٹینڈ کی طرف جا رہے تھے۔

ان کی نظروں کے سامنے ائرپورٹ لاؤنج کے آگے کاریں رکیں اور ان میں آنے والے اپنے مہمانوں کو سوار کرتے یا رخصت کر کے چلے جاتے۔

اچانک ہی ایک شاندار اور قیمتی کار نے دونوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ اس کار سے زیادہ ان کی دلچسپی اس کے سواروں میں تھی۔

عالم شیر نے دیکھا پچھی سیٹ سے ایک خوبصورت نوجوان اتر کر باہر آیا اور اس نے بڑے احترام سے اپنے ہمسفر کے لیے دروازہ کھول دیا۔

اس نوجوان کی ساتھی عورت کے وہاں موجود بہت سے لوگوں کو مبہوت کر کے رکھ دیا تھا اس نے نیلے رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی اور جب وہ وقار سے قدم بہ قدم چلتی لاؤنج کی طرف آ رہی تھی تو یوں دکھائی دیتا تھا جیسے آسمان سے اچانک کسی خوبصورت پری نے زمین پر چلنا شروع کر دیا ہو۔

عالم شیر کو بچپن میں پڑھی پریوں کی کہانیاں یاد آ گئیں اور اسے یوں لگا جیسے اس کے بچپن کا کوئی خواب زندہ ہو گیا ہو۔

ائرپورٹ کے لاؤنج میں آ گئی تھی۔

یہ پری کسی اور کی نہیں اس کے خوابوں کی ملکہ تھی۔

یہ اس کی گیتا نجلی تھی۔

جس کے بدن میں سنگیت کے سارے سر سما گئے تھے۔

جس کی ہر ادا سے سر اور لے کے ساگر بہتے تھے۔

جس نے عالم شیر کے ساتھ اپنی زندگی کا سب سے زیادہ بھیانک سفر طے کیا تھا۔ جسے اس نے عذرا کا نام دے کر اس کی کھوئی ہوئی شناخت واپس لوٹا دی تھی۔

لیکن----

یہ عذرا اب اس کی نہیں رہی تھی----

وہ بھیانک تجربہ'

وہ ڈراؤنا خواب'

وہ خواب جس میں ایک خوبصورت دنیا میں سفر کرتے کرتے اچانک مدتوں خوفناک جن کے شکنجے میں پھنس گئے تھے---- اور وہ خطرناک جن گیتا نجلی کو اس سے چھین کر لے گیا تھا۔ اس جن نے اپنی ایک ہی جادو کی پھونک سے ان دونوں کو اڑا کر الگ الگ دنیاؤں میں پھینک دیا تھا۔

یہ تھی گیتا نجلی کی دنیا----

قیمتی کار----

قیمتی لباس اور گلے میں نگینوں سے جڑا خوبصورت لاکٹ۔

ایک خوبصورت اور باوقار نوجوان کا ساتھ----

شاید اس کا شوہر ہو گا؟

عالم شیر نے سوچا----!

اگر یہ نوجوان گیتا نجلی کا شوہر ہے تو اس کا مطلب یہی تھا کہ قدرت نے اسے بہترین انعام سے نوازا ہے---- اس کی ساری زندگی کی تپسیا رس آ گئی تھی۔ قدرت نے اس کی جھولی میں پھل ڈال دیا تھا کہ اب شیرینیاں اس کے رنگ رنگ میں سما گئی تھیں۔

واقعی تم اسی انعام کے لائق تھی گیتا نجلی۔

قدرت کا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوا کرتا---- یقیناً تم اس قابل تھیں۔ شاید اس لیے قدرت نے تمہیں مجھ سے الگ کر دیا تھا----

گیتا نجلی میری تلاش کا سفر مکمل ہوا۔

میں نے تمہیں کھوج ڈالا---- مجھے علم ہو گیا میری محنت سپھل ہو گئی۔ مجھے احساس

ہو گیا کہ میں کبھی تمہارا ہم منصب نہیں تھا۔۔۔۔

شاید قدرت نے تمہیں اس خوبصورت اور باوقار نوجوان تک پہنچانے کے لیے میرا وسیلہ تلاش کیا تھا۔۔۔۔

آج سے پہلے میں ہی "کوریئر" (درمیانی رابطہ) کا فریضہ انجام دیتا آیا ہوں۔

اب بھی قدرت نے مجھ سے یہی کام لیا۔۔۔۔

خدا کا شکر ہے گیتا نجلی تم بحفاظت اپنوں تک پہنچ گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے امانت کو اس کے حقداروں تک پہنچا دیا۔

گیتا نجلی اس نوجوان کے پہلو میں چل رہی تھی۔

دونوں شاید اپنے کسی مہمان کو لینے آئے تھے اور اب اس سمت جا رہے تھے جہاں فلائٹ سے آنے والے مسافر برآمد ہوتے تھے۔

نوجوان شاید اس شہر کی کوئی جانی پہچانی شخصیت تھا کیونکہ عالم شیر نے اب تک کئی ہاتھ اسے دیکھ کر ماتھے کو چھوتے دیکھے تھے۔

اس کے لئے یہاں موجود بہت سے لوگوں کے دلوں میں بے حد احترام موجود تھا۔ سب اسے تعظیم دے رہے تھے۔

عالم شیر کے آگے چلنے والے ایک شخص نے جو شاید مقامی انتظامیہ کا کوئی آفیسر تھا۔ اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی "خان صاحب" کا نعرہ لگاتا آگے بڑھا اور احترام سے ان سے ہاتھ ملا کر واپس آ گیا۔ دونوں اب اپنے مسافر ساتھی کے منتظر تھے۔۔۔۔

اس درمیان عالم شیر اور بشیر دونوں ہی لاؤنج میں لگے لوہے کے جنگلے کا سہارا لیے ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے۔۔۔۔

بشیر بھی شاید عالم شیر کی طرح تذبذب کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔

اسی اثناء میں انہوں نے ایک بزرگ خاتون کے ساتھ انہیں واپس لوٹتے دیکھا جس کے ہاتھ میں پکڑا چھوٹا سا بیگ کسی اور نے احتراماً" پکڑ لیا تھا۔

تینوں آپس میں بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔ اس درمیان بزرگ خاتون نے گیتا نجلی کا ہاتھ پکڑے رکھا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر گیتا نجلی کے لیے شفقت کا بے پایاں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔۔۔۔ اپنی کار تک چھوڑنے کے لیے بہت سے لوگ جلوس کی شکل

احتراماً" ان کے پیچھے چلتے آئے تھے کار کا دروازہ باوردی شوفر نے کھولا۔

بزرگ خاتون گیتا نجلی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے لگیں تو اچانک ہی بشیر نے یوں اٹھایا جیسے اب تک زمین کے ساتھ کسی نے جادو سے اس کا پاؤں جکڑ دیا ہو۔ اور اب اسے رہائی مل گئی تھی۔

اس نے چاہا تھا کہ آگے بڑھ کر گیتا نجلی کو آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کرے۔

لیکن۔۔۔۔

عالم شیر کے مضبوط ہاتھ کی گرفت نے اسے ناکام بنا دیا۔۔۔۔

اس نے بشیر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ بشیر نے گردن گما کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔۔ بھئی یہ گیتا نجلی ہے۔۔۔۔ عالمے تمہاری گیتا نجلی ہے یہ۔۔۔۔"

اس نے کہا۔

"نہیں بشیرے۔ یہ گیتا نجلی تو ہے۔ لیکن میری نہیں۔ میرا تو پہلے بھی اس پر کوئی نہیں تھا۔ جس کی تھی اس تک پہنچ گئی۔ بشیرے! ہم تو پانڈی لوگ ہیں۔ مال ادھر ادھر لے اور لے جانے والے ہمارا کام تو یہی ہے کہ امانت کو اس کے مالکوں تک پہنچا۔۔۔۔ گیتا نجلی جن کے لیے تھی ان تک پہنچ گئی۔۔۔۔"

عالم شیر یوں بڑبڑا رہا تھا جیسے کسی نے اسے ہپناٹزم کر دیا ہو۔۔۔۔

"عالمے ہوش کر یار۔۔۔۔ وہ چلی جائے گی۔۔۔۔"

اتنا کہہ کر بشیر نے چاہا کہ اس کا ہاتھ الگ کر کے آگے بڑھے۔

لیکن۔۔۔۔

اس کے آگے بڑھنے سے پہلے گاڑی چل دی دیکھتے ہی دیکھتے ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔۔۔۔

"عالمے تو نے یہ کیا کر دیا یار۔۔۔۔ یار مہینے سے ہم گیتا نجلی کے لیے پاگل ہو رہے۔۔۔۔ دکھائی دی ہے تو تو نے۔۔۔۔؟"

"بشیرے! اب اس بات کو بھول جا۔۔۔۔ بس مجھے اطمینان ہو گیا کہ گیتا نجلی محفوظ۔۔۔۔ شاید اس کی شادی ہو گئی ہے۔۔۔۔"

عالم شیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"ایک منٹ ٹھہرو---"

اتنا کہہ کر بشیر نے اچانک ہی اس آدمی کو اپنی طرف مخاطب کیا جو انہیں کار تک چھوڑنے کے بعد واپس آ رہا تھا۔

"بھائی صاحب--- معاف کیجئے۔"

"جی---"

اس شخص نے جو ائرپورٹ سٹاف کا بھی کوئی بڑا آفیسر دکھائی دے رہا تھا اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دراصل ہم ایک مسئلے میں پھنس گئے ہیں--- ہم نے ان صاحب کو کہیں دیکھا ہے۔ یاد نہیں آ رہا تھا"---

بشیر نے اسے کریدنا چاہا۔

"آپ کیا اس شہر میں رہتے ہیں؟"

اس شخص نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

"جی نہیں--- ہم بزنس مین ہیں۔ اسلام آباد میں رہتے ہیں یہاں آنا جانا لگا ر ہے"

بشیر نے جواب دیا۔

"برادر یہ اس شہر کی بہت بڑی شخصیت ہیں۔ بیرسٹر انور خان کو نہیں جانتا۔ وہ ا والدہ کو لینے آئے تھے۔ ان کی والدہ بھی یہاں کے مشہور کالج کی پرنسپل ہیں۔

بڑی مشہور فیملی ہے---"

اس شخص نے تعارفی انداز میں بتایا۔

"شاید شادی خان صاحب کے ساتھ ان کی مسز تھیں"---

بشیر نے اپنی دانست میں بڑے مہذب لہجے میں کہا۔

"آپ کے خیال میں اور کون ہو سکتی ہیں--- میں نے آپ کو بتایا نہیں کہ یہ بہ معزز اور شریف لوگ ہیں کمال ہے--- آپ عجیب آدمی ہیں"---

اس شخص کو شاید انور خان سے متعلق ان کی جستجو ایک آنکھ نہیں بھائی تھی خصوصاً

سوال پھر تو اسے غصہ آ گیا تھا۔

"برا مت مانیے جناب--- ہمیں غلط فہمی ہوئی۔ یہ وہ صاحب نہیں جنہیں ہم کر رہے ہیں۔"

عالم شیر نے معاملہ ٹھنڈا کرنے کے لیے مداخلت کی اور بشیر کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گیا۔

"آ جاتے ہیں منہ اٹھا کر--- گدھے کہیں کے۔

وہی شخص بڑبڑایا اور دوسری طرف چل دیا۔

"بشیرے! اتنا کافی ہے--- میرے خیال سے ہمیں اب اور جستجو نہیں کرنی چاہئے۔"

عالم شیر نے اسے ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

"عالم! یار تجھے غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے اس نے شادی نہ کی ہو--- ہے کہ وہ اس خاندان کے پاس پناہ حاصل کر کے ایک گھریلو ممبر کی حیثیت سے رہ رہی ---"

بشیر ابھی تک ناامید نہیں ہوا تھا۔

"بشیرے میری بھائی--- تو میری بات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا۔ مجھے گیتا سے شادی نہیں کرنی--- میری پریشانی اس کی سلامتی تک تھی۔ یہ بات تو ثابت ہے وہ نوجوان اس کے ساتھ ایک گھر میں رہتا ہے--- اگر اس نے شادی نہیں بھی کی تو میری خدا سے یہی دعا ہو گی کہ اس کی شادی اس نوجوان سے ہو جائے--- بشیرے تم ں کی عظمت کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے--- اس نے درندوں کے درمیان نے ایمان کو سلامت رکھا اور اس امید پر زندہ رہی کہ اپنے اصل کی طرف لوٹے گی--- ج قدرت نے اسے یہ موقعہ دیا ہے--- اور اب قدرت اسے اس کی ریاضتوں کا پھل نے والی ہے تو ہم کون ہوتے ہیں کہ درمیان میں کود پڑیں--- میں بشیرے--- یہ یادتی ہو گی--- اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کسی بڑے انعام سے نوازنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اسے محروم رکھنے والے کون ہوتے ہو"---

بشیرے کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ عالم شیر کا کیا علاج کرے۔

اسے تو یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے عالم شیر کا دماغ ہی خراب ہو گیا ہو--- ایسا بے

وقوف شخص اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔

"عالمے---- تمہارے حواس تو قائم ہیں نا---- میرے یار یہ قربانی وغیرہ کے چکر میں نہ پڑو ساری زندگی----"

"بشیرے! اگر تم میرے دوست ہو تو دوبارہ اس موضوع پر بات نہ کرنا۔ میری درخواست ہے----"

عالم شیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اس کے چہرے کی سنجیدگی اس کے ارادے کی مضبوطی کی غماز تھی---- عالم شیر اس کی توقعات سے بڑھ کر عظیم ثابت ہوا تھا----

اس کی شخصیت کے یوں تو کئی پہلو تھے لیکن یہ پہلو بشیر کے لیے بڑا چونکا دینے والا تھا۔ اس نے اس نوعیت کی جذباتی قربانیوں کی کہانیاں ناولوں میں پڑھی تھیں یا شاید فلموں میں دیکھی تھیں۔

اس کا عملی مظاہرہ آج زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا تھا----

عالم شیر کی طرف دیکھ کر اس نے احتراماً نظریں جھکا لیں اور ٹیکسی سٹینڈ کی طرف چلنے لگا---- دونوں ایک ٹیکسی کے ذریعے صدر آ گئے تھے۔

شام تک کا وقت انہوں نے یہیں گھومنے پھرنے میں گزارا پھر سمندر کنارے ٹہلتے رہے اور مقررہ وقت سے پہلے واپس ائرپورٹ پہنچ گئے----

رات کے آخری پہر میں وہ پی۔ آئی۔ اے کی ایک پرواز کے ذریعے نیویارک کی طرف عازم سفر تھے بشیر نے محسوس کیا تھا کہ اس درمیان عالم شیر نے گیتا نجلی یا اپنے ماضی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

لیکن----

بظاہر نارمل دکھائی دینے والے اس کے جگری یار کے اندر کیا کیا طوفان جنم لے رہے تھے اور اپنے جذبات کے جوار بھاٹا میں بہنے کے باوجود اس نے کمال ضبط سے خود پر قابو پائے رکھا۔ اس مرحلے پر اپنے دوست کے سامنے کسی بھی جذباتی کمزوری کا مظاہرہ کر کے خود اپنی نظروں میں گرنا نہیں چاہتا تھا۔

اب تو بشیر کو یقین ہونے لگا تھا اور عالم شیر نے کوئی جذباتی فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ بہت

سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا اور اب اس پر قائم بھی تھا----

ان کے ساتھ مختصر سا سامان تھا----

نیو یارک پر انہیں لینے کے لیے ان کے میزبان موجود ہوتے دونوں کو اس بات کا اطمینان تھا کہ اب وہ ایک بڑے اور عظیم مقصد کے لیے امریکہ کی طرف محو سفر تھے۔

جہاز کی کھڑکیوں سے باہر کا منظر بڑا بھلا دکھائی دے رہا تھا۔

آسمان پر اتنے زیادہ ستارے اور ایسا بھرپور چاند انہوں نے زندگی میں شاید پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

جہاز تاروں بھرے آسمان کے درمیان تیرتا چلا جا رہا تھا۔

کرنل صاحب کے سامنے میجر افراسیاب کی طرف سے شرما کی گرفتاری کی ساری کہانی اس کی طرف سے ہونے والے انکشافات سمیت موجود تھی۔

میجر افراسیاب نے شرما تک پہنچنے کے لیے اپنے دوست انور خان کی اطلاع اور اس اطلاع کا پس منظر گیتا نجلی کی مکمل کہانی کے ساتھ بیان کیا تھا۔ گیتا نجلی کی تصویر اس نے ساتھ ہی روانہ کی تھی اور کرنل صاحب قدرت کے اس کھیل پر دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے کہ وہ بچھڑے ہوؤں کو بسا اوقات کس طرح اچانک ملا دیا کرتی ہے۔

میجر کیانی اور میجر کیانی کے انٹیلی جنس یونٹس کی طرف سے ہیڈ کوارٹر کو بھی کہانی تصاویر سمیت اس درخواست کے ساتھ موصول ہوئی تھی کہ کسی بھی یونٹ کی طرف اگر گیتا نجلی کے متعلق کوئی اطلاع ملے تو فوراً انہیں مطلع کیا جائے۔

کرنل صاحب کو اس بات کا بھی علم تھا کہ عالم شیر تو ایک اہم مشن پر ملک سے باہر بھی جا چکا ہے۔

"چلو اچھا ہوا---- جب اسے خبر ملے گی تو بے چارہ خذش ہو جائے گا"----

انہوں نے اپنی تربیت کے مطابق عالم شیر کے موجودہ انچارج آفیسر میجر کیانی کو یہ سرپرائز دینے کے لیے اپنے پاس ہیڈکوارٹر میں طلب کر لیا تھا----

"لو بھئی---- تمہارے سوامی کا ایک اور گورکھ دھندہ سامنے آیا ہے اور تمہارے لیے ایک بڑی اور چونکا دینے والی خبر بھی"----

یہ کہتے ہوئے انہوں نے فائل میجر کیانی کی طرف بڑھا دی۔

"کیونکہ تم کیس انچارج ہو---- اس لئے اس معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے کے لئے تمہاری پوزیشن زیادہ بہتر ہے---- صرف ایک بات ذہن میں رکھنا کہ سوامی کے اس بین الاقوامی فراڈ کی نشاندہی کے لئے فی الوقت عالم شیر سے بہتر کوئی آدمی نہیں---- اسے سوامی کے نزدیک رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور اپنے کچھ غداروں کے ان لوگوں سے میل میلاپ کے متعلق زیادہ بہتر اندازہ وہی لگا سکے گا---- تم تو جانتے ہو کہ ان آستین کے سانپوں کو ان کے بل سے نکال کر باہر لانا ہماری سلامتی کے لیے کتنا ضروری ہے "Any way all the best" اتنا کہہ کر کرنل صاحب نے میجر کیانی کو طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

میجر کیانی نے ان سے ہاتھ ملایا ور فائل بغل میں دبا کر باہر آ گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوسرے کمرے میں اطمینان سے ساری فائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔

فائل مکمل پڑھنے کے بعد انہوں نے ایک طویل سانس لیا۔

"خدایا! تیرا شکر ہے یہ لڑکی مل گئی---- اور اس کے ساتھ شرما کی صورت میں ایک بڑا تحفہ بھی مل گیا ہے"----

انہوں نے دل ہی دل میں کہا۔

اچانک ہی قریب رکھے فون کی گھنٹی بجی ان کا ماتحت لائن پر تھا۔

"سر! (ABROAD) سے نیوز ہے---- پارسل پہنچ گئے ہیں خیریت سے---- رات کو آپ سے بات کریں گے"----

"او۔ کے۔ تھینک یو۔"

میجر کیانی نے فون رکھ دیا۔

اس پیغام کا مطلب وہ سمجھ گیا تھا۔ عالم شیر اور بشیر اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے اور اب رات کو اس سے بات کرنے والے تھے۔

"ویل۔ ویل۔ جنٹل مین تمہارے لیے بڑی خبر ہے میرے پاس"----

وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد آرمی کے ایک جہاز میں وہ اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔ شام ڈھلنے

لاہور اپنے آفس میں پہنچ چکے تھے جہاں رات کو انہیں عالم شیر سے فون پر بات کرنا

ت مقررہ پر ان کا فون آ گیا---- عالم شیر ہی لائن پر تھا۔ میجر صاحب نے پہلے ان کی خیریت دریافت کی پھر مطلب کی بات پر آ گئے۔

"عالم شیر---- ایک زبردست خبر ہے تمہارے لیے سنو گے تو خوش ہو جاؤ

——

انہوں نے کہا۔

"سر! میں جانتا ہوں---- جو خبر آپ مجھے سنانے جا رہے ہیں وہ میں نے اپنی آنکھوں یکھ لی ہے مجھے بھی اس سلسلے میں ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

عالم شیر کی بات نے میجر کیانی کو گڑبڑا کر رکھ دیا۔

"میں سمجھا نہیں یار کیا پہلیاں بجھوا رہے ہو"----

انہوں نے کہا۔

"سر! اگر آپ گیتا سنجلی کی خبر دینے والے ہیں تو میں نے اسے کراچی ائرپورٹ پر اس خاندان کے ساتھ دیکھا تھا---- کیانی صاحب! میری درخواست ہے کہ اب اس CHAPT کو بند ہی کیجئے۔ مجھے اس سے زیادہ ہرگز نہ پہلے خواہش تھی نہ اب ہے نہ یں یہ چاہوں گا کہ اسے میرے متعلق کچھ بتایا جائے---- سوائے اس کے کہ میں ملک ڑ کر جا رہا ہوں اور اب کبھی واپس نہیں آؤں گا---- سر! یہ کچھ سیکورٹی پوائنٹ آف ے بھی بہت ضروری ہے"----

عالم شیر بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"یار کیا مذاق کر رہے ہو؟----"

میجر کیانی کو اس کی بات کی سمجھ تو آ رہی تھی---- یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اچھا بشیر کو فون دو----"

انہوں نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بشیر سے اس موضوع پر بات کر رہے تھے کہ جس نے ائرپورٹ والا ہ تفصیلاً" دہرا کر اپنی عالم شیر کے عزم سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نے جو کہا ہے وہ

کھوکھلی بات نہیں---- واقعی وہ بھی کچھ چاہتا ہے----

اس نے میجر صاحب کو بتایا تھا کہ اس نے عالم شیر کو ہر طرح ٹوہ کر دیکھ لیا ہے وہ اپنے فیصلے پر اٹل اور قائم ہے اور اس سلسلے میں مزید بات بھی نہیں کرنا چاہتا----!

میجر کیانی کی دلی خواہش تو یہی تھی کہ وہ ذہنی طور پر مطمئن ہو کر کام کرے-- انہیں یوں بھی گیتا نجلی سے زیادہ اس مشن کی کامیابی سے غرض تھی۔

لیکن----

اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے ہوئے انہوں نے دوبارہ عالم شیر سے بات کی۔

آدھا گھنٹہ باتیں کرنے کے بعد انہیں اس بات کا یقین آگیا تھا کہ عالم شیر اس دنیا کا باشندہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ضرور اس کا تعلق کسی دوسرے سیارے سے ہے کیونکہ کسی انسان سے اس نوعیت کی قربانی کی توقع اس دور میں کرنا عبث ہے۔

ان کے دل میں عالم شیر کے لیے پہلے سے موجود احترام کئی گنا بڑھ گیا تھا۔

دوسرے روز وہ ایک پرواز سے کراچی جا رہے تھے۔

کراچی ائرپورٹ پر میجر افراسیاب جو انٹیلی جنس کے مقامی یونٹ کا کمانڈر تھا اپنے دوست کے استقبال کے لیے موجود تھا۔

دونوں افراسیاب کے آفس میں آگئے تھے جہاں وہ تھوڑی دیر بعد افراسیاب کے سامنے عالم شیر' گیتا نجلی اور بشیر کی تصاویر رکھے اس کہانی کا وہ حصہ سنا رہے تھے جو ابھی تک افراسیاب تک نہیں پہنچا تھا۔

"ہوں ں ں ں----"

میجر افراسیاب نے کہانی کے آخر میں لمبا سانس لیا۔

"افراسیاب! دیکھو یار میں تو ان معاملات کو اتنا سیریس نہیں لیتا---- ہمارے نزدیک ڈیوٹی سب سے زیادہ اہم ہے اور اب اس سوامی مہاراج کے چکر میں ہی ہم نے اسے باہر بھیجا ہے---- اس بات کی تو تمہیں سمجھ آ ہی گئی ہے کہ اس شیطان پر نگرانی کی۔ ضروری ہے۔ میں نے ہر طرح پرکھ کر دیکھ لیا ہے کہ عالم شیر نے جو کچھ کہا ہے وہ اس پر قائم ہے اس بات کا علم تو مجھے تم سے ہوا ہے کہ اس لڑکی نے ابھی تک تمہارے دوست سے شادی

ں کی---- میرے خیال سے عالم شیر کا فیصلہ صحیح نہیں ہے اگر اس لڑکی کی عظمت کو ا جائے تو وہ واقعی اس قابل ہے کہ اس کی شادی تمہارے دوست سے ہو جائے---- اس معاملے کو تم نے ہینڈل کرنا ہے---- اس تک یہ پیغام پہنچ جائے کہ عالم شیر اس خیریت سے آگاہ ہے لیکن کوشش کرنا کہ وہ تمہارے دوست کے ساتھ ہی رشتہ ازدواج منسلک ہو جائے---- میرا اندازہ ہے کہ تمہارے دوست کو بھی یہی خواہش ہے اور ب سے بڑھ کر یہ کہ عالم شیر کی یہ خواہش ہے---- مجھے امید ہے کہ تم اس معاملے کو بھالو گے"----

میجر کیانی نے اپنی بات کے خاتمے پر گیند افراسیاب کی کورٹ میں پھینک دیا تھا۔

"کیانی یار---- انور خان میرا بچپن کا دوست ہے۔ تم نے زندگی کا بڑا حصہ اکٹھے لزارا ہے---- میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ زندگی میں وہ اگر کسی لڑکی سے متاثر ہوا ہے تو ں کا نام عذرا ہی ہے---- لیکن اسے اس بات کا بھی علم ہے کہ عذرا کے دل میں عالم یر کے لیے بھی جگہ موجود ہے---- وہ بڑا عظیم انسان ہے۔ جب تک اسے قائل نہ کیا ائے کہ گیتا نجلی کی بھلائی اس کے ساتھ شادی میں ہے---- وہ نہیں مانے گا---- بہر ل مجھے عالم شیر کے اس فیصلے سے خوشی ہوئی ہے اور میں کوشش کروں گا کہ انور خان کو مجھا سکوں۔ میں گیتا نجلی کو بھی سمجھانے کی کوشش کروں گا----"

افراسیاب نے کہا۔

"یار ہم فوجی لوگ ان معاملات میں ذرا کورے ہی ہوتے ہیں بس تم خود سمجھدار ہو اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں"----

میجر کیانی نے کہا۔

دونوں تھوڑی دیر بعد شرما سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے جسے "لاک اپ" میں رکھا گیا تھا۔

شرما کے ساتھ کچھ دیر گفتگو اور اس کی طرف سے بتائی گئی اطلاعات کو جاننے کے بعد میجر کیانی کو اس بات کا اندازہ بخوبی ہو چکا تھا کہ ان کا واسطہ کس نوعیت کے شیطانوں سے ہے۔

بھارتی انٹیلی جنس "را" پر پاکستان کو تباہ کرنے کا جنون سوار ہو چکا تھا۔ وہ ملک جو

لاکھوں جانوں کی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا تھا۔ اس ملک میں اچانک ہی غداروں نے جنم لینا شروع نہیں کر دیا تھا۔

محب وطن اور سیدھے سادے پاکستانیوں کو غداروں کی راہ پر ڈالنے کے لیے "را" نے بڑی جدوجہد کی تھی۔

بڑے پاپڑ بیلے تھے۔

انہیں بڑے بڑے خواب دیکھا کر گمراہ کیا تھا۔

اور----

اب یہ نوبت آگئی تھی کہ وہ لوگ جن کے آباؤ اجداد نے اس ملک کے لیے بے تحاشہ قربانیاں دی ہیں اپنا خون بہایا تھا ان کی اولادیں ہی اس کی سلامتی کو ڈسنے لگی تھیں۔

شرما جیسے "را" کے آفیسر مہم کے نگران تھے۔

یہ لوگ آئے روز پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں دھماکے کروا کر ان لوگوں کی برین واشنگ کر رہے تھے اور ان پر ثابت کرنا چاہتے تھے کہ وہ جب چاہیں گے اس ملک میں تخریب کاری کروا کر اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر سکیں گے۔

میجر کیانی نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی اسے پہچان لیا تھا۔ ناصر نے اسے جن خطرناک "را" کے آفیسروں کی تصاویر مہیا کی تھیں ان میں ایک یہ شرما بھی تھا۔ پاکستان انٹیلی جنس ان لوگوں کے عزائم سے ہمیشہ باخبر رہتی تھی تاکہ ان کے کچھ کرنے سے پہلے ہی انہیں ان کے گھناؤنے عزائم سمیت جہنم رسید کیا جا سکے----

اگلے روز صبح کی پرواز سے وہ اپنے آفس میں واپس پہنچ گئے۔ اب ان کی ساری توجہ عالم شیر کی طرف مبذول تھی۔

عالم شیر کی طرف سے اطلاعات ملنے پر ہی انہیں غداروں اور ان کی غداریوں کی مزید تفصیلات میسر آگئی تھیں۔

افراسیاب کی آمد معمول کے مطابق اچانک ہی ہوئی تھی۔ وہ اکثر اس طرح یہاں آیا کرتا تھا کیونکہ اس شہر میں خان صاحب کا گھر اس کے اپنے گھر کی طرح تھا۔

"یار کبھی ڈھنگ کا کام کر لیا کرو۔ یہ کون سا طریقہ ہے کسی شریف آدمی کے گھر آنے

؟"

اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی انور خان نے کہا جو تھوڑی دیر پہلے ہی کام سے فارغ ہو کر گھر آیا تھا۔

"تمہیں یہ غلط فہمی کب سے ہونے لگی ہے کہ میں صرف تمہارے لیے ہی یہاں آیا ہوں---- بھئی وکیلوں سے وقت لیا جاتا ہے اپنے گھر والوں سے نہیں"----

افراسیاب نے جواب دیا۔

گھر کے لوگ رات کے کھانے پر اکٹھے ہوئے تھے جب اچانک ہی افراسیاب نے اپنے ہاتھ میں پکڑا بریف کیس کھولا اور اس میں سے دو تصاویر نکال کر عذرا کے ہاتھ میں تھما دیں۔

تصاویر پر ایک نظر ڈالتے ہی عذرا اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ تو---- یہ تو----"

"عالم شیر اور بشیر کی تصویریں ہیں"

اس کے منہ سے بوکھلاہٹ میں نکلے الفاظ کو میجر افراسیاب نے فقرے کی شکل میں مکمل کر دیا۔

"لیکن یہ کہاں سے ملیں آپ کو----"

عذرا نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا عذرا کہ میں انہیں تمہارے لیے ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔ شرما کی گرفتاری نے میرا کام بہت آسان کر دیا تھا اور خدا تعالیٰ نے میری لاج رکھی---- میں نے انہیں ڈھونڈ نکالا"----

میجر افراسیاب نے اپنی بات مکمل کی۔

"یار جلدی بات مکمل کرو---- تم نے تو عجیب سسپنس ڈال دیا ہے۔

خان صاحب نے کہا۔

انکل! اس سے اگلی بات مزید حیران کن ہے کہ عالم شیر کو اس بات کا پہلے سے علم تھا کہ عذرا یہاں آپ کے پاس پہنچ چکی ہے---- لیکن اس کی یہ خواہش تھی کہ عذرا اس گھر میں رہے---- اس لیے اس نے ملاقات کرنا مناسب نہیں جانا----"

میجر افراسیاب نے ہمت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

وہ ان لوگوں تک تمام اطلاعات بڑے نفسیاتی طریقے سے پہنچانا چاہتا تھا ابھی تک وہ عذرا کو ذہنی طور پر اگلی خبر سننے کے لیے تیار کر رہا تھا۔

"لیکن میں اس سے ملنا چاہتی ہوں----"

عذرا نے بے چینی سے کہا۔

اس کے ہاتھوں سے دونوں تصاویر مسز خان نے لے کر دیکھنی شروع کر دی تھیں۔

"عذرا وہ ہمارے تصورات سے زیادہ عظیم انسان ہے مجھے یہ باتیں تمہارے ساتھ تنہائی میں کرنی چاہئیں تھیں لیکن اب میں سب کے سامنے سب کچھ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں---- پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نے شادی کر لی ہے اور دوسری بات یہ کہ ملکی خدمات کے سلسلے میں وہ پاکستان سے باہر کسی ملک میں جا چکا ہے---- بشیر کو بھی اس کے ساتھ ہی بھیجا گیا ہے---- مجھے اعلیٰ حکام کی طرف سے اس کا ایڈریس نہیں بتایا گیا---- لیکن میری درخواست پر ان لوگوں نے اتنی اجازت ضرور دے دی ہے کہ اگر عالم شیر چاہے تو تمہارے ساتھ فون پر بات کر سکتا ہے---- یہ بھی اسی صورت میں اگر تم پسند کرو---- اگر تم چاہو تو تمہاری طرف سے میں یہ درخواست ان لوگوں تک پہنچا سکتا ہوں۔ اس کے بعد بھی عالم شیر کی صوابدید پر ہی ہو گا کہ وہ فون پر تمہارے ساتھ بات کرے یا نہ کرے---- اس کا نمبر میرے پاس نہیں ہے اس بات کا یقین کر لو---- اگر میرے پاس ہوتا تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ضرور تمہیں آگاہ کر دیتا----"

افراسیاب نے بڑی ہمت اور ہوشیاری سے اس تک اپنی بات پہنچا دی تھی۔ عالم شیر کی شادی سے متعلق جھوٹ اس نے جان بوجھ کر اور اس یقین کے بعد بولا تھا کہ عالم شیر اب اس سے شادی نہیں کرے گا۔

اسے امید تھی کہ اس طرح ممکن ہے عذرا اس کے دوست انور خان کے متعلق کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائے۔

عذرا نے خاموشی سے گردن جھکا لی تھی۔

وہ خلاؤں میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی----

اس کے خوبصورت چہرے پر یاسیت کے سائے لہرانے لگے تھے۔

ین

لد ہی اس نے خود کو نارمل کر لیا۔

و کچھ اس کے متعلق اسے ائرپورٹ پر انور خان کے ساتھ دیکھ کر عالم شیر نے سوچا تھا بعینہ وہ بھی اس خبر کے ملنے کے بعد اس سے متعلق سوچنے لگی تھی۔ اس نے بھی تصور میں اسے بہت عظیم جان لیا تھا۔

تا عظیم شخص بھلا اس کی قسمت میں کیوں ہونے لگا؟

خان بھائی آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے یہ اطلاع پہنچائی۔ خدا کرے وہ جہاں بھی وش رہے اس کی زندگی کامیاب گزرے اور ساری دنیا کی خوشیاں نصیب ہوں---- رخواست ہو گی کہ اس سے بات ہو جائے---- میں بھی صرف یہی چاہتی تھی کہ خیریت سے آگاہ ہو جاؤں----"

بالآخر اس نے بڑے حوصلے سے کہا۔

احول پر ایک اداس سی خاموشی چھا گئی تھی----

وہ سب لوگ جو یہاں موجود تھے اس ملاپ پر سوگوار تھے۔ ان میں بیرسٹر انور خان بھی تھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ وہ پہلی ہی نظر میں عذرا کو زلف گرہ گیر کا اسیر ہو چکا -۔ اس حقیقت کے باوجود کہ وہ زندگی میں اب کبھی اس سے الگ ہونے کا تصور نہیں تا تھا----

اسے بہرحال اس بات کا دکھ ہوا تھا کہ عالم شیر نے اتنی جلدی شادی کیوں کر لی---- وہ شروع ہی سے گیتا سنجلی کے متعلق ایسے نظریات نہ رکھتا ہو جس کا اسے گمان

بہرحال وہ جو کوئی بھی تھا بہت عظیم شخص تھا کہ ایک مرتبہ دشمنی کے جبڑے سے نکلنے کر پھر اپنے ملک و قوم کے لیے میدان عمل میں اتر گیا تھا۔

"کتنے عظیم ہیں یہ لوگ جو دشمن کے درمیان ہماری آنکھیں بن کر گھومتے ہیں اور اس کے ناپاک عزائم سے بے خبروں کو خبردار کرتے ہیں----"

انور خان نے اسے خراج تحسین پیش کیا۔

"ہاں میرے دوست افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارے یہ گمنام ہیرو کبھی پردہ سکرین

پر نہیں آتے---- ان کے لیے کوئی انعام و اکرام نہیں ہوتا---- افسوس اس راہ
اگر انہیں شہادت بھی نصیب ہو جائے تو بھی قوم سے یہ بات پوشیدہ رکھی جاتی ہے۔
کاش! ہم ان کی عظمت کو جان سکتے----

افراسیاب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

کافی وقت اس نے آج خان فیملی کے ساتھ گزارا تھا اور ماحول کو قدرے نارمل کر
کے بعد اس وعدے کے ساتھ واپس لوٹا تھا کہ وہ عالم شیر تک عذرا کا ٹیلی فون نمبر پہنچا د
گا تاکہ وہ اس سے بات کر سکے۔

صیاد اپنے دام میں

نیو یارک کے جے ایف کینیڈی ائرپورٹ پر پی۔ آئی۔ اے کا جہاز حسب روایت چھ گھنٹے لیٹ پہنچا تھا۔ دونوں زندگی میں پہلی مرتبہ امریکہ جا رہے تھے گو کہ انہیں دوران تربیت امریکہ سے متعلق بہت سی فلمیں دکھائی گئی اور باتیں بتائی گئیں تھیں۔ انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ وہ کوئی غیر قانونی کام کرنے نہیں جا رہے ہے نہ ہی انہیں غیر قانونی طریقے پر یہاں بھیجا جا رہا ہے۔ وہ تو ایک غیر ملک میں جا رہے تھے۔

اپنے ملک کے آئین کے سانپوں کی تلاش میں----!

ان کے میزبان ان کے انتقال کے لیے موجود تھے----

ان میزبانوں سے غائبانہ تعارف انہیں میجر کیانی نے پاکستان میں کروا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تاکہ وہ نہ صرف ان کی راہنمائی میں سوامی مہاراج کے آشرم کی طرف کریں گے بلکہ دیار غیر میں ان کی ہر ممکن معاونت بھی کریں گے----!

امیگریشن اور کسٹم کے مراحل بڑے جان لیوا تھے----

اس لیے نہیں کہ ان کی حیثیت غیر قانونی تھی بلکہ محض اس لئے کہ ان کا تعلق ایک ایسے ملک سے تھا جس کے شہریوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنا امریکیوں کی عادت بن چکی تھی---- خود ان کے ہموطنوں کی حرکات بھی ایسی تھیں کہ اب گندم کے ساتھ جو بھی پسنے لگا تھا۔

امریکیوں نے سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھنا اور ایک ہی ڈنڈے سے ہانکنا شروع کر دیا تھا۔ ان سے بھی یہاں الٹے سیدھے سوالات کئے گئے تھے اور ان کے مختصر سے سامان کی

بھی اچھی طرح تلاشی لی گئی تھی----

یہ لوگ ایک ایک چیز کو اس طرح الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے جیسے انہیں اس بات کا یقین ہو کہ یہاں سے ضرور کوئی غیر قانونی شے برآمد ہو گی۔

"میرا نام سلیم ہے"----

گندمی رنگت اور اٹھتے قد کے ایک نوجوان نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا اس نے اپنے ہاتھ میں ان کے ناموں کا ایک ہولڈنگ پکڑ رکھا تھا اور اسے اس فلائیٹ سے آنے والے ہر مسافر کی آنکھوں کے سامنے لہرا رہا تھا۔

"میں عابد ہوں اور یہ میرا ساتھی ہے سلمان----

عالم شیر نے اپنا اور بشیر کا تعارف کروایا۔

اس درمیان سلیم کا دوسرا ساتھی بھی وہاں آ گیا تھا جس کا تعارف اس نے طاہر کے نام سے کروایا تھا۔ میزبانوں نے ان کے دونوں بیگ تھام لیے اور اپنی پارکنگ تک لے آئے جہاں انہوں نے کار پارک کی ہوئی تھی۔

امریکہ ان کے ایک نیا جہان تھا----

یہاں کی کائنات ہی مختلف تھی----

نیو یارک کیا تھا۔

لوگوں کا تیرتا سمندر----

اس سمندر میں زمانے بھر کے رنگ جمع تھے۔

رنگ رنگ کے لوگ----

نسل نسل کے لوگ----

ایک دوسرے سے لا پرواہ' بے تعلق اپنی اپنی دھن میں مگن انسانوں کے اس سمندر میں بہتے چلے جا رہے تھے۔

یہاں سب جلدی میں تھے۔

کسی کو آنے کی جلدی تھی کسی کو جانے کی جلدی---- لوگ چلنے سے زیادہ بھاگ رہے تھے سب ٹرین سے نکل کر تیزی سے سیڑھیاں اترتے اور بھاگتے چلے جاتے۔

کار کھڑی کر کے وہ تیز تیز قدموں سے بھاگتے چلے جا رہے تھے----

دن یا رات کا کوئی ایسا لمحہ نہیں تھا جب یہاں زندگی نہ رہی ہو۔ دن اور رات میں ان وں کے لیے کوئی فرق نہیں تھا۔

یہاں سے زیادہ ارزاں اور سستی زندگی اور کہیں نہیں تھی۔ پانچ ڈالر کے لیے کسی کو ی مار دینا ان کے لیے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

یہ لوگ جانوروں کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اٹھتے تھے اور واویلا کرتے سڑکوں پر آ اتے تھے۔

لیکن----

انسان یہاں کے گلی کوچوں میں کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی بسر کر رہے تھے اور کسی ے کانوں پر جوں نہیں رینگتی تھی۔

یہاں کے فاسٹ فوڈ ریستورانوں پر ایک ایک دن میں اتنا اناج ضائع کر دیا جاتا تھا جس ے آدمی دنیا کے بھوکوں کا پیٹ بھرتا تھا۔

لیکن----

کسی کو پرواہ نہیں تھی----

اس شہر میں جہاں ہزاروں ٹن خوراک کے ڈھیر روزانہ ضائع کر دیئے جاتے تھے۔ اسی ہر میں گندگی کی ڈھیروں سے انسان خوراک تلاش کر کے اپنے پیٹ کا دوزخ ٹھنڈا کرتے تھے۔

"کیا وہ زندگی کے ساتھ اتنی تیزی' سے چل پائیں گے؟"

یہ تھا وہ پہلا سوال جو بیک وقت دونوں کے ذہنوں میں پیدا ہوا۔

کچھ بھی ہو۔ انہیں یہ معرکہ سر کرنا تھا۔

سلیم اور طاہر ان کے مددگار تھے۔ انہیں دونوں کے متعلق واضح ہدایات مل چکی تھیں ر ان کے لیے کسی بھی مرحلے پر جان کی بازی لگا سکتے تھے۔

پانچ چھ روز تک وہ انہیں نیو یارک کے مختلف مندروں میں گھماتے رہے۔ دونوں نے ہاں آتے ہی ہندوؤں کا روپ دھار لیا تھا۔

لیکن----

خود کو پاکستانی ہندو ظاہر کیا تھا۔

آٹھ دس روز بعد ان میں اعتماد پیدا ہونے لگا۔ اس درمیان انہیں ٹرینوں کے ذریعے سفر کرنے' ٹیلی فون کرنے اور مختلف سٹورز سے سودا سلف خریدنے کی تربیت حاصل ہو چکی تھی اور اب وہ اپنے کام کے لئے تیار تھے۔

اٹلانٹک سٹی سمندر کے کنارے آباد ایک خوبصورت شہر تھا۔

نیویارک اور نیو جرسی کے درمیان واقع اس شہر میں دنیا بھر کے سیاح سیاحت کے لیے آتے تھے اس کی ایک وجہ تو یہاں کا سمندری ساحل تھا جہاں لذت کام و دھن کا مکمل سامان میسر تھا۔

دوسری اہم وجہ یہاں کے جوئے خانے تھے۔۔۔۔

یہ پورا شہر اپنی جوئے خانوں کے سر پر آباد تھا۔ یہاں دن رات جوا کھیلا جاتا تھا۔ شراب نوشی ہوتی تھی اور دنیا کا کیسا بھی ذوق رکھنے والے جنسی مریضوں کے لیے یہاں جنت کا مکمل سامان موجود تھا۔۔۔۔

نزدیکی شہروں نیو یارک' فلاڈ لفیا' ڈیلاویرسٹیٹ' پسلونیا' وشنگٹن' نیو جرسی' نیو آرک اور جرسی سٹی سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں بسوں کے ذریعے یہاں جوا کھیلنے آیا کرتے تھے۔

آرام دہ اور لگژری بسوں کی یہ سروس ان جواریوں کی مفت سیر تھی۔ نزدیکی شہروں سے ہر روز خصوصاً ویک اینڈ پر ان جوئے خانوں کی بسیں جواریوں کو یہاں تک مفت لاتی اور پھر لے کر جاتی تھیں۔

ان جوئے خانوں (کیسینو) میں جوا کھیلنے والوں کو پھانسنے کے لیے ترغیب و تحریص کے ایسے بے شمار جال یہاں کے یہودی مالکوں نے بچھا رکھے تھے۔۔۔۔ اور جن کی طرف امریکہ کے بوڑھے' جوان' بچے سب ہی کھینچے چلے آتے تھے۔

یہ لوگ بھری جیبوں سے یہاں آتے اور خالی ہاتھ واپس لوٹ جاتے۔

لیکن۔۔۔۔

ان کی پیشانیوں پر کبھی ندامت کے خطرے نمودار نہیں ہوتے تھے کیونکہ یہ لوگ صرف آج کی زندگی جینے کے قائل تھے چونکہ یہ کل پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے اس لیے انہوں نے کل کے لیے کوئی روگ بھی نہیں پال رکھا تھا۔

یہاں زیادہ تعداد ان نوجوان کالے رنگ کے باشندوں کی تھی جنکی زندگی کا مقصد ایک ن کے لیے منشیات کا حصول تھا اور اس کے لیے وہ ہر غیر قانونی حرکت کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔۔۔۔

اٹلانٹک سٹی ہوٹلوں' ریستورانوں' کیسینوں کا شہر تھا۔۔۔۔

یہاں رہائش رکھنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا۔

اشیائے ضرورت بھی شہر کی طرز زندگی کے حساب سے مہنگی تھی۔ یہاں کا رہن سہن ی اس طرح کا مہنگا تھا۔ اس لیے اسے تماش بینوں کا شہر کہا جاتا تھا۔ سوائے اس کے قدیم باشندوں کے اور کوئی یہاں گھر بنانے کی ہمت نہیں کرتا تھا یا پھر وہ لوگ تھے جن کے کاروبار یہاں لگتے تھے۔

سلیم اور طاہر نے چند روز پہلے ہی تاج محل نامی ایک کیسینو کے نزدیک ایک چھوٹی سی دکان خریدی تھی جہاں وہ ایشیائی ممالک کی بنی ہوئی چیزیں فروخت کرتے تھے۔۔۔۔

اسی دکان پر موتی لال اور کیلاش ورما نامی دو نوجوان ہی اگلے ہی روز ملازم ہوئے تھے۔

یہ دونوں عالم شیر اور بشیر تھے۔

دونوں کی رہائش کا مسئلہ بھی ان کے مالکوں نے حل کر دیا تھا اور انہیں اپنے ساتھ ہی اپنے اپارٹمنٹ میں ایک کمرہ رہنے کے لیے دے دیا تھا جہاں وہ بڑے اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے۔

اس شہر میں آنے والوں میں زیادہ مقدار ایشیائی ممالک کے باشندوں کی ہوا کرتی تھی۔ خصوصاً مشرق بعید کے لوگ یہاں زیادہ تعداد میں آیا کرتے تھے ان کی آمد کا مقصد پہلے تو یہاں جوا کھیلنا اور عیاشی کرنا ہی رہا ہو گا۔

لیکن۔۔۔۔

گذشتہ دو سال سے ان کی دلچسپی کا ایک اور سامان بھی یہاں موجود تھا یہ تھا سوامی مہاراج کا آشرم۔۔۔۔!

یہ سوامی مہاراج مافوق الفطرت قوتوں کا مالک تھا اور یہاں آنے والے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔

سوامی مہاراج بھارت کا باشندہ تھا لیکن اسے امریکی گرین کارڈ کی سہولت بھی حاصل

تھی۔ اس کا آنا یہاں مہینوں بعد ہوتا تھا۔ کبھی یورپ کے کسی ملک میں اور کبھی یہاں امریکہ میں----

اس کی غیر موجودگی میں اس کے مقامی امریکن چیلے اور چیلیاں آشرم کے نگران ہوتے اور اس کے معاملات کو چلاتے۔

مہاراج سوامی کے ہر آشرم میں اس کے جانشین بھارتی ناگرک موجود ہوتے تھے۔ یہ لوگ بھارت سے یہاں آکر آشرم کا اس کی غیر موجودگی میں چارج سنبھالتے تھے۔

بھارت سے آئے یہاں آنے والے مختلف سفارتی مشنوں کے لوگ بھلے بھارت میں سوامی جی کے درشن کبھی نہ کریں۔

لیکن----

یہاں آکر انہیں ماتھا ٹیکے بغیر واپس نہیں جایا کرتے تھے۔

یہ بات تو وہ دونوں ہی سمجھ سکتے تھے کہ یہ لوگ بطور خاص سوامی مہاراج کے درشن کیوں کرنے آتے ہیں؟

سوامی مہاراج کے چیلوں میں یوں تو ہر طرح کے ناگرک شامل تھے۔

بھارتی سفارتکاروں کی بڑی تعداد ان کے درشنوں کو آتی رہتی تھی۔ یہ سفارتکار زیادہ تعداد میں انٹیلی جنس کے لوگ ہوتے تھے جنہیں اس سے زیادہ محفوظ (Cover) اس ترقی یافتہ ملک میں اور کوئی نہیں مل سکتا تھا۔

آج بھی بھوپت لال ان کے درشنوں کو آیا تھا کیونکہ اسے خبر ملی تھی کہ سوامی مہاراج آج اپنے آشرم میں پدھاریں گے وہ قریباً تین ماہ بعد واپس لوٹے تھے۔

بھوپت لال کہنے کو تو بھارتی سفارتخانے میں پیشران افسر کے عہدے پر فائز تھا لیکن پاکستان انٹیلی جنس کو حاصل معلومات کے مطابق وہ "را" کا تربیت یافتہ افسر تھا جسے سفارتکار کے روپ میں ایک خاص مشن پر حال ہی میں یہاں بھیجا گیا تھا۔

اس سے پہلے بھوپت لال یہی کام کینیڈا میں کرتا رہا تھا اور وہاں بڑی کامیابی سے اپنا کام مکمل کر کے اب وہ امریکہ میں آگیا تھا کیونکہ اس کی امریکہ میں زیادہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔

بھوپت لال نے اپنی گاڑی آشرم کے کسی پارکنگ میں جہاں پہلے ہی سے بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں پارک کی اور دھیرے دھیرے چلتا آشرم کی مین بلڈنگ کی طرف آگیا۔

تمام لوگ ایک بڑے دروازے سے آشرم میں داخل ہوتے تھے جبکہ بھوپت لال اس سے حلقہ ایک چھوٹے دروازے سے جس پر (Staff only) لکھا ہوا تھا اندر داخل ہو گیا۔

دروازے سے لگے پہرے دار نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی نظریں جھکا کر اسے پرنام کیا اور ہاتھ کی انگلی کے اشارے سے اس کی راہنمائی ایک خاص کمرے کی طرف کی---- یہاں دو رویہ قطاروں میں کمرے بنے ہوئے تھے جہاں بظاہر آشرم کے سٹاف کے لوگ رہتے تھے۔

ایک کونے میں بنے کمرے کا دروازہ اس نے آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ اس کے دروازے پر دستک دینے کے مخصوص انداز کو شاید اندر کسی نے محسوس کرتے ہوئے دروازے کو اندر ہی ریموٹ کنٹرول سے کھولا تھا۔

کمرہ جو باہر سے بظاہر عام سا کمرہ لگتا تھا اندر سے ایک لگژری اپارٹمنٹ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ جس کے ایک کونے میں آرام دہ اور قیمتی فوم کے صوفوں میں سے ایک پر سوامی مہاراج براجمان تھے جبکہ دوسرے صوفے پر ایک ڈھلتی عمر کا سکھ بیٹھا تھا۔ جس نے اپنے سر پر نیلے رنگ کی گول پگڑی باندھ رکھی تھی اور اپنی داڑھی کے بالوں کو خضاب سے سیاہ کر کے بہت زور سے اس طرح کس کر باندھ رکھا تھا کہ اس کا منہ بھی داڑھی کے بالوں کے ساتھ کھنچا ہوا نظر آ رہا تھا---- یہ نیو جرسی گوردوارے کا سابقہ سٹیج سیکرٹری جسونت سنگھ تھا----!

جسونت سنگھ کو امریکہ میں رہتے بیس سال ہونے کو آئے تھے اور دس بارہ سال پہلے بننے والے اس گوردوارے پر وہ اب تک عملاً قابض رہا تھا----

گوردوارے کی کمیٹی کا انتخاب ہر دو سال بعد ہوتا تھا اور ہر دفعہ وہ کامیاب ہو جاتا تھا----

لیکن----

گذشتہ دو سال سے اس کا ستارہ گردش میں آیا ہوا تھا اس کے گوردوارے پر بھی خالصتان نواز سکھوں نے قبضہ کر لیا تھا----

امریکہ میں گزشتہ تین چار سال سے ہزاروں کی تعداد میں بھارتی پنجاب سے نوجوان اپنی جانیں بچا کر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو پولیس کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر امریکہ پہنچے تھے اور اب یہاں اپنے آزاد ملک خالصتان کے لیے سرگرم عمل تھے۔

خالصتان نواز تحریک نے بھارتی پنجاب میں بہت زور پکڑا ہوا تھا اور آئے دن یہ لوگ بھارتی فوج سے ٹکر لیتے رہتے تھے۔ اب خالصتان تحریک ساری دنیا میں تیزی سے پھیل رہی تھی اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے سکھ بڑی تیزی سے اس تحریک سے وابستہ ہو رہے تھے۔

اس تحریک کا گڑھ غیر ممالک کے گوردوارے تھے۔

سکھ اپنی مذہبی روایات کی مطابق ہفتے کے آخری دو دن لازماً "گوردوارے" میں جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے بشیر سماجی کام گوردواروں ہی کی مرہون منت تھے۔

اس طرح گوردوارے کو سکھوں کی زندگی میں ایک خاصی اہمیت حاصل ہو گئی تھی---- "یہ گوردوارے اب خالصتان نواز سکھوں کے پرچار کا مرکز بن گئے تھے۔ یہ لوگ گوردواروں کی آڑ سے اپنے مذہب اور خالصتان کا پرچار کرتے تھے اور پنجاب میں سکھوں پر ڈھائے جانے والے بھارتی فوج کے مظالم سے اپنے نوکروں کو آگاہ کرتے تھے---- جس سے مقامی سکھ آبادی میں تو بھارت کے خلاف نفرت پھیلتی ہی گئی امریکن میڈیا میں بھی بھارت کے خلاف خبریں آنے لگی تھیں جس سے بھارتی حکومت کے نام نہاد سیکولرازم اور جمہوریت کی قلعی کھلنے لگی تھی۔

"را" اب ایک خصوصی پلان لے کر میدان میں اتری تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو گوردواروں پر بھارت نواز سکھوں کا قبضہ کروا کر وہاں سے خالصتان نواز سکھوں کو نکال باہر کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے دوسرا محاذ سنبھال لیا تھا جس میں ان سکھوں کی زبانی پاکستان کے خلاف پرچار اور پاکستانی سفارتی خانوں کے سامنے مظاہرے کرنا شامل تھا---- تاکہ دنیا کو دھوکہ دیا جا سکے کہ مقبوضہ کشمیر اور خالصتان میں چلنے والی تحریک آزادی دراصل پاکستان کی سپانسرڈ تخریب کاری ہے----

سوامی مہاراج اس مرتبہ خود میدان میں اترا تھا۔ اس سے پہلے وہ ایسے کام اپنے ماتحتوں سے ہی کروایا کرتا تھا۔

لیکن ----

اب بھارتی حکومت خاطر خواہ نتائج کے حصول کے لیے کچھ بھی کر گزرنے پر نظر آ رہی تھی---- جسونت سنگھ کی یہاں آمد بھی اس سلسلے کی کڑی تھی----

"کیا حال ہے بھوپت رائے---- ابھی تک تم مرے نہیں---- سالے اتنی شراب پینے اور عیاشی کرنے کے بعد بھی تم جوں کے توں ہی دکھائی دے رہے ہو کون سا تختہ تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے---- کچھ ہمیں بھی بتاؤ"

سوامی مہاراج شاید بھوپت رائے کا پرانا شناسا تھا---- دونوں خاصے بے تکلف دکھائی دے رہے تھے۔

"مہاراج آپ کی کرپا ہے---- سب آپ ہی کا دیا ہوا ہے---- ہم تو آپ کا جوٹھا کھانے والے ہیں"

بھوپت رائے نے بے شرمی سے دانت نکالتے ہوئے جھک کر اس کے پاؤں چھوئے۔

"اسے جانتے ہو"----

"انہیں کون نہیں جانتا سوامی مہاراج"----

بھوپت رائے نے اس کی طرف دیکھا اور دونوں نے ایک دوسرے کو ہاتھ باندھ کر نمسکار کیا۔

"بے اپنے لوگوں کے ہوتے ہوئے تمہیں کس بات کی کمی ہے---- بھوپت رائے جب جسونت سنگھ اور تجھ جیسے شیطانی دماغ اکٹھے ہو جائیں تو بھی کچھ نہ کر سکیں---- کتنے شرم کی بات ہے---- آخر کمی کس بات کی ہے----

سوامی مہاراج نے اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سوامی مہاراج کمی تو صرف مایا کی ہے---- آپ جانتے ہیں اس دیش میں ڈالر کے بغیر تو ماں بچے کو نہیں پہچانتی"----

اس مرتبہ جسونت سنگھ نے جواب دیا۔

سوامی نے اس کی بات کا جواب دینے سے پہلے اپنے دایاں ہاتھ چھوٹی سی میز پر رکھا بریف کیس ٹھٹاک کی آواز سے کھولا اور ڈالروں کی پانچ گڈیاں اس کی طرف اس طرح باری باری پھینکیں جیسے کتے کی طرف ہڈی پھینکی جاتی ہے۔

جسونت سنگھ نے ندیدے کتے کی طرح انہیں جھپٹ کر اپنے سامنے رکھ لیا تھا۔

"دیکھ بے جسونتے --- اس مرتبہ سٹیج تیرے قبضے میں آنا چاہیے۔ اگر اس مرتبہ بھی ترپوال گوردوارے پر قابض ہو گئے تو سالے یاد رکھنا تیری ہڈیوں کا سرمہ بنوا دوں گا۔ تو جانتا ہے کہ تیری تینوں لڑکیاں بھارت میں ہمارے پاس یرغمال ہیں --- سالے! کتے کے پلے مجھے اپنا یورپ دورہ چھوڑ کر یہاں تیرے لئے آنا پڑا ہے --- سمجھا تو ---"

سوامی نے جسونت سنگھ کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔

جسونت سنگھ اس طرح بے غیرتی سے اس کی گالیوں پر دانت نکال رہا تھا جیسے اسے گالیاں نہیں بلکہ گھی شکر مل رہا ہو۔

"اور ہاں اسے پہچان لے ---"

اس نے بھوپت رائے کی طرف اشارہ کیا ---

"اب یہ تیرا باس ہو گا --- اس کا ہر حکم ماننا ہے۔ ہر قیمت پر --- سالے ذرا چوں چاں کی تو یاد رکھنا ---"

اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس طرح اسے گھورا کہ جسونت سنگھ سہم کر رہ گیا۔

جسونت سنگھ بھارتی حکومت کا زرخرید کتا تھا ---

وہ گذشتہ تین چار سال سے اپنی کمیونٹی کے خلاف ان کے لیے جاسوسی کر رہا تھا اور بظاہر خالصتان نواز سکھ بن کر وہ اپنے ہی بھائی بندوں کے خلاف کام کر رہا تھا۔

"جسونت سنگھ جی! ہمارے پاس دو لڑکے ہیں۔ نئے آئے ہیں دونوں سکھ ہیں بڑے کام کے --- گلزار سنگھ کو تو تم جانتے ہو"۔

بھوپت رائے نے اسے مخاطب کیا۔

"ہاں مہاراج لیکن وہ تو فیڈریشن کا سیکرٹری ہے"

جسونت سنگھ نے حیرانگی سے کہا۔

"وہ پرانی بات ہے --- میں تمہیں آج کی سماچار دے رہا ہوں --- اب وہ سالا ہمارا کتا ہے۔ ہمارے اشارے پر تمہاری طرح بھونکے گا --- میں نے اسے ہدایت کر دی ہے۔ پرسوں پولنگ ہو گی --- تمہارے پاس ساٹھ ستر گھنٹے ہیں --- ان ڈالروں میں سے آدھے بھی اگر تم نے سلیقے سے بانٹ لیے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ تم کامیاب نہ ہو ---"

بھوپت رائے نے کہا۔

"سالا ہوس کا مارا ہوا ہے --- سارا مال تو خود ہضم کر جاتا ہے جب کسی کو دے گا ہیں تو کام کون کرے گا اس کے لیے" ---

سوامی مہاراج نے ان کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن یاد رکھنا اگر اس مرتبہ سالے کامیابی نہ ملی تو آج سے پہلے کے لاکھوں ڈالر جو تو یں پھر دے کر ہضم کر چکا ہے تیرا پیٹ پھاڑ کر نکالوں لوں گا ---"

سوامی بہت غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔

"مہاراج آپ کی حکم کی پالنا کروں گا خواہ میری جان بھی چلی جائے آپ بتائیں تو ہی ---"

جسونت سنگھ مسلسل ڈھٹائی سے مسکرائے جا رہا تھا۔

"گلزار سنگھ بظاہر دوسرے گروپ کے ساتھ ہے لیکن اصل میں ہمارا آدمی ہے تم اس ے چھپ کر ہی رابطہ رکھنا --- اسے علم ہو گا کہ پوزیشن کیا جا رہی ہے اگر مخالف گروپ جیتنے لگے تو ہنگامہ کروا دینا --- یہ کام مقامی کالوں سے کروانا یا اپنی برادری سے یہ تمہارا دردسر ہے --- لیکن یاد رکھنا ہو گا وہی جو ہم چاہیں گے ---"

"ٹھیک ہے مہاراج --- میں چلتا ہوں --- مونڈوں میں پیسے بانٹنے ہیں"

جسونت سنگھ نے ڈالروں کی گڈیاں اپنے بریف کیس میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

"خیال رہے کہ جسونت یہاں اس مرتبہ سوامی مہاراج خود پدھار رہے ہیں۔ اگر معاملہ گڑبڑ ہوا تو --- تم جانتے ہی ہو" ---

بھوپت رائے نے بڑے سفاک لہجے میں کہا۔

"جانتا ہوں مہاراج --- جانتا ہوں"

کہتے ہوئے جسونت سنگھ نے جھک کر سوامی مہاراج کے قدموں کو چھو کر اور الٹے قدموں چلتا دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازہ سوامی کے ہاتھ میں پکڑے کنٹرول سے کھولا اور اس کے باہر نکلتے ہی بند کر لیا۔

بھوپت رائے شرما سالا کچا آدمی نکلا۔ اس نے تو جسکانی کو بھی مروا دیا اور مال بھی پکڑوا

دیا—— یار ایسا کمزور تھا سالا! میں نے تو کبھی زندگی میں سوچا بھی نہیں تھا—— دو جوتے کھائے اور طوطے کی طرح بکتا چلا گیا—— بہر حال معاملہ ادھر خاصا بگڑ گیا ہے—— اس مرتبہ میرا ارادہ ہے کہ آئی ایس آئی والوں کو ادھر بھارتی سرحدوں میں الجھائے رکھو اور یہاں امریکہ سے کوئی لائن چلاتے ہیں—— ڈی جی سے میں نے سارا پلان ڈسکس کر لیا ہے—— اور وہاں اب اپنے یار سشمی کو ذرا (Active) کر دے—— اب اس سے کام لینے کا وقت آگیا ہے——؟"

جسونت سنگھ کے باہر نکلتے ہی سوامی مہاراج نے بھوپت رائے کو بتانا شروع کر دیا۔

بھوپت رائے اس کے سامنے اس طرح ہاتھ باندھے بیٹھا تھا جیسے اس کا زر خرید غلام ہو۔

"ادھر ایمبسی میں کوئی شور شرابا نہیں چاہئے مجھے—— اچھی طرح سمجھ لینا—— وہاں تمہارے آدمیوں میں بہت سے پاکستانیوں کے ہاتھ بک چکے ہیں—— سالا! تمہیں علم بھی ہے یہاں آنے سے اسے آدھے سے زیادہ خفیہ پیغامات کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں تو پاکستان میں چلی جاتی ہیں—— تم کیا جھک مار رہے ہو—— اب کان کھول کر سن لو اپنا کوئی بزنس وہاں ایمبسی کی عمارت میں نہیں ہو گا—— نہ سکھوں کا—— نہ پاکستانیوں کا—— میں یہاں آگیا ہوں اور میں یہاں دو ماہ سے زیادہ نہیں رہوں گا—— ادھر انڈیا میں "ویشنو ماتا" کا میلہ شروع ہو جائے گا تو مجھے سنگت میں واپس جانا ہو گا—— سشمی کو تم لوگوں نے بڑا مال کھلا دیا ہے اب اس سے کام بھی لو——"

سوامی مہاراج نے اپنی بات مکمل کی——

"مہاراج آپ تو جانتے ہیں میں نے سشمی کو کسی بڑے کام کے لیے بچا رکھا ہے—— جہاں تک اسے قابو کرنے کا تعلق ہے۔ ہم نے اس کے ذریعے چار کام کروا کر اسے قابو تو کر لیا ہے—— اب میں اس سے بڑا کام لینا چاہتا ہوں——"

بھوپت رائے نے کہا۔

"کیا——؟"

سوامی مہاراج نے پوچھا۔

"مہاراج "را" کے غداروں کو زندہ رہنے کا ادھیکار نہیں دیا جا سکتا—— سشمی کی پنچ

شہرا تک ہو جائے گی مجھے اس بات کا یقین ہے—— وہ بڑے عرصے سے پاکستان انٹیلی جنس کے لیے کام کر رہا ہے بڑا کامیاب آدمی ہے۔ اس کے ذریعے ہم اس طرح شرما کو زہر دلائیں گے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی—— آپ جانتے ہیں میں نے وہاں ٹورنٹو میں اس سے کیسا کام لیا تھا—— دلیپ سنگھ کو اس کے ہاتھوں زہر دلایا تھا—— جس روز ہمیں علم ہوا کہ دلیپ سنگھ کو پاکستانی ایجنسی والوں نے پھانس لیا ہے ہم نے سشمی کے ذریعے سالے کو مروا دیا—— کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی—— زہر سشمی نے اسے اس کے گھر میں جا کر دیا تھا—— آپ تو جانتے ہیں نا—— یہی کام وہ شرما کے لیے بھی کرے گا—— وہ میرے حکم سے انکار نہیں کر سکتا—— اس سالے کا آدھا خاندان جس میں اس کی ماں اور بڑی بہن بھی شامل ہے انڈیا میں ہمارے پاس یرغمال ہے——"

بھوپت رائے نے بتایا۔

"بھوپت رائے—— تم نے تو یار میرے منہ کی بات چھین لی—— ویل ڈن——"

سوامی مہاراج نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

دونوں اگلے روز گوردوارے کے ہونے والے الیکشن کے متعلق پلان بناتے رہے اس مرتبہ سوامی مہاراج نے ایک خطرناک منصوبہ تیار کر لیا تھا۔

"بھوپت رائے۔ وہ کیا نام ہے تمہارے اس لونڈے کا۔ گلزار سنگھ—— ہاں ہاں وہی گلزار سنگھ اگر معاملہ بگڑنے لگے تو اس سے کہنا جسونت سنگھ کو گوردوارے کے اندر قتل کر دے—— اور بھاگ جائے—— سالے کو بھاگنے کا موقعہ دو اور پھر اسے بھی مروا دینا—— اس بڈھے جسونت کو تو مال دے دے کر میں تنگ آگیا ہوں—— اس کی موت سے سارا امریکن میڈیا گروپ والوں پر حملہ کر دے گا—— پھر میں دیکھوں گا سالوں کا خالصتان—— بھوپت رائے کان کھول کر سن لو۔ اس الیکشن پر کم از کم دو قتل ضرور ہونے چاہئیں۔ باقی جتنے تم کروا دو وہ تمہارا بونس——"

سوامی نے خوفناک قہقہہ بلند کیا۔

"واہ سوامی جی مہاراج—— واہ واہ! کمال کا دماغ پایا ہے آپ نے بھی—— کمال کے آدمی ہیں آپ بھی—— ایسا ہی ہو گا—— میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا——"

اس مرتبہ بھوپت رائے نے خوفناک قہقہہ لگایا تھا۔

سوامی مہاراج نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے صوفے کے کنارے لگی گھنٹی کا بٹن دبایا اور دروازے سے ایک کنیا اندر داخل ہوئی۔

"ہمارا شیش (شاگرد چیلا) آیا ہے۔" "سوم داس" کا بندوبست کرو ساوتری۔۔۔۔"

اپنے قدموں میں لٹی اس لڑکی کی کمر کو سہلاتے ہوئے اس نے کہا۔

لڑکی جس کا نام ساوتری تھا انہیں قدموں سے واپس لوٹ گئی۔۔۔۔

اس کی واپسی شراب کی بوتل اور پیگ کے ساتھ ہوئی۔ دونوں کے لیے اس نے خود جام تیار کیا اور باری باری انہیں تھما دیا۔

"فتح کے نام پر"۔۔۔۔

بھوپت رائے نے اپنا جام سوامی مہاراج کے جام سے ٹکرایا اور ایک ہی گھونٹ میں اسے حلق میں انڈھیل لیا۔

ساوتری نے جیسے ہی دوسرا پیگ تیار کر کے اسے تھمایا۔ بھوپت رائے نے اسے بھی جھٹکے سے اپنے ساتھ صوفے پر گرا لیا۔۔۔۔

"ہاہاہاہا"۔۔۔۔

سوامی مہاراج کا قہقہہ بلند ہوا۔

بھوپت رائے نے دوسرے پیگ کا بھی وہی حشر کیا جو پہلے کا کیا تھا اور اب درندوں کی طرح ساوتری کو نوچنے لگا تھا۔۔۔۔

ساوتری کو بھی شاید اس کام کی خاصی تربیت دی گئی تھی وہ اس درندگی میں بھوپت رائے کا پورا پورا ساتھ دے رہی تھی۔ اور اپنی مختلف حرکتوں سے اس کی وحشت بڑھاتی چلی جا رہی تھی۔۔۔۔ ہندو دھرم کے سوامی مہاراج کے سامنے بھوپت رائے نے اپنا گھناؤنا کھیل کھیلا جسے سوامی مہاراج دیکھتا رہا۔۔۔۔

تیسرے دن سے سوامی اسے مسلسل دیکھ رہا تھا۔۔۔۔

اس نے اپنا نام کہلاش ورما بتایا تھا۔۔۔۔ جبکہ اس کے دوسرے ساتھی کا نام موتی لال تھا۔۔۔۔ سوامی کو موتی لال تو پرلے درجے کا احمق شکل سے دکھائی دے رہا تھا جبکہ کہلاش

یں اس کی دلچسپی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

کلین شیو گہری براؤن آنکھوں والے اس نوجوان کے دائیں گال پر چاقو کے زخم کا لمبا بنا تھا۔۔۔۔

ایک نشان اس کی گردن کے دائیں طرف بھی موجود تھا۔ وہ گیروی رنگ کا چولا پہن کر ن میں سرخ رومال ڈالے۔ سوامی کے سامنے گردن جھکائے بیٹھا رہتا۔ اس کے دونوں ں میں قیمتی پتھروں سے جڑی انگوٹھیاں اور گلے میں ایک خوبصورت مالا لٹکی ہوتی تھی ایک اور چھوٹی سی مالا وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھتا۔۔۔۔"

سوامی مہاراج کی جہاندیدہ آنکھوں کو اس میں کچھ کام کی بات نظر آتی تھی۔ تب ہی تو نے اسے اپنے خاص کمرے میں طلب کیا تھا۔

سوامی حسب دستور ایک آرام دہ صوفے پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔۔۔۔

نوجوان کو ساوتری اندر لائی تھی جس نے سوامی مہاراج کی شکل پر نظر پڑتے ہی ان دم پکڑ لیے تھے اور اب انہیں چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔۔۔۔

"اٹھو بالکے۔۔۔۔ کون ہو تم۔۔۔۔ کس دیش سے آئے ہو؟۔۔۔۔"

سوامی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

نوجوان اٹھ کر اس کے قدموں کے سامنے زمین پر ہی ہندو جوگیوں کی طرح آلتی پالتی بیٹھ گیا۔

داس کو کہلاش کہتے ہیں سوامی جی۔۔۔۔ دو سال۔۔۔۔ یہیں دھکے کھا رہا ہوں۔ پہلے ل میں رہتا تھا اب یہاں اٹلانٹک سٹی ہی میں کام سے لگ گیا ہوں۔۔۔۔ بھگوان نے کے چرنوں میں لانا تھا جو آپ کے نزدیک ہی ڈیرہ لگا دیا۔۔۔۔ یورپ دیش سے آیا سوامی! بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا تھا۔ میرے ماتا پتا تو انہوں نے مار ڈالے۔۔۔۔ ت ادھر پاکستان کے صوبہ سندھ میں رہتے تھے۔۔۔۔ میں ہی سنتان ہوں اکیلی سنتان اپنے ماں باپ کی۔۔۔۔ کسی طرح ماں نے سارے گہنے بیچ کر مجھے اس قابل کیا تھا۔ یجنٹ کو لاکھ روپیہ دے کر دھکے کھاتا تین ماہ میں یہاں پہنچا تھا۔۔۔۔ پچھلے سال وہاں ہوئے تھے اس میں میرے پتا جی کو انہوں نے مار ڈالا اور ماتا ان کے غم میں مر ۔۔۔۔ تب سے بس یہی "رام نام" کی مالا جپتا رہتا ہوں۔۔۔۔ من کو کہیں شانتی نہیں

ملتی---- اب آ کے چرنوں میں آیا ہوں تو من کچھ شانت ہوا ہے----"

عالم شیر نے چرب زبانی کا مظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"شانتی! شانتی!"

اس نے اپنے مخصوص لہجے میں عالم شیر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بہت بدقسمت ہوں مہاراج! جس ماتا نے میرے لیے اپنی ساری زندگی تیاگ دی ا
کی چتا کو آگ بھی نہ لگا سکا۔ بہت ظلم ہوا میرے ساتھ سوامی جی----"

اس نے باقاعدہ ٹسوے بہانے شروع کر دیئے۔

"شانتی---- شانتی---- شانت ہو جاؤ بالکے---- بھگوان کی پہلا اپرم لپار
تمہیں ضرور آنند دے گا----"

ابھی تک وہ کوئی خاص اندازہ نہیں لگا پایا تھا۔ اس سے پہلے اسے پاکستانیوں کے ہا
لگ چکے تھے اسے فوراً وہ دونوں نوجوان یاد آ گئے جو مدن لال کو قتل کر کے گیتا نجلی کو
اڑے تھے اور ابھی تک ان کو کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔

اچانک ہی دوسرا خیال اس کے ذہن میں آیا کیوں نہ اس گدھے کو اپنا ایجنٹ بنا
ہندو شناخت کے ساتھ پاکستان بھیج کر اپنا الو سیدھا کرے۔ اسے اس بات سے کوئی مطلہ
نہیں تھا کہ یہ ہندو ہے یا مسلمان----

اسے تو اپنا مطلب چاہئے تھا اسے کوئی بھی پورا کرے۔

"ہری اوم---- ہرم اوم---- ہرے اوم"----

اس نے ہاتھ اٹھا کر عالم شیر کے سر پر لہرایا یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ملاقات ختم ہ
اب وہ چلا جائے اور کسی دوسرے کو سوامی مہاراج کے چرن چھونے کا موقعہ دے۔

"بالکے! یہاں شانتی ہی شانتی ہے۔ یہ من والوں کا آشرم ہے جاؤ ساوتری بالکے
آشرم میں لے جاؤ----"

سوامی نے اپنی اسسٹنٹ ساوتری کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

اس اشارے کا مطلب تھا کہ یہ "خاص مہمان" ہے اور مستقبل میں قربانی کا بکرا
ثابت ہو سکتا ہے ساوتری بھی کوئی عام کنیا نہیں تھی----

"را" کی تربیت یافتہ فاحشہ تھی----

ایسی فاحشاؤں کے ذریعے ہی "را" دنیا کے بڑے بڑے ڈپلومیٹس کے اندر کے بھید باہر نکلا کرتی تھی۔

ساوتری اسے اپنے ساتھ لیے ملحقہ کمرے میں آئی تھی جہاں پہلے سے ایک شخص شاید اس کا منتظر بیٹھا تھا۔ اس کی شکل پر ایک نظر پڑتے ہی عالم شیر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ تو پاکستانی سفارتخانے کی ایک اہم شخصیت تھی۔

"کیسے ہو شمسی صاحب---- اچانک کیسے آنا ہوا"؟

ساوتری نے بے تکلفی سے اس کا نام لے کر مخاطب کیا تو عالم شیر کو اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ شمسی کا آنا جانا یہاں معمول کی بات ہے۔

"بس جی! سوامی جی کے درشن کرنے آیا ہوں ایک ضروری کام آن پڑا تھا"

شمسی نے انکساری سے لیکن آنکھوں ہی آنکھوں میں ساوتری کو کھا جانے والی ہولناک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص کام ہی لگتا ہے----"

یہ کہتے ہوئے ساوتری نے اپنی ایک آنکھ بڑے زور سے دبائی تھی جسے عالم شیر نے اس طرح نوٹ کیا کہ اسے کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔

"اچھا میں آتی ہوں----"

یہ کہہ کر اس نے بے تکلفی سے عالم شیر کا ہاتھ تھاما اور اسے ملحقہ کمرے میں لے آئی۔ یہ بھی خاصا آرام دہ اور قیمتی ساز و سامان سے آراستہ کمرہ نظر آ رہا تھا۔ شاید اس کا ذاتی کمرہ تھا---- اب صورتحال یہ تھی کہ ایک کمرے میں شمسی موجود تھا درمیان والا کمرہ سوامی جی کے تصرف میں تھا اور اس سے ملحقہ ساوتری کے کمرے میں عالم شیر بیٹھا تھا۔

"میں آپ کے لیے چائے وغیرہ بھیجتی ہوں"----

یہ کہہ کر ساوتری باہر چلی گئی شاید وہ شمسی کو سوامی سے ملانے لے جا رہی تھی۔ عالم شیر صرف ان دونوں کی گفتگو سننا چاہتا تھا----

لیکن----

کس طرح شے؟ اسے ابھی تک بظاہر اس کی کوئی صورتحال دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں میں چمک جاگ اٹھی۔

اس کمرے سے گرم ہوا کا پائپ حال ہی میں دوسری طرف گزارا گیا تھا شاید ابھی کام نامکمل تھا یا ابھی کچھ کام ہونا باقی تھی۔ عالم شیر کو یقین تھا کہ دوسرے کمرے کی دیوار میں پائپ کے لیے موجود بالکل چھوٹے سے سوارخ سے بھی اسے کچھ نہ کچھ ضرور سنائی دے گا۔

اچانک ہی دوبارہ دروازہ کھلا اور اس مرتبہ جو صورت اسے دکھائی دی اگر اس نے اس سے پہلے بھارت میں سوامی مہاراج کے آشرم میں چند روز نہ گزارے ہوتے تو شاید احتیاج قلب کا دورہ اسے پڑ چکا ہوتا۔

اپنے جسم سے قطعی بے نیاز اس سندری کی چال ڈھال اور اسے جسمانی نقوش کو جس انداز میں نمایاں کرنے والے لباس میں نیم عریاں کر کے اس کے پاس بھیجنے کا مطلب یہی تھا کہ اس کا تیر نشانے پر لگا ہے اور سوامی کی نظر التفات اس پر ٹھہر گئی ہے۔

آنے والی نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے ایک طرف رکھ کر دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے اتنا جھک کر اسے نمسکار کیا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی عالم شیر کی نظریں اس کے گریبان میں الجھ کر رہ گئیں لیکن وہ سنبھل گیا۔

"ساوتری دیدی نے آپ کے لیے چائے بھیجی ہے۔--- مجھے انو بما کہتے ہیں"---

اس نے چائے کی ٹرے دوبارہ سنبھالتے ہوئے اپنا تعارف کروا دیا۔

"بہت خوشی ہوئی آپ کے درشن کر کے---"

اس نے انو بما کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

"میں لنگر سیور کر رہا ہوں--- جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو آٹھ نمبر پش کر دیجیے۔"

اس نے ایک کونے میں رکھے انٹرنل ایکسچینج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ آئیے نا--- کچھ باتیں کریں گے"---

عالم شیر بھی خود کو شکاری نہیں کہلانا چاہتا تھا۔

"میں لنگر سے فارغ ہو کر آتی ہوں"---

انو بما نے بظاہر اس کی آتش شوق بھڑکاتے ہوئے کہا اور نمسکار کر کے چلی گئی۔

عالم شیر نے چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑا اور کمرے کے کونے میں اس طرح اپنا ایک کان اس سوراخ سے لگایا کہ اس کی آنکھیں دروازے پر لگی رہیں اور ذرا سی آہٹ پر بھی

وہ فوراً اٹھ کر کھڑا ہو سکے۔

شاید ساوتری نے شمسی کو دوسرے کمرے میں سوامی کے پاس پہنچا دیا۔ ان دونوں میں گفتگو ہو رہی تھی اور سوامی خاصا غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔

"شمسی صاحب! ہم آپ کی سیوا میں کوئی کمی نہیں کرتے تو آپ کو بھی خیال کرنا ہو گا۔ ایک معمولی سا کام آپ نے اسے لگایا ہے اور ابھی تک وہ---"

"سوامی جی! وہ کام ہو چکا اس لیے تو آیا ہوں---

دوسری آواز شمسی کی تھی جس نے سوامی کی بات کاٹتے ہوئے کہا---

"کیا پروگرام بنایا ہے؟"

سوامی نے بے چینی سے پوچھا۔

"سوامی جی--- مزہ آ جائے گا۔ ۲۸ تاریخ کو فلائیٹ نمبر ۷۱۳ کے ذریعے انیس نامی ایک نوجوان جعلی کاغذات پر "جے ایف کے" آئے گا اس کے پاس ہماری تھرڈ سیکرٹری کے نام کا ایک بیگ ہے جس میں بظاہر کچھ کپڑے رکھے ہیں لیکن بیگ کی تہہ میں ہیروئن چھپائی گئی ہے--- سوامی جی--- جب تھرڈ سیکرٹری صاحب کے لیے ہیروئن برآمد ہو گی تو ایک دہائی سی مچ جائے گی--- آپ نے پریس کو سنبھالنا ہے--- اور ایک کال ایف جی آئی والوں کو کرنی ہے اور بس--- ہونہہ--- سالا بڑا ایماندار بنا پھرتا ہے--- مولوی کی اولاد دیکھ لوں گا اسے---"

شمسی نے اپنی بات مکمل کی تو عالم شیر سناٹے میں آ گیا--- کتنا خطرناک منصوبہ تھا---

اس آستین کے سانپ شمسی نے "را" کو خوش کرنے کا کتنا بھیانک طریقہ اختیار کیا تھا۔

"اف میرے خدایا---"

عالم شیر بڑبڑایا۔

اگر یہ اطلاع اس تک نہ پہنچتی تو کیسی تباہی آ جاتی۔ اس نے اپنے دماغ پر فلائیٹ کا نمبر تاریخ اور مسافر کا نام نقش کر لیا تھا اور ان کی مزید بکواس سنے بغیر اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ ابھی تک اس کے دماغ میں شمسی کی زہریلی آواز گونج رہی تھی کس طرح وہ کتے کا پلا کہہ رہا تھا کہ تباہی مچ جائے گی---

"شما کیجئے--- میں ذرا مصروف تھا--- آپ نے اپنا پریچے (تعارف) تو کروایا نہیں--- سوامی جی نے تو بھی خاصی خدمت کا حکم دیا ہے"

اس نے بے ہودگی کا مظاہرہ کیا۔

عالم شیر کو فی الوقت یہ اطلاع جلد از جلد اپنے ملک تک پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ بادل نخواستہ اس نے ساوتری کو بھی اپنا وہی تعارف دھرایا جو سوامی مہاراج کے سامنے دھرایا تھا اور اس سے اچانک ہی اس وقت کی اجازت طلب کی۔

"میرا جاب کا وقت ہو رہا ہے--- کل ویک اینڈ پر آؤں گا--- اور ہاں اس ویک اینڈ پر سوامی جی کے ساتھ بیٹھ کر "رام نام" کا جاپ کرنے والوں میں اس کو بھی شامل کر لیجئے---"

"ٹھیک ہے--- لیکن اب آپ کو آشرم کی طرف زیادہ دھیان دینا ہو گا--- سوامی مہاراج کا من آپ پر آ گیا ہے--- آپ کل اپنی جاب سے استعفیٰ ہی دے دیں---"

ساوتری نے اسکی طرف دیکھ کر اپنے مخصوص کنیا سے انداز میں کہا۔

یہ تو اندھے ہاتھ بیڑا آنے والی بات تھی۔ عالم شیر کھل اٹھا۔

"ساوتری جی! میں ساری زندگی آپ کا احسان مند رہوں گا--- بھگوان آپ کا بھلا کرے جو آپ نے داس (غلام) کے لیے سوامی جی کے چرنوں میں مستقل قیام کی گنجائش نکالی---"

یہ کہتے ہوئے اس نے انکساری سے واقعی ساوتری کے سامنے جھکتے ہوئے ہندوؤں کی طرح ہاتھ باندھ دیے تھے۔

"ارے ورما جی یہ کیا کر رہے ہیں آپ"

ساوتری نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بظاہر اسے اس طرح اپنے جسم سے ٹکرایا تھا کہ عالم شیر اسے بالکل غیر ارادی فعل ہی سمجھے لیکن اس طرح اس نے عالم شیر کو اپنے جسم کا بھرپور تعارف کروا دیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو عالم شیر کے سارے بدن میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی تھی۔

لیکن ----

وہ ان حربوں سے خاصی آشنائی رکھتا تھا۔

آشرم کے دروازے تک ساوتری اسے چھوڑنے آئی تھی۔ وہ تو شاید اس سے آگے بھی جاتی لیکن عالم شیر نے بڑے شاندار کمرے سے یہیں سے اپنی جان خلاصی کروا لی تھی۔

دروازے کے باہر بشیر گاڑی لیے اس کا منتظر تھا---

دونوں فی الحال اپنے انٹرنیشنل ڈرائیونگ لائسنس سے ہی یہاں کام چلا رہے تھے۔ یہاں سے ان کا ٹھکانہ بھی کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔ بمشکل چار پانچ کلو میٹر کا فاصلہ رہا تھا۔ اس طرح کم از کم ان میں اعتماد سا پیدا ہونے لگا تھا اور اس شہر کے گلی کوچوں سے قدرے آشنائی بھی حاصل ہو رہی تھی۔

پہلی کامیابی کی خبر اس نے بشیر کو سنائی تو وہ بھی ہیرن رہ گیا۔

کتنے خطرناک لوگ ہیں یہ---

اس نے تبصرہ کیا۔

"لیکن ان کی ساری بدمعاشی اپنے گھر کے آستین کے سانپوں کے سر پر ہی قائم رہے۔ اگر شمی جیسے غدار انہیں ملتے رہے گے تو کیسے ناکام رہے گے یہ لوگ---"

عالم شیر نے کہا۔

"اب مجھے سمجھ آئی ہے کہ واقعی ان لوگوں نے ہمیں یہاں بھیجنے کا فیصلہ صحیح کیا تھا---"

بشیر نے کہا۔

دونوں باتیں کرتے اپنے ٹھکانے تک آ گئے تھے۔

طاہر اور سلیم بے چینی سے ان کے منتظر تھے کیونکہ آج وہ معمول سے کچھ زیادہ دیر سے آئے تھے۔

"لگتا ہے سوامی آخر پھنس ہی گیا---"

طاہر نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

"کیسے نہ پھنستا--- یونہی تو یہ روپ دھاری نہیں کیا"---

عالم شیر نے اپنے حلیے کی طرف ان کو توجہ دلاتے ہوئے کہا۔

سب سے پہلے ہمیں پیغام پہنچانا چاہیے۔

بشیر نے کہا۔

"ہاں---- میرے خیال سے اب یہ کام اپنے ذاتی فون کے بجائے دوسرے فون سے لینا چاہیے----

عالم شیر نے رائے پیش کی۔

"اگر آپ بطور احتیاط ایسا کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے ویسے ابھی تک کوئی خطرے والی بات تو ہے نہیں"----

سلیم نے کہا۔

"نہیں دوست---- خطرہ سلامتی کے ساتھ ساتھ ہی ملا کرتا ہے اور اچانک ہی سر اٹھایا کرتا ہے"۔

عالم شیر نے فلسفانہ انداز سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ طاہر کی طرف سے فراہم کردہ ایک کارڈ کے ذریعے نزدیک ہی موجود انٹرنیشنل بوتھ سے فون پر میجر کیانی سے بات کر رہے تھے۔

اس وقت پاکستان میں رات کے ڈھائی تین بج رہے تھے اور میجر کیانی اپنے گھر پر سو رہا تھا----

لیکن----

یہ اطلاع اتنی ضروری تھی کہ عالم شیر کے لیے چند منٹ کا انتظار ہی مصیبت بن جاتا---- وہ چاہتا تھا جتنی جلدی ممکن ہو یہ خبر اپنے ملک پہنچا دے۔

میجر کیانی کی گھبرائی ہوئی ہیلو سے صاف ظاہر تھا کہ اپنی گہری نیند سے بیدار کیا گیا ہے۔

"سر---- معافی چاہتا ہوں اطلاع ہی اتنی اہم تھی۔"

اس نے وضاحت کرنا چاہی تو میجر کیانی نے اسے پیار سے ڈانٹ دیا اور کہا کہ دوبارہ کبھی وہ ایسی وضاحت نہ کیا کرے۔

عالم شیر کی طرف سے جو اطلاع میجر کیانی کو ملی تھی اس نے انہیں اس طرح چوکس کر دیا تھا جیسے وہ کبھی سوئے ہی نہیں تھے۔

انہوں نے ایک ایک لفظ نمایاں کر کے اپنی ڈائری پر لکھا اور اسے شاباش دے کر سلسلہ منقطع کر دیا فلائیٹ نمبر713 معمول کے مطابق روانگی کے لیے تیار تھی اور مسافر اپنی اپنی

سیٹ سنبھال چکے تھے جب اچانک ہی ایک جیپ تیز رفتاری سے جہاز کی طرف آتی دکھائی دی----"

یہ انٹیلی جنس کی جیپ تھی۔

میجر کیانی اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ جیپ میں بیٹھے تھے۔ ان کے دو ساتھی اکانومی کلاس والی سیڑھی سے اور میجر کیانی فسٹ کلاس والے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔

ان کا تیسرا ساتھی جیپ پر بیٹھا رہا----

اکانومی کلاس کی ایک سیٹ پر بیٹھے نوجوان کو میجر کیانی اور ان کے ساتھیوں نے گھیر لیا----

"تمہارا نام کیا ہے۔؟"

انہوں نے گھبرائے ہوئے نوجوان سے پوچھا۔

"جی---- میرا نام انیس ہے----"

نوجوان کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور دوسرا جاتا تھا۔ اسے شاید سمجھ آگئی تھی کہ وہ پھنس چکا ہے۔

"ہمارے ساتھ چلو"----

ان کے ایک ماتحت نے اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔

نوجوان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اس کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اسے اس طرح اچانک انٹیلی جنس قابو کر لے گی کیونکہ جن لوگوں نے اسے امریکہ بھیجا تھا انہوں نے یقین دہانی کروائی تھی کہ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

اس سے پہلے اسکا ایک ساتھی بھی انہی لوگوں کے ذریعے امریکہ پہنچ گیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کا کام دو لاکھ روپے میں ہوا تھا اور اسکا صرف 50 ہزار میں---- ان لوگوں نے اسے پاکستانی سفارتخانے میں اپنے دوست کے لیے ایک بیگ دے کر کہا تھا کہ ان کا یہ دوست اسے لینے کے لیے خود ائرپورٹ پر آئے گا۔ اور وہاں امریکہ میں اسکے سارے کام اس شخص کے ذریعے ہو جائیں گے۔

انیس بے چارے کو صرف اس بات کا علم تھا کہ اس کے حالات پر ترس کھاتے ہوئے اور اس کی جنونی خواہش کے پیش نظر ٹریول کمپنی کے خواجہ صاحب کو اس کی حالت پر رحم آ

گیا ہے اور انہوں نے بطور خاص صرف خدا ترسی سے کام لیتے ہوئے اس سے 50 ہزار روپے لے کر اس کا وہ کام کر دیا جو دو لاکھ میں ہوتا تھا۔۔۔۔

جب خواجہ صاحب نے اپنے سفارتکار دوست کا بیگ اسے تھمایا تو بھی اس نے سرسری طور پر اس کا جائزہ لیا تھا۔

لیکن۔۔۔۔

انیس کو پھر اپنی سوچ پر شرمندگی بھی ہوئی کہ اس نے کیوں خواجہ صاحب جیسے نیک انسان کے متعلق ایسا گمان کیا۔ جنھوں نے اسے امریکہ پہنچانے کے لیے ڈیڑھ لاکھ روپے کا نقصان اٹھا لیا تھا۔۔۔۔

اسے اسی بات کا پتہ تھا کہ اس کے جعلی کاغذات پکڑے گئے ہوں گے اور ان لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ یہ بات تو اس نے کبھی نہیں سوچی تھی کہ یہاں کچھ دھماکہ بھی ہونے والا ہے اس کے سامنے اس کا بیگ پھاڑا جا رہا تھا اور اس ڈبل تہہ والے بیگ میں قریباً ایک کلو ہیروئن موجود تھی۔۔۔۔!

انیس کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس نے بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا اور قسمیں اٹھا اٹھا کر کہنے لگا کہ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس بیگ میں کیا ہے؟

تین روز تک اس کی ہر طرح تفتیش کرنے کے بعد میجر کیانی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہ نوجوان واقعی بے گناہ ہے۔ اس کا گناہ صرف اتنا ہے کہ اس نے غیر قانونی جعلی کاغذات کے ذریعے امریکہ جانے کی کوشش کی تھی۔

ٹریول کمیٹی والے خواجہ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اسے گرفتار کرنے والی عام پولیس یا کوئی سی آئی ڈی والے نہیں بلکہ ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ ہیں تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے پے در پے کئی وی آئی پی کے حوالے دے کر اپنی دانست میں ان لوگوں پر رعب ڈالنا چاہا تھا لیکن اس کے اندازوں کے بالکل برعکس یہ سارے نام ایک کاغذ پر نوٹ کرنے کے بعد اس حوالدار نے اسے گرفتار بلکہ اغوا کر کے لے جا رہا تھا اس کے منہ پر ایک زور دار تھپڑ رسید کر دیا اور دوسرے نے اسے دھکا دے کر جیپ میں پھینکا اور جیپ چل دی۔

خواجہ نے دو چار جوتے کھا کر بتا دیا کہ مرزا نے اسے یہ بیگ دیا تھا اور پانچ لاکھ روپے

نے کی پیشکش کی تھی۔ دو لاکھ ایڈوانس دیئے تھے اور تین لاکھ مال پہنچنے کے بعد دینے کا دہ کیا تھا چونکہ اس نے بیگ ایک سفارتکار کے لیے دیا تھا اس سے خواجہ نے سمجھ لیا کہ کوئی اونچے اور بڑے لوگ ہیں اور کوئی انکا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس نے لالچ میں آ کر یہ ام انیس کے ذریعے کروا دیا جو امریکہ جانے کے لیے ایک عرصے سے اس کی ٹریول ایجنسی ے چکر کاٹ رہا تھا۔ خواجہ نے بتایا کہ وہ غیر قانونی کاغذات پر لوگوں کو یورپ اور امریکہ بھیجنے کا دھندہ کرتا آیا ہے۔ یہ حرکت اس نے پہلی مرتبہ کی تھی۔۔۔۔

میجر کیانی دل ہی دل میں "را" کی مکاری پر حیران ہو رہا تھا کہ ان لوگوں نے بظاہر کتنی سادگی سے یہ سارا چکر چلایا تھا اور اسے محض سمگلنگ کا ایک عام سا کیس بنا کر اس کے ریعے پاکستان کی ساکھ کو تباہ کر دینے کی سازش کی تھی۔۔۔۔"

"مرزا کے پاکستان میں پھیلے درجنوں ایجنٹوں پر ان کی نظر تھی۔۔۔۔"

انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹر میں طویل مشورے کے بعد آئی ایس آئی نے چند ایجنٹوں کو جن ے متعلق بھارتی انٹیلی جنس کو یقین تھا کہ مرزا انہیں نہیں جانتا چھوڑ کر باقی تمام غداروں کو راتوں رات مرزا سمیت گرفتار کر کے "را" کو اس کے گھناؤنے عزائم سمیت جہنم واصل کر یا تھا۔۔۔۔!

جن ایجنٹوں کو چھوڑا گیا تھا ان میں ناصر کی طرح دو اور نوجوان بھی شامل تھے جنہوں ے "را" کی صفوں میں دور تک رسائی حاصل کر لی تھی اور ان کے ذریعے آئی ایس آئی کو ا" کے گھناؤنے منصوبے کا علم ہوتا رہتا تھا۔۔۔۔

ان میں پانچ چھ ایسے لوگ بھی تھے جو صرف غدار تھے اور انہیں صرف اس لیے چھوڑا یا تھا کہ ان کے ذریعے دشمن کے عزائم کی خبر ہوتی رہے۔

انیس کی گرفتاری سے متعلق پاکستانی پریس میں صرف اتنی ہی خبر شائع کی ہوئی تھی کہ ک نوجوان کو ایف۔ آئی۔ اے والوں نے جعلی دستاویزات پر سفر کرنے کے شک میں گرفتار یا اور جب اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو اس کے بیگ میں سے ہیروئن برآمد ی۔۔۔۔

پولیس نے نوجوان کے بتانے پر ٹریول ایجنسی کے مالک کو بھی گرفتار کر لیا ہے۔ الزام ، کہ وہ یورپ اور امریکہ کے جعلی ویزوں کا کام کرتا تھا۔۔۔۔!

مرزا کی گرفتاری کی خبر اخبارات میں شائع نہیں ہوئی تھی۔

لیکن----

ناصر کے ذریعے "را" کے ذمہ داروں تک یہ خبر پہنچائی گئی تھی کہ سیالکوٹ کے نزدیک ایک نوجوان پر شک گزرنے پر پولیس نے اس سے دھماکہ خیز مواد برآمد کر لیا جس نے پولیس کے سامنے اعتراف کرلیا کہ اس کام پر اسے مرزا نے لگایا ہے---- باقی لوگوں کو مرزا نے ہی گرفتار کروایا ہے۔ اس کا نام شاید اس لیے نہیں لیا کہ اسے "را" کی طرف سے بھارت میں رہنے والی اپنی فیملی کی تباہی کا خوف تھا----

اس طرح اس نے شاید "را" پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس نے مرتے مرتے بھی ان کے کچھ لوگوں کو پہچان لیا----

اور---- "ذہین آفیسر"

"را" کی اس کہانی سے مطمئن ہو گئے۔

انہوں نے اسی بات پر بھگوان کا شکر ادا کیا کہ کچھ ایجنٹ تو بچ گئے۔

واپسی

مرزا جانے کس مٹی کا بنا ہوا تھا----

میجر کیانی کو تو یوں لگتا تھا کہ اگر انہوں نے پہلے ہی سے اس سے متعلق اتنی معلومات جمع کی ہوتیں تو شاید کوئی ڈھنگ کی بات اس کے منہ سے نکلوانے میں کامیاب ہی نہ ہو پاتے----

کیا مجال جو اس نے ایک بھی کام کے ایجنٹ کا نام لیا ہو----

شمسی سے کوئی بھی تعلق جوڑنے پر وہ رضا مند نظر نہیں آتا تھا۔ پندرہ بیس روز تک مسلسل ذہنی اور جسمانی اذیتیں برداشت کرنے کے بعد اس نے بالآخر اس بات کا اعتراف کیا کہ شمسی اس کا دوست ہے اور جس سفارتکار کے نام ہیروئن والا بیگ جا رہا تھا شمسی کی اس سے مخالفت رہتی ہے چونکہ یہ شخص شمسی کو حیلوں بہانوں سے تنگ کرتا رہتا ہے اور شمسی کو یہ فکر بھی لاحق رہتی ہے کہ کہیں وہ اسے واپس پاکستان ہی نہ بھجوا دے۔ اس لیے اس نے مرزا سے مدد مانگی تھی اور مرزا نے اپنے دوست کے کہنے پر یہ سارا منصوبہ تیار کیا تھا۔

انکا مقصد یہ تھا کہ جب یہ نوجوان نیویارک پہنچے گا اور ایف سی آئی کو پہلے سے اطلاع ہوگی تو گرفتاری پر یہ انکشاف ہو جائے گا کہ بیگ تو سفارتکار کے نام آ رہا تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ اصل صورتحال کیا ہے اس سفارتکار کو فوراً امریکہ سے نکلانا پڑتا اور یہی اس کا منشا تھی----

مرزا نے بڑے اعتماد سے کہا تھا کہ اول تو امریکن خواجہ تک ہی نہ پہنچ پاتے اور خواجہ کا نام لینے کی جرات نہیں کر سکتا تھا---- وہ اسے مذہبی معاملہ بنا دیتا اور اقلیتی لیڈر

ہونے کے سبب واقعے کی نوعیت ہی تبدیل کر دی جاتی---- جن لوگوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا انہوں نے تمام مفروضے پہلے سے ذہن میں رکھے ہوئے ہوں گے---- اپنی دانست میں انہوں نے اپنے منصوبے میں کوئی بھول نہیں چھوڑی تھی---- اس نوجوان کی امریکہ اور پاکستان میں گرفتاری کے یکساں نتائج برآمد نہیں ہو سکتے تھے----

مرزا نے ایک مہینہ تک مسلسل تفتیش کے بعد بھی یہ ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ یہ منصوبہ "را" نے سمشی کے ذریعے تیار کیا تھا پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر بدنام کیا جائے اور اس راستے میں اگر مرزا یا سمشی جیسے دو تین بکرے ذبح بھی ہو جاتے تو بھی "را" کے لیے یہ مہنگا سودا نہیں تھا کیونکہ اپنے چند ایجنٹوں کی قربانی دے کر وہ اتنا کچھ حاصل کر لیتے جس کا کبھی اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا----

یوں بھی مرزا یا سمشی ان کے رشتہ دار تو نہیں تھے ان کے زر خرید کتے تھے جن کو اس مقصد کے لیے بھرتی کیا جاتا تھا کہ ضرورت پڑنے پر انہیں کتے کی موت مروا بھی دیا جائے----

میجر کیانی جانتا تھا مرزا کس مٹی کا بنا ہے----

وہ جسمانی طور پر اتنا مضبوط انسان نہیں تھا۔

لیکن----

اگر دوران تفتیش مرجاتا تو ان کے لیے ایک مستقل عذاب کھڑا ہو جاتا کیونکہ اس کے فرقے کے لوگوں نے اسے منحوس مسئلہ بنا کر ساری دنیا میں طوفان کھڑا کر دینا تھا----

"را" نے یقیناً معاملے کے اس پہلو پر بھی نظر رکھی ہو گی---- وہ ان لوگوں کی پشت پر کھڑے ہو جاتے اور پاکستانی حکومت کے لیے مسائل کا نیا انبار کھڑا کر دیتے----

مرزا سے انہوں نے جو کچھ حاصل کرنا تھا وہ حاصل کر چکے تھے----

میجر کیانی کو یقین تھا کہ عدالت میں جب یہ مقدمہ جائے گا تو مرزا کو کم از کم بیس (20)
اس نے اپنے ماتحتوں کو سارے ثبوت اکٹھے کر کے کیس پولیس کے حوالے کر دینے کا حکم دے دیا تھا۔ اب مرزا ان کے کام کا نہیں رہا تھا نہ ہی اس کے بچ نکلنے کے امکانات باقی رہے تھے۔

سمشی کو ان لوگوں نے جان بوجھ کر نظرانداز کیے رکھا----

ان گرفتاریوں اور ملزموں کے اعتراضات اور انکشافات سے متعلق جو کہانیاں اخبارات میں شائع ہوئی تھیں ان میں دور دور تک بھی اس "را" کی کسی سازش کا تذکرہ نہیں تھا نہ ہی اس سازش کے ڈانڈے کسی غیر ملکی سفارتخانے سے ملائے گئے تھے۔

آئی ایس آئی نے سارا منصوبہ اتنی چالاکی سے ترتیب دیا تھا کہ "را" کا خیال بھولنے سے بھی اس طرف نہ جا سکے کہ سمشی بے نقاب ہو گیا ہے کیونکہ ابھی سمشی کے ذریعے انہیں اس جیسے اور غداروں کا بھی پتہ لگانا تھا۔

عالم شیر نے طاہر کے نام آنے والے ایک پاکستانی اخبار میں اس گروہ کی گرفتاری کی خبریں پڑھی تھیں اور دل ہی دل میں مسکرا دیا تھا۔

اس سے پہلے اسے علم ہو گیا تھا کہ اس کی فراہم کردہ اطلاعات کی بنیاد پر ایک بڑا گروہ "را" کے ایجنٹوں کا گرفتار ہو چکا ہے اس خبر کے اثرات اس نے یہاں آشرم میں بھی محسوس کر لیے تھے۔ ان گرفتاریوں کے اگلے ہی روز جب وہ مہاراج سوامی کے درشن کو گیا اور ساوتری کو اس نے خاصا اداس پایا تھا۔

ساوتری سے اس درمیان اس نے خاصے مضبوط تعلقات استوار کر لئے تھے----

مہاراج سوامی نے اس کی ہدایت پر ساوتری نے بھی اس کی برین واشنگ شروع کر دی تھی۔ وہ کسی نہ کسی حوالے سے پاکستان کے خلاف ایک آدھا فقرہ اچھال دیتی جس کے جواب میں عالم شیر پاکستان کے خلاف بھی خاصی تقریر جھاڑ دیتا۔

اس روز بھوپت رائے جب آشرم میں پہنچا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ عالم شیر اور ساوتری نے سوامی جی مہاراج کے کمرے کی صفائی کی ذمہ داری اسے سونپ دی تھی۔ اس بہانے دراصل کیلاش ورما اپنے من کی زیادہ سے زیادہ شانتی چاہتا تھا۔

اس نے ساوتری سے کہا تھا کہ جس قدر وہ سوامی مہاراج کے چرنوں کے نزدیک رہے گا۔ اس قدر اس کا سوبھاگیہ (خوش قسمتی) ہو گا۔

اور----

ساوتری دیوی نے اسے سوامی مہاراج کے چرنوں کے نزدیک رکھنے کا بندوبست سوامی مہاراج کی مرضی سے کر دیا تھا۔

سوامی مہاراج آنکھیں بند کئے اپنے لکڑی کے تخت پوش پر الٹی پالتی مارے بیٹھے تھے جب اچانک دروازہ کھول کر بھوپت رائے اندر آ گیا۔

وہ سوامی مہاراج کے قدموں میں اس طرح گرا تھا جیسے کسی نے اسے باہر سے دھکا دے کر اندر پھینکا ہو۔

"بہت ظلم ہو گیا مہاراج۔۔۔۔"

وہ بہت گھبرایا نظر آتا تھا اور اس گھبراہٹ میں اسے نے ساوتری دیوی کے ساتھ موجود اس نوجوان کو بھی نظر انداز کر دیا تھا جو بڑے انہماک سے کمرے میں رکھی ایک ایک چیز پر کپڑا پھیر کر اسے صاف کر رہا تھا۔

لیکن۔۔۔۔

جس کے کان اس کی طرف لگے تھے۔ بظاہر اس نے یہی تاثر دیا تھا جیسے اس نے ڈھنگ سے بھوپت رائے کی شکل بھی نہیں دیکھی۔

"بھوپت رائے اگر میرے بس میں ہوتا تو تمہیں زمین میں زندہ گاڑ دیتا۔۔۔۔ تم نے جانے کیسے گدھے بھرتی کر رکھے ہیں۔۔۔۔ بھوپت رائے تم نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ تم نے۔۔۔۔ تم نے۔۔۔۔

سوامی مہاراج غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"تم جاؤ بالکے۔۔۔۔ آنند مانو۔۔۔۔ ہم تھوڑا جاپ کریں گے"۔۔۔۔

اسے اچانک ہی عالم شیر کی موجودگی کا خیال آ گیا تھا۔

"جو حکم سوامی۔۔۔۔"

عالم شیر نے بھی اس کے حسب معمول قدم چھوئے اور الٹے قدموں کمرے سے باہر آ گیا۔ ساوتری اس کے تعاقب میں اس کے پیچھے ہی آ گئی تھی۔ شاید سوامی مہاراج نے اسے کوئی مخصوص اشارہ دے کر اس طرف بھیجا تھا۔

اچانک ہی عالم شیر اس طرح لڑکھڑا کر گرا تھا جیسے اس کے پاؤں کو موچ آ گئی ہو۔

"کیا ہوا۔۔۔۔ کیا ہوا؟"۔۔۔۔

"کچھ نہیں۔۔۔۔ پاؤں میں کچھ گڑبڑ ہے۔ صبح سے بہت تکلیف ہے"۔

عالم شیر نے چہرے کو اس طرح بگاڑا ہوا تھا جیسے بڑی اذیت ناک حالت میں ہو۔

"آؤ۔۔۔۔ میرے کمرے میں آرام کرو۔"

ساوتری نے اس کا ایک ہاتھ اپنے کندھے پر رکھ کر بظاہر اسے سہارا دیا اور وہ اپنا آدھا ھ اس کے جسم پر ڈالے قریباً لڑکھڑاتا ہوا اس کے کمرے کی طرف چل دیا۔ ساوتری نے ے ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھا دیا اور فوراً اس کے لیے چائے لینے چلی گئی۔

اس کے کمرے سے قدم باہر نکلتے ہی عالم شیر کے کان اس سوراخ کے نزدیک پہنچ ئے۔ جہاں سے بھوپت رائے کی آواز آ رہی تھی۔

"سوامی مہاراج۔۔۔۔ یہ سب کچھ اچانک ہو گیا۔۔۔۔ آپ تو جانتے ہیں آج کل ستانی خاصے ایکٹو ہو رہے ہیں"۔۔۔۔

اس کی آواز سنائی دی۔

"آیئے آیئے شمسی صاحب۔۔۔۔ کوئی اور اچھی خبر تو نہیں لائے آپ"

اچانک ہی اسے سوامی کی طنزیہ آواز سنائی دی جس سے عالم شیر نے اندازہ لگایا کہ شمسی ی وہاں آیا ہے۔

"سوامی جی مہاراج۔۔۔۔ بس یوں جانیئے کہ قسمت نے ہمارا ساتھ نہیں دیا۔۔۔۔ اج کل پاکستانی امیگریشن کے لوگ امریکہ جانے والوں کے کاغذات پر بہت گہری نظر رکھتے ں۔ میرے خیال سے اس نوجوان کے جعلی کاغذات نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔۔۔۔ مرزا نے یں مروایا ہے میں جانتا ہوں اس کی عادت ہے کہ کبھی کسی کو پوری ادائیگی نہیں کرتا۔ میرا کہتا ہے کہ اس نے یقیناً ٹریول ایجنٹ کو بھی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی ہو گی۔ اور نے بزدلی سے کام کیا ہو گا۔۔۔۔ ورنہ اس شخص کی تو سارے پاکستان میں شہرت ہے کہ ں کا بھیجا بندہ کبھی واپس نہیں آتا۔۔۔۔"

شمسی نے وضاحت پیش کی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں شمسی صاحب مہاراج۔۔۔۔ ڈپٹی صاحب نے اسے بہت سر چڑھا ا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مرزا رقم میں ہیرا پھیری کرتا ہے۔ کئی ایجنٹوں نے شکایت کی تھی مرزا انہیں مکمل ادائیگی نہیں کر رہا لیکن نجانے کیوں اسے نظر انداز کیا گیا۔۔۔۔ ظاہر ، اس نے کبھی نہ کبھی تو مارے ہی جانا تھا۔ یہ سب کچھ اس کی بدنیتی کی وجہ سے ہوا ہم تو بڑا شاندار منصوبہ بنایا تھا"۔۔۔۔

بھوپت رائے نے اور ہیں نے

"تم نے بھی تو اسے مروانے میں کسر نہیں چھوڑی تھی---- اگر وہ لڑکا یہاں پکڑا جاتا تب بھی تو مرزا قابو آتا---- اس نے تو ہر حال میں مارے جانا تھا"----

سوامی مہاراج نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ ہیڈ کوارٹر کا فیصلہ تھا جناب ہمارا نہیں۔ شاید ان لوگوں نے اس مرتبہ مرزا کی چھٹی خود کروانے کا فیصلہ کر لیا تھا---- یوں بھی اب وہ ہمارے لیے خطرہ بننے لگا تھا۔ اس کی گندی جنسی عادت کے سبب اس کی خاصی شہرت ہو گئی تھی اور گزشتہ تین چار ماہ سے اس نے کوئی خاص کام بھی نہیں کیا تھا---- سوائے مال پہنچنے کے---- شاید اس نے دلی والوں کے ساتھ کوئی ہاتھ کیا ہے---- تب ہی تو ان لوگوں نے بطور خاص اسے اس کیا میں پھنسایا---- اگر وہ نہ کہتے تو متبادل راستے بھی تلاش کیے جاتے تھے---- مجھے تو یقین ہے کہ ان لوگوں نے مرزا کو مروانے کا فیصلہ کر لیا تھا"----

بھوپت رائے نے کہا۔

سوامی مہاراج سمجھ گیا کہ ضرور یہ دہلی والوں کا یہ فیصلہ ہو گا کہ یہ ضروری نہیں کہ انہوں نے ہر معاملے میں سوامی مہاراج کو اعتماد میں لینا ضروری سمجھا ہو----

"لعنت بھیجو اور آگے کی فکر کرو---- ہاں سمشی کیا بنا فائل کا----"

سوامی مہاراج نے کام کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

"مہاراج میں نے ریاض کی ڈیوٹی لگا دی ہے---- یہ لڑکا چند ماہ پہلے ہی آیا تھا۔ بڑے کام کا لڑکا ہے---- اور دولت کمانے کا خاص شوقین---- وہ ایک دو روز میں سارے فائل کے فوٹو سٹیٹ بنا دے گا۔ یہ فائل اس کی دسترس ہی میں رہتی ہے"----

ابھی سمشی نے اتنا ہی کہا تھا جب عالم شیر کی چھٹی حس نے اچانک ہی اسے یہاں سے اٹھا کر دوبارہ صوفے تک پہنچا دیا۔

دوسرے ہی لمحے جب ساوتری دروازہ کھول کر اندر آئی تو وہ اپنا پاؤں ہاتھ میں پکڑے اسے دبا رہا تھا۔

"کوئی (Pain Killer) دوں"----

ساوتری نے چائے کا مگ اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے لے لیے ہیں"----

اس نے ساوتری کے پلنگ کے نزدیک رکھی "ٹائلی نول" کی شیشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیسے چوٹ لگی---- کیا ہو گیا تھا"----

ساوتری نے اس کے پاؤں کو اب اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"بس اپنی بے وقوفی سے---- چھوڑو اس قصے کو---- یہ بتاؤ آج شام میں کیا کر رہی ہو---- چلو آج کہیں گھومنے جاتے ہیں۔ موتی لال بھی خوش ہو جائے گا"----

اس نے ساوتری کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا اور ساوتری نے فوراً ہاں کہہ دی۔

"ارے آپ کے لیے وقت نہیں نکالیں گے تو کس کے لیے نکالیں گے"----

"ٹھیک ہے میں شام کی سبھا میں آؤں گا یہاں سے فارغ ہو کر چلے جائیں گے"----

عالم شیر نے اس وقت یہاں سے جانا ہی مناسب سمجھا قدرت نے اسے آج ایک اور کامیابی سے نوازا تھا۔

"جیسی آپ کی ابھیتا (مرضی) مہاراج"----

ساوتری نے اسکے گلے کا ہار بنتے ہوئے کہا۔

اس نے موتی لال کو جو آشرم کے دوسرے حصے میں "خدمات" انجام دے رہا تھا ساوتری ہی کے ذریعے وہاں بلوایا جس نے خود جانے کی بجائے انٹر کام پر یہ ہدایت اپنے کسی ماتحت کو دی تھی---- موتی لال بھی چونکہ ورما جی کی طرح سوامی مہاراج کے قدموں ہی میں ساری زندگی بیتانا چاہتا تھا۔ سوامی نے بھی آشرم میں ہوئی ڈیوٹی سنبھالی تھی----

ساوتری نے اسے "لنگر" میں فٹ کر دیا تھا جبکہ عالم شیر کے لیے تو اس نے یہاں مستقل ملازمت کی گنجائش نکال لی تھی اور اگلے ایک دو روز میں اسے یہاں باقاعدہ شفٹ ہونے کے لیے کہہ دیا تھا۔

موتی لال کے کمرے میں تھوڑی دیر بعد ہی پہنچ گیا تھا----

ساوتری دونوں کے ساتھ اس کھٹارہ کار تک خود چل کر آئی تھی۔ جس میں بیٹھ کر موتی لال نے یہاں سے جانا تھا اور اب دونوں پارکنگ سے باہر آ رہے تھے۔

"عالمے! کوئی بڑا دھماکا ہونے والا ہے"----

بشیر نے اسے فوراً ہی مطلع کیا۔

"اچھا پہلے تم ہی سنا لو"۔۔۔۔

عالم شیر نے اسے اپنی بات کہنے سے پہلے سننا مناسب جانا۔

میں نے آج یہاں رگھوناتھ سہائے کو دیکھا ہے۔۔۔۔ اور تمہیں یاد ہے وہ جٹاؤں والا بابا۔۔۔۔ وہ جو اس کے شمع والے آشرم میں باڈی گارڈ تھا۔۔۔۔ وہ بھی تھا اس کے ساتھ۔۔۔۔ شاید پاکستان میں ان کے ایجنٹوں کی گرفتاریوں کے بعد اب یہ لوگ یہاں کوئی ہنگامہ کروانے آئے ہیں۔۔۔۔ میرا خیال ہے یہ سکھوں کے درمیان کوئی فساد کروائیں گے اور اس کا الزام پاکستان کے سر پر تھوپ دیں گے کیونکہ آج سہائے سے کلونت سنگھ نے بڑی طویل ملاقات کی ہے۔۔۔۔ تم جانتے ہوں نا۔۔۔۔ یار وہی نیویارک گوردوارے والا کلونت سنگھ جس پر پچھلے دنوں خالصتان نواز سکھوں نے حملہ کر کے اسے زخمی بھی کر دیا تھا۔۔۔۔ جس کی گوردوارے میں سکھ عورتوں نے پٹائی کی تھی اور یہ وہاں سے بمشکل جان بچا کر نکلا تھا۔۔۔۔ سہائے نے بند کمرے میں اس کے ساتھ طویل میٹنگ کی ہے افسوس میں اس کی باتیں نہیں سن سکا۔۔۔۔ آج کچھ امریکی بدمعاش قسم کے کالے بھی یہاں آئے تھے۔۔۔۔ جٹاؤں والا ان کے ساتھ بہت دیر تک رہا ہے۔۔۔۔ صبح سے ان لوگوں کی آپس میں میٹنگیں چل رہی ہیں۔۔۔۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہو گا"۔۔۔۔

بشیر کی اطلاعات نے اسے مزید چونکا دیا تھا۔

اس کے بعد عالم شیر نے اسے اپنی کاروائی سے آگاہ کر کے ریاض نامی کسی نئے غدار سے متعلق بتایا اور دونوں فون بوتھ کی طرف چل دیئے۔

قریباً دس منٹ بعد انہوں نے فون پر میجر کیانی سے رابطہ قائم کر لیا تھا اور اب باری باری اسے اطلاعات منتقل کر رہے تھے۔

"ویل ڈن۔۔۔۔ ویل ڈن مائی بوائز۔۔۔۔"

میجر کیانی نے بے اختیار نعرہ تحقیق بلند کرنے لگا تھا۔

اس نے دونوں کی باتیں توجہ سے سننے کے بعد انہیں اگلی ہدایات دے کر رابطہ منقطع کر دیا دونوں اب اپنے عارضی ٹھکانے کی طرف جا رہے تھے۔

قدرت نے ان کے ذریعے پاکستان کو خاصی کامیابیوں سے ہمکنار کیا تھا اور اب انہیں

زیادہ منافع ہو جانا تھا۔

رگھوناتھ سہائے کی اس آشرم میں آنے کا مطلب تھا کہ جلد ہی کوئی بڑی ہنگامہ آرائی دیکھنے کو ملے گی۔

جٹاؤں والے کو وہ لوگ شملہ سے جانتے تھے جہاں وہ سوامی مہاراج کا خصوصی باڈی گارڈ ہوا کرتا تھا۔ یہاں آنے سے پہلے اس نے اپنا جٹائیں تو کٹوالی تھیں لیکن اس کے چہرے کو دونوں ہی کبھی نہیں بھلا سکے تھے۔ کیونکہ ہر روز وہ اسے سوامی کے ساتھ دیکھا کرتے تھے۔

سوامی مہاراج کے شملہ والے آشرم میں دیکھے ہوئے چہرے انہیں یہاں دکھائی دینے لگے تھے ان لوگوں کی آمد آجکل ہی شروع ہوئی تھی اور میجر کیانی نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ جیسے بھی ممکن ہو ایسے تمام لوگوں کی تصاویر حاصل کرنے کی کوشش کریں۔۔۔۔"

لیکن۔۔۔۔

اس نے یہ واضح کر دیا تھا کہ اس کام میں معمولی سا خطرہ مول لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس مرحلے پر ان دونوں میں سے کسی ایک کی معمولی سی غلطی سے بھی کھیل بگڑ جائے۔۔۔۔

شام کو دونوں معمول کے مطابق آشرم گئے تھے۔۔۔۔

یہاں روزانہ شام کو "جاپ" اور "یوگا" کی جو کلاسیں ہوا کرتی تھیں ان میں سوامی مہاراج کے غیر ملکی اور بھارتی چیلے اور چیلیاں بڑے جوش و خروش سے شرکت کرتے تھے۔

سوامی مہاراج کا بھاشن ہو رہا تھا۔۔۔۔

عالم شیر نے بڑے بڑے چرب زبان دیکھے تھے۔

لیکن۔۔۔۔

قدرت نے جو کمال سوامی مہاراج کو دیا تھا وہ اس کا حصہ تھا وہ آواز کے تاثراتی انداز کو بار بار اس طرح بدلتا کہ سننے والے کے دل میں اترتا چلا جاتا۔۔۔۔ کبھی اس کی آواز بہت غمگین ہو جاتی اور کبھی یوں لگتا جیسے وہ کسی غار میں بیٹھا بول رہا۔۔۔۔ اچانک ہی وہ اپنی آواز بلند کرتا اور سننے والا مسحور ہو کر رہ جاتا سوامی کا بھاشن ختم ہوا تو مجمع "ہرے اوم"۔۔۔۔ "ہرے اوم۔۔۔۔ کے نعرے بلند کرنے لگا۔ اچانک ہی سوامی مہاراج نے اپنا

دائیاں ہاتھ بلند کیا اور شانتی ---- شانتی پکارتا سٹیج کے پہلو میں لگے دروازے کے ذریعے اندر چلا آیا۔

آج عالم شیر نے بھی اس کے تعاقب میں سہائے اور جٹاؤں والے کو جاتے دیکھا تھا یقیناً یہ لوگ کسی شیطانی منصوبے پر بحث کرنے جا رہے تھے۔

نیو جرسی میں سکھوں کا یہ گوردوارہ بھارتی حکومت کے لیے مستقل درد سر بن کر رہ گیا تھا---- اس گوردوارے میں دن رات خالصتان کا پرچار ہوتا تھا اور بھارتی پنجاب میں پولیس مظالم سے جان بچا کر امریکہ پہنچنے والے سکھ نوجوان عموماً یہیں پناہ حاصل کیا کرتے تھے---- گرپوالی فیملی یہاں کی مشہور سکھ فیملی تھی----

یہ لوگ گزشتہ بیس سال سے امریکہ میں آباد تھے---- امریکی معاشرے میں اپنے وسیع اثر و رسوخ کی وجہ سے ان کی سینٹرز اور کانگرسیوں سے ملنا ملانا رہتا تھا جنکے ذریعے امریکی ایوانوں تک یہ لوگ قوم پر ہندو کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم کی کہانیاں پہنچا دیتے تھے اور ان مظالم کی بازگشت امریکن پریس میں بھی سنائی دینے لگی تھی----

"را" کی ہر ممکن کوشش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس گوردوارے سے گرپوالی خاندان کا قبضہ ختم کروا کر یہاں جسونت سنگھ گروپ کا قبضہ کروایا جائے۔ اس مرتبہ گوردوارے کی انتظامی کمیٹی کے لیے ہونے والے انتخابات میں ہندوں نے سب کچھ جھونک دیا تھا۔

صبح انتخابات تھے اور رات کو دیر گئے سوامی مہاراج کو بھوپت رائے نے رپورٹ پہنچائی تھی کہ اس مرتبہ پھر انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا کیونکہ سکھوں کو ورغلانا اب ممکن نہیں رہا----

"یہ حرام خور جسونت سنگھ آخر کس مرض کی دوا ہے---- اور وہ جو لاکھوں ڈالر ہم اب تک اسے دے چکے ہیں کیا وہ اس دن کو دیکھنے کے لیے دیئے تھے----

سوامی مہاراج کا پارہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔

"اس کی طرف سے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے سوامی مہاراج لیکن یہ سکھ عجیب قوم ہے ایک مرتبہ جو بات ان کے دماغوں میں بیٹھ جائے وہ پھر نکلنے کا نام ہی نہیں لیتی"----

بھوپت رائے نے صفائی پیش کرنا چاہی۔

"بھوپت رائے---- اس مرتبہ کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے---- کچھ نہ کچھ---- میں ناکام واپس نہیں جانا چاہتا" سوامی مہاراج نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اچانک ہی ایک شیطانی خیال اس کے دماغ میں سمایا۔

"بھوپت رائے---- جسونت سنگھ کی بلی والا روپ اس کو شہید کروا دو---- کالی ماتا کے چرنوں میں اگر اس کی بلی پروان چڑھ گئی تو ہمارے لیے بڑے اچھے نتائج لائے گی---- اسے مروا دو بھوپت رائے----"

سوامی مہاراج کا قہقہہ بلند ہوا----

"جو حکم مہاراج---- میں نے بہت پہلے یہی بات کہی تھی---- جب تک ان لوگوں کا آپس میں ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ بات نہیں بنے گی---- دھن ہو مہاراج---- آپ نے تو میرے منہ کی بات چرا لی---- میں آج ہی بندوبست کر دیتا ہوں----

بھوپت رائے نے کہا۔

دونوں نے اس رات اپنی فتح کا جام ٹکرایا اور ساوتری اور سوامی مہاراج کی دیگر چیلیاں ساری رات ان کی سیوا میں رہیں۔

دوسرے روز علی الصبح ہی بھوپت رائے بھارتی سفارتخانے میں واپس پہنچ گیا---- اسے اب جو کچھ بھی کرنا تھا فوراً کرنا تھا۔

آج ڈیوڈ اس کے کام آنے والا تھا----

ڈیوڈ کو وہ گزشتہ چھ ماہ سے پال پوس رہا تھا۔ اس کی جائز ناجائز ضروریات پوری کر رہا تھا آج اس سے کام لینے کا وقت آ گیا ہے۔

حسب روایت گوردوارے کے انتخابات ہوئے جن میں جسونت سنگھ کو بری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اس کے پینل میں سے کوئی بھی امیدوار قابل ضمانت ووٹ حاصل کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوا۔

اس نے "را" سے نئی ہدایات کے مطابق نتیجے کا اعلان ہونے سے پہلے ہی ہنگامہ شروع کر دیا اور دھاندلی کا الزام گرپوالی پر لگا دیا----

گرپوالی بھی کوئی گرا پڑا سکھ نہیں تھا۔ اس نے جسونت سنگھ کے الزامات کا جواب اس

کی توقع سے بڑھ کر زور دار دیا تھا نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ یہی "را" کا منشا تھی۔ وہ کسی بھی طرح اس ڈرامے کا آغاز دونوں کی لڑائی اور گالی گلوچ سے کروانا چاہتے تھے۔ سکھ کی روایات کے مطابق گرپوالی نے اسے سبق سکھانے کی دھمکی دے دی اور اس پر ساری سکھ سنگت کے سامنے بھارتی حکومت کا ایجنٹ ہونے کا الزام بھی لگا دیا۔ جواب میں جسونت سنگھ نے اسے پاکستانی ایجنٹ قرار دے دیا----

سکھوں نے دونوں کا بیچ بچاؤ کروا دیا اور جسونت سنگھ اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ اس کے بعد اس ڈرامے میں "را" کے زر خرید "فیڈریشن" کے لوگوں کا رول شروع ہوا۔ یہ لوگ بظاہر خالصتانی سکھ بنے ہوئے تھے۔

لیکن----

ان کے ضمیر اپنی قیمت پا کر کبھی کے بھارتی انٹیلی جنس کے ہاتھوں بک چکے تھے۔ انہوں نے جسونت سنگھ کی حمایت نہیں کی تھی اور خود پر خالصتان نواز ہونے کا لیبل لگا رکھا تھا جیسے ہی معاملہ ختم ہوا انہوں نے گرپوالی کو کہنا شروع کر دیا کہ وہ اپنی امارت کے زعم میں مبتلا ہو کر خود کو کوئی بڑی چیز سمجھنے لگا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس میں جسونت سنگھ کا قصور تھا لیکن آخر وہ ایک سکھ ہے اس کے ساتھ گوپوالی کو یہ سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا۔

اس طرح "را" نے ان لوگوں کے بھی آپس میں وہ گروپ بنا دیئے جنہوں نے اب ایک دوسرے پر بھارتی حکومت کی ایجنسی کے الزامات لگانے شروع کر دیئے۔ دونوں گروپوں میں آپس میں تلخ کلامی شروع ہو گئی اور بمشکل ان کے بزرگوں نے دخل انداز کر کے اس معاملے کو ختم کروایا----

اب "را" نے اس ڈرامے کو کلائمکس تک لے جانا تھا جس کے لیے بھوپت رائے نے ڈیوڈ کو میدان میں اتارا۔

ڈیو جرسی کا مانا ہوا غنڈہ تھا----

اس کا گروہ منشیات کی فروخت اغوا' چوری' اور ہنگامہ آرائی میں ملوث رہتا تھا۔ ڈیوڈ کو رقم بھی اتنی زیادہ ملی تھی جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

رات کے دس بجے تھے جب جسونت سنگھ کو اپنے گھر کے ٹیلی فون پر بھوپت رائے کی طرف پیغام ملا کہ سوامی مہاراج نے اسے فوراً میٹنگ کے لیے بلایا ہے اور اسے لینے کے لیے

سوامی مہاراج کی گاڑی آ رہی ہے۔

پندرہ بیس منٹ بعد ایک گاڑی وہاں پہنچ گئی جس پر جعلی نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی---- اس کار کی پچھلی سیٹ پر دو آدمی سکھوں کی طرح پگڑیاں باندھے بیٹھے تھے۔ ان کو اس انداز میں بٹھایا گیا تھا کہ ان کی پگڑیاں تو سب دکھائی دیں----

لیکن----

ان کے چہرے کسی کو نظر نہیں آ رہے تھے----

ڈیوڈ کا ایک غنڈہ کار چلا رہا تھا---- اس نے جسونت سنگھ کے دروازے پر بیل دی۔ جسونت سنگھ نے یہی سمجھا تھا کہ یہ بھوپت رائے کے آدمی ہوں گے۔ اس نے احتیاط اپنے گھر کی کھڑکی میں سے باہر اندھیرے میں کھڑی کار پر نظر بھی ڈال لی جس پر بیٹھے سکھوں کی پگڑیاں اسے دکھائی دے رہی تھیں----

جسونت سنگھ نے بہت مطمئن ہو کر دروازہ کھولا اور باہر آ گیا----

جیسے ہی اس نے قدم باہر نکالا بیل دینے والے نے اپنے ہاتھ میں پکڑے سائیلنسر لگے پستول سے یکے بعد دیگرے چھ گولیاں اس کے جسم میں اتار دیں----

جسونت سنگھ کو بمشکل آواز نکالنے کی مہلت ہی مل سکی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھتا رہا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس درمیان پچھلی سیٹ پر بیٹھے پگڑی والوں میں سے ایک نے پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور تیزی سے گاڑی کو موڑ کاٹ کر بھگانے کی پوزیشن میں لے آیا تھا---- قاتل غنڈہ بڑے اطمینان لیکن پھرتی سے کار کی اگلی سیٹ پر اس کے ساتھ بیٹھا اور کار ہوا ہو گئی----

جسونت سنگھ کے گرنے کی آواز سنکر اس کی بیوی اور بیٹا بھاگتے ہوئے دروازے تک آئے اور یہ منظر دیکھ کر بوکھلا گئے۔ اس کی بیوی نے جھک کر اپنے خاوند کو اٹھانا چاہا---- یہ شاید جسونت کے آخری سانس تھی۔ اس کے منہ سے بمشکل "گرپوالی" کا لفظ نکلا۔ اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی----

اس درمیان تیزی سے بھاگتی کار کی پچھلی سیٹ پر جسونت کے بیٹے کو دو پگڑیوں والے دکھائی دیئے تھے اور اس کے بعد وہ کچھ نہ دیکھ سکا۔

جسونت کی بیوی نے فوراً گرپوالی کا نام لے کر بین ڈالنے شروع کر دیئے۔ اس کے بیٹے نے ایمرجنسی پولیس کو فون کیا اور انہیں اطلاع دی کہ اس کے باپ کو گرپوالی نے قتل کر دیا ہے اور وہ لوگ بھاگ گئے ہیں۔

پولیس والے جسونت سنگھ کے گھر پہنچے تو وہاں کہرام مچ رہا تھا۔۔۔۔

اس کے گھر والے اور ہمسائے وہاں جمع تھے۔ جسونت کی بیوی نے پولیس کو بتاتے ہوئے کہا کہ اس کے خاوند نے مرنے سے پہلے گرپوالی کا نام لیا ہے۔

گرپوالی کے بیٹے نے جو امریکہ ہی میں پیدا ہوا اور وہاں کا ہی تعلیم یافتہ تھا پولیس کو بتایا کہ کار کی پچھلی سیٹ پر دو سکھ موجود تھے لیکن وہ انہیں پہچان نہیں سکا۔۔۔۔

ان کی ایک ہمسائی نے بھی کار میں پگڑی والوں کی نشاندہی کی۔۔۔۔

پولیس ایمبولینس لاش لے کر روانہ ہو گئی۔۔۔۔

پولیس والوں نے انکوائری کی تو انکے علم میں تمام واقعات بھی آ گئے۔۔۔۔ انہیں بتایا گیا کہ آج گرپوالی اور جسونت کا جھگڑا ہوا تھا جس میں گرپوالی نے اسے سبق سکھانے کی دھمکی بھی دی تھی۔۔۔۔

مرنے والے کی زبان سے آخری لفظ بھی یہی نکلا تھا۔

اس کے گھروالوں کی زبان پر بھی قاتل کا یہی نام تھا۔۔۔۔

اس کے بیٹے اور ایک ہمسائی نے پگڑی والوں کو فرار ہوتے دیکھا تھا۔۔۔۔

اتنے شواہد کے بعد پولیس کے لیے گرپوالی کی ابتدائی گرفتاری کا جواز موجود تھا۔ انہوں نے آدھی رات کو گرپوالی کو نیند سے اٹھایا اور اپنے وکیل کو بلانے کی استدعا کرتے ہوئے اس سے کہا کہ پولیس اسے جسونت سنگھ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر رہی ہے۔۔۔۔

گرپوالی ہکا بکا پولیس کا منہ دیکھ رہا تھا۔۔۔۔

اس نے امریکہ میں حاصل اپنے حقوق کے تحت اپنے وکیل کو فون کیا جس نے اسے کوئی بھی بیان پولیس کو دینے کی سختی سے ممانعت کرتے ہوئے پولیس آفیسر کو فون پر قانونی پوزیشن سمجھاتے ہوئے کہا کہ وہ اس کے موکل کو شک میں گرفتار نہیں کر سکتے۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔

پولیس نے فی الوقت واقعاتی شہادتوں کی بنیاد پر اسے گرفتار کرنا مناسب سمجھا۔۔۔۔

یہ الگ بات ہے کہ اگلے روز شام تک اس کے وکیل نے ضمانت پر گرپوالی کو رہا کروا لیا کیونکہ امریکہ جیسے ملک میں کسی شخص کو محض شک کی بنیاد پر گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ صبح ہونے تک ساری سکھ کمیونٹی میں جسونت سنگھ کے قتل کی خبر پھیل چکی تھی ان لوگوں نے شام کو جھگڑا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔۔۔۔

اس کے ساتھ ہی فیڈریشن میں موجود "را" کے ایجنٹ حرکت میں آ گئے اور انہوں نے اس قتل کا الزام گرپوالی کے سر تھوپ کر اس کی ملامت شروع کر دی۔

نیو جرسی کے سکھ اگلے روز تک دو واضح گروپوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور کچھ لوگوں کو خوامخواہ جسونت سنگھ سے ہمدردی بھی پیدا ہونے لگی تھی۔۔۔۔

جسونت کے بھائی کلونت سنگھ نے جو اس کی طرح "را" کا آلہ کار تھا۔۔۔۔ سوامی مہاراج کی ہدایت اور حکم پر بھارتی سفارتخانے کے خرچ پر بلائی گئی ایک پریس کانفرنس میں اپنے بھائی کے قتل کا الزام گرپوالی پر لگاتے ہوئے اسے ایک سازش قرار دیا اور اس سازش کے ڈانڈے پاکستان سے ملا دیئے۔

کلونت سنگھ اور اس کے ساتھ موجود کچھ نام نہاد سکھوں نے پاکستان سفارتکاروں پر بے بنیاد الزامات لگاتے ہوئے کہا کہ سکھوں میں پاکستانیوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی اس ملک میں سکھوں کو ذلیل کرنے کی سازش ہے۔ اس نے اپنے ان سکھ بہن بھائیوں سے جو پاکستانیوں کے بہکاوے میں آ کر آپس میں لڑائی جھگڑا کر رہے تھے اپیل کی تھی کہ وہ اپنی قوم کی عزت بچانے کے لیے اس سازش سے بچیں۔۔۔۔

پاکستانی سفارتخانے میں کام کرنے والے دو سفارتکاروں کے نام جو ان لوگوں کے منہ میں "را" نے ڈالے تھے انہوں نے اس پریس کانفرنس میں لیتے ہوئے بتایا کہ یہ لوگ سکھوں میں اشتعال انگیز لٹریچر اور پیسے تقسیم کر کے انہیں بھارتی حکومت کے خلاف ورغلا رہے ہیں۔۔۔۔

اس پریس کانفرنس کی کوریج کرنے والوں میں ٹی وی کے دو مقامی چینل تو وہ تھے جنہیں ہندو چلا رہے تھے۔ دو چینل انہوں نے خرید لیے تھے۔۔۔۔ جنہوں نے یہ ساری پریس کانفرنس جوں کی توں ریلیز کر دی۔

امریکن پریس پر یہودی قابض تھے اپنے ہندو دوستوں کو خوش کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ

سے کب جانے دیتا تھا۔ ان لوگوں نے بھی اس پریس کانفرنس کو جوں کا توں شائع کر دیا۔ کئی مقامی اخبارات نے کلونت سنگھ کی طرف سے دھراہے جانے والے پاکستانی سفارتکاروں کے نام بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع کر دیئے تھے۔

"را" کی سازش کامیاب رہی تھی---

انہوں نے ایک مرتبہ پھر پاکستان سفارتخانے کو اس معاملے میں گھسیٹ کر پاکستان انٹیلی جنس کے ہاتھوں پہنچنے والی ہزیمت کا بدلہ چکانے کی بھونڈی کوشش کی تھی--- گو کہ ایسے بیانات کی یہاں کوئی اہمیت نہیں تھی۔

لیکن---

ایک مرتبہ تو ان لوگوں نے سنسنی پھیلا کر رکھ دی تھی---

شمسی اس وقت سوامی مہاراج کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں--- وہ اچانک ہی پہلی مرتبہ بغیر فون کیئے یہاں آیا تھا۔

یہ خلاف معمول بات تھی---

اس کی آمد سے پہلے اس کی اطلاع ضرور آیا کرتی تھی تاکہ آشرم میں اگر کچھ لوگ ایسے موجود ہوں جن کے سامنے اس کا آنا مناسب نہ ہو انہیں وہاں سے ہٹا دیا جائے۔

"سوامی جی مہاراج---"

اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں اپنی بپتا کا آغاز کیا۔

"یار تم مرے کیوں جا رہے ہو--- ابھی کیا قیامت گزر گئی ہے تم پر۔ کچھ ہمیں بتاؤں--- تم نے تو---"

"سوامی جی مہاراج پہلے میری بات سن لیجئے---"

شمسی نے چڑ کر سوامی کے طنزیہ فقرے کو درمیان سے کاٹا تھا۔

"اچھا اچھا کہو--- ساوتری تم جلد پانی کا بندوبست کرو--- ہمارا یار کچھ گھبرایا لگتا ہے---"

سوامی نے وہاں موجود ساوتری کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

آپ کے آشرم میں کوئی آستین کا سانپ پل رہا ہے---

شمسی کی بات نے سوامی کا دماغ گما کر رکھ دیا۔

"ہوش کے ناخن لو شمسی--- یہ بھارتی یا پاکستانی سفارتخانہ نہیں جہاں کوئی جاسوس ہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو--- یہ سوامی مہاراج کا آشرم ہے۔ چڑیا پر نہیں مار سکتی یہاں---

سوامی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"چڑیا کی بات میں نہیں کرتا سوامی جی--- لیکن یہاں کوئی انسان ضرور گھس آیا ہے۔ مجھے پہلے شک تھا اب یقین ہو گیا ہے--- سوامی جی--- ہوش کے ناخن لیں۔ آپ نہیں جانتے ان آئی۔ ایس آئی والوں کو--- حالانکہ آپ کو کئی دفعہ ان کے ہاتھ لگ چکے ہیں--- میں نے اس لونڈے کی ائرپورٹ سے گرفتاری کو پہلے اتفاق جانا تھا۔

لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ان لوگوں کو پہلے ہی سے سارے منصوبے کی خبر ہو گئی تھی---

شمسی آج بدلے ہوئے اور سوامی مہاراج کے لیے اجنبی لہجے میں بات کر رہا تھا۔

وہ کیسے؟

سوامی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جس روز میں نے آشرم میں ریاض والی بات کی تھی--- اس سے اگلے دن اس کے تبادلے کے احکامات آ گئے اور تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ اس کا استقبال کراچی ائرپورٹ پر انٹیلی جنس والوں نے کیا تھا وہی اسے اپنا مہمان بن کر ساتھ لے گئے ہیں--- اب میرے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا--- وہ اتنا مضبوط آدمی نہیں ہے کہ میرا نام نہ لے--- مرزا کی اور بات تھی--- اور ہاں تم بھی یاد رکھنا اگر اگلے 48 گھنٹے کے اندر اندر میری بیوی اور بچے پاکستان سے نہ نکلے تو میں بھی تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گا--- دو سال سے تمہارے لیے کام کر رہا ہوں اگر میرے ساتھ بھی جسکانی والا سلوک ہوا تو پھر کوئی بھی نہیں بچ پائے گا--- اور ہاں میں اب واپس ایمبیسی میں نہیں جاؤں گا--- میں سینٹ ڈیپارٹمنٹ جا رہا ہوں یہاں سیاسی پناہ کی درخواست کروں گا--- سوامی میرے لیے فوری طور پر 50 ہزار ڈالر کا بندوبست کرو--- مجھے کل شام تک رقم مل جانی چاہیے---

سمشی نے اپنے عزائم سے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

سوامی جانتا تھا کہ سمشی کے پاس واقعی "را" کے اتنے راز محفوظ ہیں کہ اگر کبھی وہ گرفتار ہو گیا تو کم از کم یورپ اور امریکہ میں ان کے گینگ کا صفایا کروا دے گا۔ اس کے انکشافات سے ساری دنیا کے سفارتی علاقوں میں ہلچل مچ جائے گی اور "را" کی وہ مٹی پلید ہو گی کہ خدا کی پناہ----

وہ "را" کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھا۔ اپنی آرگنائزیشن کی تباہی کے تصور نے اسے مرزا کو دکھ دیا----

اس بات میں کوئی شک نہیں تھا مگر سمشی نے گزشتہ دو سالوں میں پاکستان اور اس کے باہر ان کے لیے درجنوں غدار پیدا کئے تھے۔

لیکن----

اب وہ پاکستان انٹیلی جنس کی نظروں میں آ چکا تھا----

اور ایک مرتبہ آئی۔ ایس۔ آئی کی نظروں میں آنے کا مطلب تھا تباہی کا آغاز----

وہ جانتا تھا آئی ایس آئی والے اپنی تربیت کے مطابق لاتعلقی کا تاثر دیں گے اور بظاہر یہی دکھائی دے گا کہ انہیں سمشی کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

لیکن----

وہ لوگ سمشی کے ذریعے تمام چوہوں کو ایک ایک کر کے بل سے باہر نکالیں گے اور مار ڈالیں گے۔ باقی باتیں تو بعد میں ہوتی رہیں گی پہلے وہ سمشی سے نمٹ لے----

"چلا ہوا کارتوس"----

اس نے دل ہی دل میں دہرایا اور ایک سفاک مسکراہٹ سے اسکے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

"سمشی صاحب ہم یاروں کے یار ہیں---- ہم بھاگنے والے نہیں۔ آپ نے دو سال تک ہمارے لیے کام کیا ہے اگر آج ہم مصیبت میں آپ کے کام نہ آئیں تو پھر لعنت ہے ہم پر---- آپ بالکل مطمئن رہیں---- آپ کو ابھی اپارٹمنٹ کی چابی مل جائے گی---- مینو جرسی میں اپارٹمنٹ سنبھالئے۔ کل شام کو آپ کے پاس پچاس ہزار ڈالر کیش پہنچ جائے گا---- اس وقت آپ کو جس چیز کی ضرورت ہے حکم کیجئے---- جہاں تک

آپ کی فیملی کا تعلق ہے ہمارے لوگ اپنی جان پر کھیل کر انہیں پاکستان سے نکال لیں گے----"

اس نے سمشی سے اس انداز میں کہا کہ خوفزدہ سمشی کا چہرہ پرسکون ہونے لگا۔

شکریہ سوامی مہاراج---- مجھے اپنے دوستوں سے یہی امید تھی---- آپ فی الوقت میرے لیے کسی وکیل کا بندوبست کیجئے۔ تاکہ ہم اس معاملے کو لمبا نہ کریں---- میں چاہتا ہوں کل پرسوں تک اپیل کر کے میں پریس کانفرنس رکھوں---- لیکن اس سے پہلے میری فیملی کا نکلنا ضروری ہے----

سمشی، گدھا بن گیا تھا----

"سمشی صاحب گھبراہٹ اور جلدی بہت سے کام بگاڑ دیا کرتی ہے---- آپ فی الوقت ہمارے اس ٹھکانے پر پہنچیں۔ آج شام وہاں وکیل آپ سے ملنے آئے گا۔ میں چاہتا ہوں فی الحال آپ کسی ضروری کام کا بہانہ کر کے اپنے سفارتخانے کو چھٹی کی درخواست بھیج دیں تاکہ ہم آپکی فیملی کو نکال لیں جس کے فوراً بعد آپ کی اپیل دائر کر دی جائے اور فیملی کو امریکہ پہنچانے کا قانونی جواز بن جائے"----

سوامی نے گدھے سمشی کو اگلا سبز باغ دکھایا اور وہ ساون کا اندھا بن کر رہ گیا۔

"ٹھیک ہے---- ٹھیک ہے---- اب آپ نے ہی سب کچھ کرنا ہے"

سمشی کا لہجہ اچانک چاپلوسی والا ہو گیا۔

اس کے سامنے ہی سوامی مہاراج نے فون پر کسی سے کہا تھا کہ نیو جرسی والے اپارٹمنٹ کا بندوبست کر دے----؟

پیغام موصول کرنے والے نے ایک گھنٹے کی مہلت مانگی تھی کیونکہ اس پیغام کا مطلب بخوبی جان گیا تھا----؟

یہ ایک گھنٹہ سمشی نے ساوتری کے ساتھ گزارا----

اس درمیان اس نے شاید پوری بوتل ہی چڑھا لی تھی اور خود کو ابھی سے مہاراجہ سمجھنے لگا تھا---- تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد سوامی کو فون آ گیا جس میں ایک ایڈریس لکھا دیا گیا تھا۔

اس نے سمشی کو نیو جرسی کا وہی ایڈریس لکھا دیا اور کہا کہ اب اس نے اس اپارٹمنٹ میں رہنا ہے۔ سمشی کو شراب کچھ چڑھنے لگی تھی احتیاطاً اسے چھوڑنے کے لیے سوامی نے اپنا

ایک خاص آدمی بطور ڈرائیور اس کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔

دونوں آشرم میں داخل ہو رہے تھے جب انہوں نے ڈگمگاتے قدموں سے سمشی کو برآمد ہوتے دیکھا جسے سوامی کا ایک چیلا جو شکل ہی سے حرام خور لگتا تھا سنبھالنے باہر آیا دکھائی دیا۔

عالم شیر اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

اس نے چند لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر تیزی سے بشیر کی طرف مڑا۔

"طاہر ابھی باہر ہی ہو گا بھاگ کر جاؤ اسے روکو"----

اس نے بشیر سے کہا اور وہ انہی قدموں پر واپس لوٹ گیا۔

شیر عالم ایک کونے میں اس طرح چھپ کر کھڑا ہو گیا تھا کہ کسی کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔ اس نے دونوں کو کار پارکنگ کی طرف جاتے دیکھا۔ اسکا مطلب یہ تھا کہ یہ شخص سمشی کے ساتھ ہی کہیں جائے گا۔ ظاہر ہے سمشی کم از کم ڈرائیونگ کے قابل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اسی اثناء میں اس نے بشیر کو ہاتھ سے اشارہ کرتے دیکھا شاید وہ طاہر کی وہاں موجودگی سے اسے آگاہ کر رہا تھا۔

عالم شیر تیز تیز قدموں سے اس طرف چل دیا۔ طاہر گاڑی کو سڑک کنارے کھڑا کئے شاید ان کے جواب کا منتظر تھا کیونکہ آج وہ گاڑی لے کر نہیں آئے تھے۔

"تم آشرم میں جاؤ---- میں طاہر کے ساتھ ان کا تعاقب کرتا ہوں"----

عالم شیر نے بشیر سے کہا۔

"ٹھیک ہے----"

"ان کی گاڑی کا ہوشیاری سے تعاقب کرنا ہے"----

عالم شیر نے سمشی کی گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو کار پارکنگ سے اب اس سڑک کی طرف آ رہی تھی۔

طاہر بہت سلجھا ہوا ڈرائیور تھا۔

گو کہ ان لوگوں نے جلد ہی "ہائی وے" پر گاڑی ڈال دی تھی لیکن اس نے اتنی

ہوشیاری سے تعاقب کیا تھا کہ کار چلانے والے کو احساس ہی نہ ہو سکا حالانکہ نیو جرسی پہنچنے سے پہلے اس راستے میں ایک سروس پر گاڑی روکی بھی تھی شاید یہاں سے اس نے کسی کو فون کیا تھا۔

نیو جرسی کے پہلے ایگزٹ پر ہی وہ اندر داخل ہو گئے اور جلد ہی اس تعاقب کا خاتمہ ہو گیا وہ لوگ ایبل ٹری سٹریٹ پر آ گئے تھے۔

جس اپارٹمنٹ کے سامنے انہوں نے گاڑی روکی تھی اس کا نمبر ایک ہی نظر میں پڑھ کر شیر عالم نے طاہر کو گاڑی آگے لے جانے کا اشارہ کیا تھا----

ایکسٹریٹ مڑنے پر ہی انہیں اس آبادی کی چھوٹی سی مارکیٹ نظر آ گئی جس کے ایک کونے میں رک کر عالم شیر نے فوراً ہی پاکستان کے لیے کال ملا دی تھی۔ چونکہ میجر کیانی نے اسے اپنے موبائیل فون کا نمبر دیا ہوا تھا جو ہمیشہ اسکے ساتھ رہتا تھا اس لیے وہی فون پر مل گیا۔

عالم شیر نے جلدی جلدی اسے ساری صورتحال سے آگاہ کیا اور آئندہ کے لیے ہدایت چاہی۔ "تم جہاں سے فون کر رہے ہو اس بوتھ کا نمبر بتا دو اور یہیں انتظار کرو۔ میں تمہیں دس منٹ کے اندر کال بیک کرتا ہوں"

میجر کیانی نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

عالم شیر کی طرف سے اس فون بوتھ پر دھرائے جانے والا نمبر میجر کیانی نے نوٹ کر لیا تھا۔

اگلے ہی لمحے اس کی انگلیاں حرکت میں آ گئیں۔

اس نے فوراً ہیڈ کوارٹر کے مرکزی سگنل روم کو الرٹ کر دیا تھا اور پانچ منٹ کے اندر اندر تازہ ترین صورتحال کی بریفنگ کے بعد اگلی ہدایت طلب کر لی تھی----

عالم شیر نے فون کریڈل میں لگا دیا۔

گو کہ یہاں کے فون بوتھ اتنے مصروف نہیں رہتے تھے کہ انہیں کسی قباحت کا سامنا کرنا پڑتا پھر بھی اس نے طاہر کو ہدایت کی تھی کہ وہ کم از کم اب سے آٹھ منٹ یہی فون مصروف رکھے تاکہ کوئی اس طرف نہ آ سکے۔

طاہر اس کا مطلب سمجھ گیا تھا اور اس نے اپنے مقامی دوستوں سے گپ شپ کا سلسلہ

شروع کر دیا تھا۔

پانچ چھ منٹ بعد وہ فارغ ہو گیا تو یہی ڈیوٹی عالم شیر نے سنبھال لی اور اس نے دو تین انکوائری نمبر گھما کر دو تین منٹ مزید ضائع کر دیئے اور خوامخواہ کے ٹیلی فون نمبر معلوم کرنے لگا۔۔۔۔

قریباً آٹھ نو منٹ مصروف رکھنے کے بعد انہوں نے فون کریڈل پر جما دیا۔ اس اثناء میں بمشکل ایک بوڑھی خاتون نے اس قطار میں لگے آخری فون بوتھ کو استعمال کیا تھا۔

قریباً پندرہ منٹ کے جان لیوا انتظار کے بعد فون کی گھنٹی بجی تو عالم شیر نے پہلی ہی گھنٹی پر اس طرح اچانک لپک کر فون پکڑا تھا جیسے اگلی گھنٹی ہو گئی تو فون بند ہو جائے گا۔۔۔۔!

دوسری طرف حسب توقع میجر کیانی تھا۔۔۔۔

اس نے دو منٹ کے اندر اندر اسے اگلی ہدایات دیں اور خدا حافظ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی وہ طاہر کی طرف گھوما۔۔۔۔

اس نے میجر کیانی کی ہدایت دھرا دی تھی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔ لیکن یہاں سے نہیں۔۔۔۔"

طاہر نے کہا اور دونوں گاڑی کی طرف چل دیئے۔۔۔۔

ایک مرتبہ پھر "ایپل ٹری سٹریٹ" سے گزر رہے تھے۔۔۔۔ انہوں نے دوبارہ غور سے وہی نمبر پڑھا اور یہاں سے پانچ چھ سڑکیں گزرنے کے بعد سڑک کنارے ایک ٹیلی فون بوتھ سے طاہر نے ایمرجنسی پولیس کا نمبر گھما دیا تھا۔

جب وہ امریکن لہجے کی انگریزی میں بات کر رہا تھا تو عالم شیر کے لیے یہ اندازہ لگانا ناممکن تھا کہ وہ کوئی غیر ملکی ہے یا مقامی نیگرو۔۔۔۔

اس نے مقامی نیگروز کے انداز میں بالکل ان ہی کی طرف انگریزی میں بات کر کے اپنا مختصر سا پیغام ریکارڈ کروا رہا تھا۔

ایمرجنسی پولیس کے سکواڈ نمبر جائیں نے یہ پیغام موصول کیا تھا۔

فون کرنے والے نے انہیں "ایپل ٹری سٹریٹ" کے ایک اپارٹمنٹ کا نمبر بتا کر کہا تھا

کہ وہاں کوئی خطرناک کام ہو رہا ہے اگر وہ چاہئیں تو ملزموں کو رنگے ہاتھوں پکڑ سکتے ہیں۔

اس نے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑی کار کی نشانی خاص طور پر بتاتے ہوئے کہا تھا کہ اسے بہر صورت چیک کیا جائے۔

اس کے ساتھ ہی فون کٹ گیا تھا۔

پولیس والے ہیلو ہیلو ہی کرتے رہ گئے۔

سارجنٹ بیکر نے فوراً ہی گشتی کاروں کو گمنام کال اور اپارٹمنٹ نمبر بتا دیا تھا۔۔۔۔

امریکی قوانین اور اپنی تربیت کے مطابق ان لوگوں کے لیے کسی بھی ہنگامی حال پر حرکت کرنا ضروری تھا۔۔۔۔

دوسرے ہی لمحے پولیس کی دو برق رفتار کاریں ایک طرف روانہ ہو گئیں۔

عموماً ایسی کالوں پر نتائج ان کی توقع کے مطابق ہی برآمد ہوا کرتے تھے۔

شمسی کے ساتھ سوامی مہاراج کا چیلا جب اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو یہاں موجود لوگ ان کے استقبال کے لیے تیار تھے۔۔۔۔

ایسے ایک اپارٹمنٹ "را" کے لوگ اکثر جعلی ناموں اور جعلی شناخت سے کر رہے تھے۔۔۔۔

ایسے ایک دو اپارٹمنٹ "را" کے لوگ اکثر جعلی ناموں اور جعلی شناخت سے کرائے پر لے رکھتے تھے اور اپنی ہنگامی بنیادوں پر استعمال کیا کرتے تھے۔ جیسے ہی شمسی اندر داخل ہوا وہاں موجود ایک لمبے تڑنگے ایشیائی نوجوان نے اس کی کمر میں اتنے زور سے لات رسید کی کہ اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

ایک ہی لات نے اس کا نشہ ہرن کر دیا تھا۔

کون لوگ ہو تم؟

"بتاؤ اس سالے۔ کتنے کے پلے کو کہ ہم کون ہیں؟"

اس کے ساتھ آنے والے نے کہا اور شمسی کو سمجھ آ گئی کہ یہ کون لوگ ہیں۔

"اچھا تو تم ہی ننگا کرو گے دنیا میں۔۔۔۔ سالے تیری کیا مجال کہ تو نے سوامی مہاراج کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت بھی کی ہے۔۔۔۔ پہنچاتے ہیں تجھے بھی تیری فیملی کے

پاس---- سالے کو پچاس ہزار ڈالر چاہئیں----

اتنا کہتے ہوئے اس شخص نے سمشی کے سامنے پستول پر سائیلنسر چڑھانا شروع کر دیا۔

"دیکھو تم غلطی کر رہے ہو---- میں تم سب کو کتنے کی موت مروا دوں گا۔ تم مجھے نہیں جانتے۔ میرے دلی سے سیدھے رابطے ہیں---- سیدھے رابطے---- میں تمہیں----؟

اس کی بات نامکمل ہی تھی جب وہاں موجود دونوں شیطانوں کے زور دار قہقہوں نے اپارٹمنٹ کی چھت ہلا ڈالی۔

"سالے کو موت کے خوف نے پاگل کر دیا ہے"----

اس کے ساتھ آنے والے نے اپنے پہلے سے موجود ساتھی سے کہا۔

"ابھی اس کو نجات دلاتا ہوں موت کے خوف سے بھی اور زندگی سے بھی---- جے بجرنگ بلی"----

اس نے جیکارہ بلند کیا اور خوفزدہ سمشی کے بالکل نزدیک جا کر اس کے سر پر یکے بعد دیگرے تین گولیاں اتار دیں----

مرنے سے پہلے ہی خوف سے سمشی کی زبان بند ہو گئی تھی اس کے حلق سے معمولی آواز بھی نہ نکل سکی اور وہ وہیں قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

"اسی میں لپیٹ کر سالے کا سنسکار کر دو"

پستول والے نے اس کی لاش کو لات مارتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا اور دونوں نے دو تین منٹ ہی میں سمشی کی لاش کو اس قالین میں رول کر دیا جس میں اس کے سر سے بہنے والا خون جذب ہو رہا تھا۔

"جے بھولے ناتھ کی"----

دونوں نے قالین کو دونوں سروں سے پکڑ کر اٹھایا اور اسی طرح باہر لانے لگے۔ وہ اس قالین کو اس کار کی ڈگی میں بند کر کے ٹھکانے کے ارادے سے باہر آئے تھے جب اچانک ہی فضا پولیس کاروں کے سائرن سے گونجنے لگی----

دونوں نے قالین وہیں پھینکا اور چاہا کہ وہاں سے بھاگ جائیں۔

لیکن----

یہ حسرت ان کے دل ہی میں رہ گئی۔ امریکن پولیس کے پھرتیلے اور برق رفتار جوانوں نے چند سیکنڈ ہی میں انہیں آ لیا----

تھوڑی دیر بعد وہ لاش کو ایمولینس میں ڈال کر ہسپتال روانہ کرنے کے بعد ان دونوں و ہتھکڑیاں لگائے دو الگ الگ کاروں میں پولیس سٹیشن لے جا رہے تھے----

لاش ابھی وہیں موجود تھی جب مقامی ٹی وی اور پریس کے نمائندے وہاں پہنچ گئے۔

بلی خبر تو ابھی جاری ہوئی تھی کہ دو بارتیوں نے اپنے تیسرے ساتھی کو قتل کر دیا۔

لیکن----

مقتول کی لاش کی شناخت کے لیے جب اس کی تصاویر ٹی وی پر دکھائی اور اخبارات کو جاری کی گئیں تو پاکستانی سفارتخانے کے ایک ذمہ دار نے پولیس کو مطلع کیا کہ یہ تو ان کا سفارتکار تھا جو گزشتہ 48 گھنٹوں سے غائب ہے----

اس نے غائب ہونے کے پانچ چھ گھنٹے بعد بذریعہ فیکس تین دن کی چھٹی کی درخواست بھیجی تھی جس میں بتایا تھا کہ اسے اچانک کسی کام سے لاس اینجلس جانا ہے---- قاتلوں کی شناخت ہو گئی ہے۔

دونوں بھارتی سردار امریکن شہری تھے۔ انہوں نے پولیس کے سامنے قتل کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ سمشی کے ذریعے وہ پاکستانی سفارتخانے سے لوگوں کو ویزے لگوا کر دیا کرتے تھے----

اس نے الٹا انہیں ہی بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا جس پر انہوں نے طیش میں آ کر اسے مار ڈالا اور اب اس کی لاش ٹھکانے لگانے جا رہے تھے۔

دو بہترین ایجنٹوں کی سمشی کی لاش کے ساتھ گرفتاری نے سوامی مہاراج کو چکرا کر رکھ دیا تھا---- اس کا مطلب تھا کہ سمشی نے مرنے سے پہلے سچ بولا تھا۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پولیس کو کسی نے پہلے سے آگاہ نہ کیا ہو----

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ جس نے پولیس کو آگاہ کیا ہے اسے آخر اس بات کا کس طرح علم ہوا؟ کوئی آشرم میں نقب لگا چکا تھا----

اور اس کے بہت قریب بھی----

کون ہو سکتا ہے وہ؟

اس کے نزدیک تو کسی کو پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی سوائے ساوتری اور اس کی دو تین ساتھیوں کے کہیں ساوتری تو نہیں بک گئی؟

اچانک اسے خیال آیا لیکن اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ سورج مغرب سے طلوع ہو سکتا تھا لیکن ساوتری کی وفاداری مشکوک نہیں ہو سکتی تھی----

کون آخر چھپ چھپ کر اس کی باتیں سنتا رہا ہے----

کہیں اس کا خاص کمرہ تو "بک" نہیں ہو گیا----

سوامی کا دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ آستین کا سانپ کون ہے؟ اس روز رات کو اسے ڈائریکٹر جنرل کی طرف سے فوراً امریکہ چھوڑنے کا پیغام مل گیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ دونوں ایجنٹ پولیس کی تفتیش سے گھبرا کر سچ ہی نہ بول دیں----

پھر سب سے بڑھ کر خطرے کی بات تو یہ تھی کہ ابھی پاکستانی انٹیلی جنس نے جوابی حملہ کرنا تھا---- وہ لوگ شمسی کی موت کو کیش (Cash) کروائے بغیر پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے---- سوامی کے بھگتوں کے لئے اس کی اچانک بھارت واپسی بڑے اچنبھے کی بات تھی---- وہ بڑے اداس دکھائی دے رہے تھے۔

لیکن----

سوامی مہاراج نے صبح کے بھاشن میں بتایا تھا کہ رات ہی دیوی ماں نے پرگٹ ہو کر انہیں "را" اپنے پاس حاضر ہونے کی چیتاون دی ہے اور اب وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں رک سکتے---- یہ اب انہیں ایک لمبا سمے دیوی ماں کے قدموں میں بیتانا تھا----

سوامی مہاراج کی روانگی کے بعد عالم شیر اور بشیر کے وہاں رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ گیا تھا۔ بشیر نے اسے یہی مشورہ دیا تھا کہ اب اس دیس میں بس جاتے ہیں لیکن کوئی مقناطیسی قوت یا پھر اس کی بدبختی اسے اپنے ملک کی طرف کھینچ رہی تھی----

وہ "را" کر پاکستان پہنچ جانا چاہتا تھا----

اپنے پنہاں خانہ دل میں بنی گیتا سنگلی کی تصویر کو وہ لاکھ کھرچنے پر بھی نہیں مٹا پایا تھا---- ایک روز وہ آگیا جب دونوں پی آئی اے کی ایک پرواز سے پاکستان واپس جا رہے تھے۔

ملاپ

انور خان کے لیے اس سوال کا جواب ہاں یا ناں میں دینا مشکل تھا----

وہ نہیں جانتا تھا کہ عذرا کے دل میں کیا ہے؟ وہ اس سے متعلق کس طرح کے جذبات رکھتی ہے جب سے میجر افراسیاب نے اسے عالم شیر کی شادی سے متعلق بتایا اور کہا تھا کہ وہ کسی دوسرے ملک میں جا رہا ہے۔ تب سے وہ کچھ بجھ سی گئی تھی----

انور خان نے اس کی دل جوئی کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی۔ اس کا دل کئی مرتبہ چاہا کہ وہ عذرا پر اپنا حال دل بیان کر دے۔

لیکن----

ایک حجاب سا آڑے آتا رہا۔

اس نے سوچا کہیں عذرا یہی نہ سمجھ لے کہ وہ شاید اس موقع کا منتظر تھا۔ یوں بھی انور خان انسانی احساسات کی گہرائی جانے کا شعور رکھتا تھا۔ یہ وصف اسے ماں کی طرف سے ملا تھا۔

اس کے خاندانی اعلیٰ اقدار اور نفیس شرافت نے اسے سکھایا تھا کہ انسانی جذبات کس طرح' واجب الاحترام ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک اس نے اپنی زبان سے اشارے سے بھی عذرا کو یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ شاید وہ اس کا محسن ہونے کے ناطے اب اس پر اپنا حق بھی جتانے لگا ہے----

بس یہ ضرور تھا کہ اب اسے ایک امید ہو چلی تھی کہ عذرا کے سوچنے کا انداز بدل جائے گا اور وہ عملی زندگی کے تقاضے جاننے لگی گی۔ اس روز جب عذرا نے اچانک شام کو

چائے پیتے ہوئے کہا کہ وہ کچھ کرنا چاہتی ہے---- تو انور خان کو خوشی ہوئی کہ اس نے خود پر یاست کا غلبہ نہیں ہونے دیا اور زندگی کے تلخ حقائق کا ادراک کرتے ہوئے انہیں اپنی مجبوریوں کے ساتھ قبول کر لیا ہے۔

مسز خان کے لیے یہ خبر بڑی خوش آئند تھی کہ عذرا کو سلائی کٹائی کا فن آتا ہے۔ انہوں نے کچھ عرصہ کے لیے اسے اپنی ایک دوست کی گارمنٹس فیکٹری میں بھیجنا شروع کر دیا تھا۔

عذرا نے چند دنوں میں مقامی کپڑوں کی ڈیزائننگ سمجھ کر ان کی کٹائی پر عبور حاصل کر لیا تھا اور اب وہ اس قابل بھی ہو گئی تھی کہ اپنے پیروں پر خود کھڑی ہو سکے----

یہی مسز خان چاہتی تھیں۔

نفسیات کی استاد ہونے کے ناطے وہ عذرا کو یہ احساس نہیں دلانا چاہتی تھیں کہ وہ خدانخواستہ قابل رحم زندگی گذار رہی ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ عذرا اپنے ساتھی کو ایک تلخ تجربے یا حادثے کی کسی صورت تو یاد رکھے۔

لیکن----

اسے مرز جان نہ بنائے۔

عذرا نے بھی آہستہ آہستہ اپنا گمشدہ اعتماد حاصل کر لیا تھا اور اب اسے مقامی طور اطوار سے مکمل واقفیت ہو چکی تھی۔

اس روز جب مسز خان نے اس سے تنہائی میں شادی سے متعلق اس کی مرضی جاننا چاہی تو عذرا نے شرما کر سر جھکا دیا۔

"بیٹی میں جانتی ہوں کہ تم عالم شیر سے متعلق کیسے نظریات رکھتی ہو---- لیکن ہمارے معاشرے میں مرد کی زندگی یکسر بدل جاتی ہے جب وہ شادی شدہ مرد کہلانے لگتا ہے---- اس نے یقیناً تمہیں تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہو گی جس کے بعد ہی اس نے یہ فیصلہ کیا ہو گا۔ اب اگر اسے یہ علم ہوا کہ تم نے محض اس لیے شادی نہیں کی تو اسے دکھ ہو گا---- خوشی نہیں ہو گی تمہیں اس کی خوشی کے لیے ہی خود کو خوش رکھنا چاہیے۔"

آنٹی! میرے لئے اس دنیا میں خدا تعالیٰ کی ذات کے بعد جو کچھ بھی ہیں آپ

ہیں---- میں نے آپ کے گھر میں نیا جنم لیا ہے---- میری زندگی کا آغاز اس روز سے ہوا جس روز میں نے ٹرین میں آپ سے ملاقات کی تھی---- اب میری زندگی پر میرے ایک ایک سانس پر اگر کسی کا حق ہے تو وہ آپ ہیں---- آپ جو بھی فیصلہ کریں گی میرے لیے دل و جان سے قابل قبول ہو گا"----

اس نے جواب دیا۔

"بیٹی اگر تم اجازت دو تو ہم تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ ہی رکھ لیں---- پہلے تم بیٹی تھیں پھر ہماری بہو بھی بن جاؤ گی----"

مسز خان کے اس فقرے نے عذرا کے دل و جان کے تار جھنجھا کر رکھ دیے تھے۔

"آنٹی---- میں نے خود کو کبھی اس قابل نہیں جانا---- انور صاحب تو بہت بڑے آدمی ہیں۔ میرے تصورات سے بڑھ کر عظیم الشان انسان ہیں---- آپ تو ٹاٹ میں مخمل کا پیوند لگانے جا رہی ہیں مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں کیا ہوں"----

اس نے شرما کر اور قدرے گھبرا کر بھی اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنا شروع کر دی تھیں۔

"بیٹی عظمت کی جن بلندیوں پر تم کھڑی ہو اس کا احساس شاید تمہیں نہیں ہے---- بہر حال میں نے ایک ماں کی حیثیت سے بہترین فیصلہ کیا ہے اور مجھے امید ہے تم اسے قبول کرو گی"----

مسز خان اس کے دل و دماغ میں چل رہی کشمکش سے آگاہ تھیں اور اب اسے مزید امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔

"جو آپ کا حکم ہو گا۔ مجھے منظور ہے۔

عذرا نے کہا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"جیتی رہو----"

مسز خان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

اگلے روز ہی انہوں نے یہ سوال اپنے بیٹے سے بھی کر دیا تھا اور اس کی مرضی دریافت کی تھی۔

"امی! آپ کو میری مرضی کا تو علم ہے---- یقیناً اس کو جان کر ہی آپ نے عذرا

سے بات کی ہو گی---- لیکن مجھے صرف یہ اطمینان چاہیے کہ اس نے یہ فیصلہ کسی اخلاقی دباؤ کے تحت تو نہیں کیا---- اس کی مکمل مرضی اس میں شامل ہے؟"

انور خان نے کہا۔

"بیٹا---- میں تمہاری ماں ہی نہیں۔ نفسیات کی طالب علم بھی ہوں۔ یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی اور میں نے اس اطمینان کے بعد ہی تم سے کہا ہے----"

مسز خان نے کہا۔

انور خان کے لیے تو یہ اندھے کو ملنے والی دو آنکھوں کا تحفہ تھا اس نے فوراً ہاں کر دی---- مسز خان نے اپنی رشتہ کی کچھ بھتیجیوں اور بھانجیوں کو اپنے ہاں بلانے کے بعد ہی بیاہ کی تیاریاں شروع کر دیں تھیں اور شادی سے کچھ روز پہلے عذرا کو اپنے بھائی کے گھر منتقل کر دیا تھا جو پولیس کے بڑے افسر تھے۔

عذرا کی ڈولی ان کے ہی گھر سے اٹھی----

ان لوگوں نے کسی بھی مرحلے پر عذرا کو اپنی دانست میں کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا اور ہر پل میں تاثر دیا کہ جیسے وہ ان میں سے ہی تھی۔ ان کی اپنی بیٹی تھی---- شادی کی وہ تمام رسوم جو شاید مسز خان اپنی سگی بیٹی کے لیے نہ کرتیں عذرا کے لیے ادا کی گئیں۔ اس شادی میں شہر کی چیدہ چیدہ شخصیات نے شرکت کی---- شہر کے بہترین ہوٹل میں تقریب کا اہتمام ہوا----

اس سارے کھیل میں سب سے زیادہ خوش میجر افراسیاب تھا جس نے بہر حال ایک چھوٹا سا جھوٹ بول کر عذرا اور اپنے بچپن کے دوست انور خان کی زندگیوں کو خوشیوں کا گہوارہ بنا دیا تھا----

ایک خلش سی عذرا کے دل میں ہمیشہ رہی کہ اگر عالم شیر کو اس کا علم ہو گیا تھا تو اس نے اب تک رابطہ کیوں نہیں کیا؟

اس کی خواہش تھی کہ عالم شیر کو بھی ایک خوشحال اور پرسکون زندگی بسر کرتے دیکھ سکے----

---

عالم شیر اور بشیر کو پاکستان آمد پر ایک مرتبہ پھر زندگی سے نبرد آزما ہونا پڑا----

میجر کیانی اور میجر درانی اپنی مدت ملازمت پوری کر کے فوج میں واپس جا چکے تھے---- نئے لوگوں سے ان کی آشنائی نہیں ہو سکی تھی----

دونوں اب اس قابل نہیں رہ گئے تھے کہ بھارتی سرحد عبور کر سکیں----

ان کے ہاتھوں جتنی اذیتیں "را" نے برداشت کی تھیں اس کے بعد سے تو ان کی تصاویر بھارت کے کونے کونے میں پہنچا دی گئی تھیں ان کے لیے بھارت کے کونے کونے میں جال بچھے تھے کہ جب یہ پنچھی آئیں اور اس میں پھنس جائیں۔

کمپیوٹروں نے ان کے چہروں پر تمام ممکنہ بناوٹوں کے ساتھ ان کی تصاویر تیار کر لی تھیں جو "را" کے ایجنٹوں کو دنیا بھر میں پہنچا دی گئی تھیں۔

دونوں کو اس بات کی امید ضرور تھی کہ ان کی سابقہ خدمات کے پیش نظر انہیں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ممکن امداد ضرور دی جائے گی۔

لیکن----

یہاں تو عالم ہی کچھ اور تھا----

انہیں مہلت تو کیا' الٹا ان سے یوں ناطہ توڑا گیا جیسے کبھی ان کا کوئی تعلق ہی ان داروں سے نہیں رہا تھا---- جمع پونجی اتنی نہیں تھی کہ وہ زندگی کی گاڑی کو آسانی سے کھینچ لیں----

اس روز جب دونوں نے اپنی' سابقہ خدمات کے عوض نوکریوں کی درخواست کی تو نہیں یہ کہہ کر کورا جواب دے دیا گیا کہ اس محکمے میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں' نہ ہی ہ لوگ قانونی طور پر اس کے پابند ہیں۔

گیتا نجلی کے متعلق عالم شیر کو صرف اس بات کا علم تھا کہ وہ کراچی میں رہتی ہے----

اس نے کبھی اس سے متعلق اس سے زیادہ جاننا بھی نہیں چاہا----

امریکہ سے واپسی پر اسے اپنے ذرائع سے اس بات کا علم ضرور ہو گیا تھا کہ اس نے ادی کر لی ہے اور یہ شادی بھی ان لوگوں کی روانگی کے بعد ہوئی تھی---- عالم شیر نے سے بھی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیا----

لیکن----

ایک بات کا تعلق اسے ضرور لگا تھا کہ ان لوگوں نے عالم شیر سے جھوٹ بولا۔ جو بات میجر افراسیاب نے گیتا نگلی سے کی تھی وہی بات میجر کیانی نے عالم شیر سے کہی تھی۔ گو کہ دونوں نے یہ کام کسی نیک جذبے سے کیا تھا۔

لیکن----

عالم شیر کے لیے اس بات کو ہضم کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

بشیر نے اس کے ساتھ یاری نبھائی اور خوب نبھائی----

ان حالات میں جب دونوں بری طرح ڈپریشن کا شکار تھے تو اس نے اپنے رشتہ داروں سے قرض پکڑ کر ایک مکافاتی علاقے میں دکان کر لی۔

یہ دکان تو کب چلتی۔ الٹا ان کے گلے کا ہار بن گئی۔

جس علاقے میں انہوں نے دکانداری کی تھی وہ سمگلروں کی گزرگاہ تھا۔ جہاں سے گزر کر سمگلر پھر شہر کی طرف آیا کرتے تھے۔ دکانداری کا دور دور تک اس دھندے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

لیکن----

دونوں اس بات سے آگاہ نہیں تھے کہ اس مرتبہ تقدیر نے ان کے ساتھ ایک اور کھیل کھیلنے کا فیصلہ کر لیا تھا---- ایک مرتبہ پھر وہ حالات کے ہاتھوں خزاں زدہ پتے بنتے جا رہے تھے۔

نور دین ان کا جیل کا ساتھی تھا----

نور دین نے زندگی میں کبھی بھول کر بھی سرحد عبور کرنے کا تصور نہیں کیا تھا۔ اس کی قسمت خراب کہ ایک مرتبہ وہ حساب کتاب کے چکر میں سرحد عبور کر ہی گیا اور پہلی غلطی پر ہی بی ایس ایف کے قابو آ گیا---- جیل میں اس کی ملاقات بشیر اور عالم شیر سے ہوئی تھی---- دونوں سے متعلق بڑی کہانیاں پہلے سے جیل میں گشت کر رہی تھیں نور دین نے بھی محسوس کیا تھا کہ وہ دونوں دلیر آدمی ہیں۔

نور دین کے بڑے یہی کام کرتے چلے آ رہے تھے۔

ان لوگوں کو عقل مند اور بہادر پانڈیوں کی ضرورت ہمیشہ سے رہی تھی۔ یہاں ان کی

بدقسمتی یہ تھی کہ اگر کوئی عقل مند مل جاتا تو وہ بہادر نہیں ہوتا تھا اور بہادر ایسے ملتے کہ عقل کی جگہ ان کے دماغ میں بھس بھرا ہوا ہوتا تھا----

نور دین جیل ہی میں تھا جب اسے دونوں کے دلیرانہ فرار کی داستان سننے کو ملی----

جیل کے درو دیوار ان کے فرار کے قصے کہانیوں سے نور دین کی رہائی تک گونجتے رہے---- ان کے فرار کی اب ایک تفصیل اخبار نے شائع کی تھی۔

لیکن----

جس طرح جیل میں اسے بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا تھا اس کے بعد سے ان کی حیثیت ہیروز کی سی ہو کر رہ گئی تھی----

نور دین بھی پرانا پاپی تھا----

اسے علم تھا کہ بھارت کی قید سے رہا ہونے کے بعد انٹیلی جنس کے لیے ان میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ جائے گی زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ اپنی مقامی ٹاؤٹ کی حیثیت میں قبول کر لیا جائے جبکہ نور دین ان دونوں کے ذریعے بہت کچھ کر سکتا تھا۔

ان کے پاس دماغ بھی تھا اور دلیری بھی----

بشیر کے متعلق تو وہ بخوبی جانتا تھا کہ وہ سرحد کا کیڑا ہے---- یوں بھی دونوں اس کے علاقے کے رہنے والے تھے اس لیے ان کے پولیس کی نظروں میں آنے کے امکانات بھی بہت کم تھے---- اس سے پہلے کہ نور دین ان سے تعلق بڑھاتا وہ فرار ہو گئے----

ان کے فرار ہونے کے، قریباً چھ سات ماہ بعد نور دین کو بھارتی جیل سے رہائی نصیب ہوئی اور وہ اپنے ملک واپس آ گیا تو یہاں پولیس نے اسے دھر لیا۔

لیکن----

وہاں کی پولیس سے نمٹنا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا----

پولیس نے نمٹنے کے بعد وہ ایک طرح سے تہی دست ہو کر رہ گیا تھا اب نوبت زمین بیچنے پر آنے لگی تھی۔

نور دین جس گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس کے اردگرد بہت سے لوگ اس دھندے سے اپنا پیٹ پال رہے تھے۔ بھارت میں گرفتاری سے پہلے وہ یہاں کے سمگلروں میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک . . تھا۔

لیکن----

واپسی پر تو دنیا ہی بدل چکی تھی----

اب وہاں کئی اور "نورے" پیدا ہو چکے تھے اردگرد کے دیہاتوں کے وہ پانڈی جو کبھی اسکا مال اٹھا کر سرحد عبور کرنا باعث فخر سمجھتے تھے اب اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کھسک جایا کرتے تھے کیونکہ انہیں دوسرے گاہک میسر آ گئے تھے جن کے ذریعے وہ ہزاروں روپے مہینہ کما رہے تھے۔

نور دین بڑا کایاں اور مکار سمگلر تھا۔

اس نے اپنے دشمنوں کو کبھی اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ ناکام ہو چکا ہے۔

اپنی روپوشی کا بھرم اس نے ہمیشہ قائم رکھا۔

آج بھی وہ جیپ لے کر دیہاتوں میں گھوما کرتا تھا----

نور دین نے بڑی سرگرمی سے بشیر کی تلاش شروع کر دی تھی۔ اس روز جب وہ اپنی گاڑی سے شہر کی طرف جا رہا تھا تو اس مضافاتی علاقے میں تھوڑی دیر کے لیے رک کر اسے کوئی چیز خریدنا تھی اور اسی چکر میں اس نے ان دونوں کو دیکھ لیا----

نور دین کے لیے اپنے جذبات پر قابو رکھنا ممکن نہیں رہا تھا وہ اس طرح بے قراری سے ان دونوں سے بغل گیر ہوا تھا کہ دونوں ہی حیران رہ گئے----

نور دین نے دکان کی حالت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کے معاشی حالات کیا ہوں گے----

"یار---- کس چکر میں پڑ گئے ہو---- تم جیسے جوان اور ذہین لوگوں کے لیے میدان خالی پڑا ہے۔ اور تم----

نور دین نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

نورے! تو نے تو اپنے ماضی کو فراموش کر دیا ہے۔ یہ زندگی جیسی بھی ہے ہمارے لیے ٹھیک ہے----" بشیر نے جواب دیا۔

نورے نے بھی زیادہ گفتگو اس مسئلے پر کرنا مناسب نہیں جانا اور انہیں اپنا ایڈریس بتا کر بھی ضرورت کے وقت یاد کر لینے کی درخواست کر کے واپس آ گیا۔

نور بڑا مکار اور شاطر آدمی تھا۔

وہ اپنا کام نکالنے کے ہزاروں ڈھنگ جانتا تھا اس نے چند منٹوں ہی میں ایسا منصوبہ تیار کر لیا تھا کہ دونوں پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آ گریں اور اب اس پر عمل کرنے جا رہا تھا۔

اگلے ہی روز اس نے مقامی تھانے کے سب انسپکٹر کو اپنے ہاں بلا لیا---- سب انسپکٹر کے لیے نور دین کی طرف سے بلاوا باعث مسرت تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وزیر کے گھر جا کر خالی ہاتھ واپس نہ لوٹے گا۔

ایسا ہی ہوا----

دوپہر کا کھانا دونوں نے اکٹھے کھایا اور روانگی پر نہ صرف اس کی کار کی ڈگی مختلف اشیاء سے بھری ہوئی تھی بلکہ نور دین نے اس کی جیب بھی گرم کر دی تھی۔

لیکن----

اس کے ساتھ ہی اسے ایک "مشن" بھی سونپا تھا جس پر سب انسپکٹر نے اگلے ہی دن سے کام شروع کر دیا۔

اس روز جب دونوں دکانداری میں مصروف تھے مقامی تھانے کے تین کانسٹیبل وہاں آ گئے۔

"چوہدری صاحب نے تمہیں تھانے بلایا ہے؟

انہوں نے پولیس کے مخصوص لہجے میں انہیں مطلع کیا۔

"لیکن کیوں؟"----

عالم شیر نے پوچھ ہی لیا۔

"اوئے دماغ خراب ہے تیرا----"

حوالدار نے جو مشکل ہی سے پرلے درجے کا بدمعاش دکھائی دے رہا تھا اسے موٹی سی لی دے کر جواب دیا۔

"زبان کو لگام دے اوئے---- تو مجھے نہیں جانتا تیرے جیسے----؟

عالم شیر کا خون جوش مارنے لگا کہ بشیر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔

"حوالدار صاحب ناراض نہ ہوں---- آخر ہمیں وجہ جاننے کا حق تو ہے یا

نہیں---- بشیر نے اپنی دانست میں بڑے نرم لہجے میں بات کی تھی۔

لیکن----

اس کی بات کا جواب گالیوں کی صورت میں موصول ہوا۔

اب عالم شیر کے لیے خود پر قابو کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ پولیس والوں سے ٹکرا گیا اچھا خاصا تماشا لگ گیا تھا۔ مارکیٹ کے لوگوں وہاں جمع ہو گئے۔ کسی مقامی ٹاؤٹ نے تھانے میں اطلاع پہنچا دی جہاں سے اپنے "جوانوں" کی مدد کے لیے مزید گارڈ بھیج دی گئی اور تھوڑی دیر بعد ہی دونوں کو سربازار ڈنڈے مارتے ہوئے پولیس والے تھانے لے گئے۔ یہ تماشا سب کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔

لیکن----

کسی کی مجال تھی کہ پولیس کے منہ لگتا----

"اوئے بدمعاش بنتے ہو---- سالا! ایک منٹ میں بدمعاشی نکال دوں گا----" سب انسپکٹر نے دونوں کو گالیاں دیتے ہوئے حوالات میں بند کر دیا۔

عالم شیر کے لیے یہ ذات ناقابل برداشت ہو رہی تھی اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ سب انسپکٹر کا گلہ اپنے ہاتھوں گھونٹ کر اسے مار ڈالے۔

بشیر اسے ٹھنڈے رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا لیکن عالم شیر کے لیے خود پر قابو پانا ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

حوالات میں پہلے سے دو ملزم بند تھے----

دونوں نے حوالات کی روایت کے مطابق ان کا خیر مقدم کیا اور پولیس والوں کو ان کے ساتھ مل کر گالیاں بھی دیں۔

تھوڑی دیر کے بعد جب دونوں کے گھر سے چائے کھانا وغیرہ آیا تو انہوں نے ضد کر کے عالم شیر اور بشیر کو اس میں شامل کیا----

"سالو! اب یہاں سمگلنگ کا دھندہ کر رہے ہو---- میں سب جانتا ہوں تمہارے متعلق---- ادھر قید کاٹ کر آئے ہو اور اب میرے علاقے میں غلط کام کر رہے ہو۔ تم نے میرا نام نہیں سنا۔ میں تو تمہاری رگوں سے خون نچوڑ لوں گا"----

سب انسپکٹر نے حوالات کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

"دیکھیے انسپکٹر صاحب---- آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے---- ٹھیک ہے ہم نے بھارت میں قید کاٹی ہے لیکن وہ کوئی اور مسئلہ تھا---- آپ کو----؟"

"تیری----"

انسپکٹر نے بشیر کی بات کاٹ کر اسے گالیاں دینا شروع کر دیں۔

"ہوش کر اوئے انسپکٹر---- زبان کو لگام دے---- جوان آدمی ہیں' جھوٹ نہیں بول رہے خبردار انہیں ایسے نہ سمجھ لینا----

"چوہدری صاحب---- آپ اس مسئلے میں نہ پڑیں---- آپ نہیں جانتے یہ بڑے خطرناک لوگ ہیں" دونوں نے محسوس کیا کہ حوالدار کے سامنے انسپکٹر دب کر بات کر رہا تھا۔

"یہ کوئی بھی ہیں---- اب گالی نہ دینا---- ورنہ تھانے کو آگ لگوا دوں گا---- تو جانتا ہے ہم مردوں کی قدر کرتے ہیں----"

حوالدار نے دھمکی آمیز لہجے میں انسپکٹر سے کہا۔

"دیکھ لوں گا تم سب کو----"

انسپکٹر یہ کہہ کر واپس چلا گیا۔

"سالا---- ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والا---- ہمیں دیکھے گا"----

حوالدارنی نے کہا۔

دونوں اس سے خاصے متاثر ہوئے تھے اس نے اپنا نام معراج دین بتایا تھا ابھی تعارف نامکمل تھا۔

"شکریہ بھائی صاحب"----

عالم شیر نے کہا۔

"کوئی بات نہیں یار---- میں تمہیں نہیں جانتا لیکن ہم بھی جوانوں کو پہچانتے ہیں---- چوہدری نورا آج شام تک مجھے یہاں سے نکلوالے گا---- میں حاضر ہوں کوئی بھی ضرورت ہو تو حکم کرو----"

اس نے کہا۔

چوہدری نورے کے نام پر دونوں چونکے اور جب معراج دین نے اس کا تعارف کروایا

تو انہیں علم ہوا کہ یہ تو نورے کا خاص آدمی ہے جسے پولیس والے قتل کے شبہ میں لے آئے تھے۔

لیکن---

چوہدری نورے نے دے دلا کر اسے پرچے سے خارج کروا دیا تھا اور آج اس کی ضمانت بھی ہو گئی تھی---

---

شام کو چوہدری نورا بھی آ گیا---

وہ سیدھا حوالات کے دروازے پر آیا تھا--- شاید اپنے بندے کو کوئی خبر دینا چاہتا تھا۔ انہوں نے پولیس والوں کو اس شخص پر نظر پڑتے ہی اسے سلام کرتے دیکھا۔ یوں دکھائی دیا تھا جیسے اس تھانے میں اس کا خاصا رعب چلتا ہے۔

"بشیرے تم یہاں--- عالم شیر تم--- خیر تو ہے---"

ان کی شکل پر نظر پڑتے ہی نور دین حیران رہ گیا۔

"نورے یار--- تیرے علاقے میں ہمارے ساتھ یہ سلوک ہونا تھا"---

بشیر نے شکوے کے انداز میں کہا۔

"یار خدا کی قسم مجھے علم نہیں--- کسی کی جرات ہے کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ کیا بات کیا ہوئی ہے۔

نورے نے حیرانگی برقرار رکھی ہوئی تھی۔

"کسی نے ان لوگوں کو ہمارے خلاف غلط رپورٹ کر دی ہے"---

عالم شیر نے کہا۔

"ارے بلا اوئے انسپکٹر کو---"

نورے نے وہاں ڈیوٹی پر موجود سنتری کو حکم دیا اور دوسرے ہی لمحے انسپکٹر وہاں موجود تھا۔

"حکم چوہدری صاحب--- خیر ہے---"

انسپکٹر خاصا سہا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"چوہدری نیاز--- ان دونوں کو میرے ضمانت پر اسی وقت رہا کر دے۔ اس میں تیرا

بھلا ہے---"

نورے نے کہا۔

"چوہدری صاحب--- بخدا میں مجبور ہوں--- ان کے خلاف اوپر سے حکم آیا ہے--- آپ جانتے ہیں کہ نیا ایس پی بڑا سخت آدمی ہے۔ اس نے مشتبہ کے خلاف مہم شروع کر رکھی ہے۔ میں مجبور ہوں"---

انسپکٹر نے عاجزی سے جواب دیا۔

نورے نے جواب دیا میں نے ایس پی کو گالیاں دیتے ہوئے اسے حکما" کہا تھا کہ وہ دونوں کو رہا کرے۔

"چوہدری صاحب میری پیٹی اتر جائے گی--- میرے بچوں کا خیال کریں"---

انسپکٹر نے پھر اپنی معذوری ظاہر کی۔

"بشیرے یار معاف کرنا--- مجھے ابھی علم ہوا ہے--- بہر حال تم صبح رہا ہو جاؤ گے۔ میں دیکھوں گا اس ایس پی کو--- معراج دین جوان میرے ہیں۔ ان کی قدر کرنا"---

اس نے اپنے آدمی سے کہا۔

"شکریہ نورے یار--- تو جانتا ہے ہم کبھی اتنے بے بس نہیں تھے۔ جتنے آج ہیں"---

بشیر نے کہا۔

"یار کیوں گھبرا گئے ہو--- تم نے تو انڈیا میں مردوں کی طرح جیل کاٹی ہے--- یہ تو اپنا ملک ہے--- اس نے بڑا نفسیاتی حملہ کیا تھا۔

"شاید ہمارے گھبرانے کی وجہ یہی ہے"---

عالم شیر نے جواب دیا۔

نورے کے کہنے پر انسپکٹر نے انہیں حوالات سے نکال لیا تھا اور اب دونوں انسپکٹر کے تھانے کی عمارت میں موجود کمرے میں بیٹھے تھے۔ رات تک نورا ان کے ساتھ رہا--- اس نے دونوں کے لیے گھر سے کھانا منگوایا تھا۔ رات انہوں نے انسپکٹر کے کمرے میں گزاری اور دوسرے دن دوپہر تک نورے نے انہیں رہائی دلا دی۔

نورے کے ڈرامے کا پہلا ایکٹ مکمل ہو گیا تھا----

نتائج اس کی توقع سے بڑھ کر اچھے بر آمد ہوئے تھے۔ دونوں کے خیالات بدلنے میں اسے کافی کامیابی نصیب ہو گئی تھی۔

اب دوسرا مرحلہ شروع ہوا جب دونوں اگلے روز اپنی دکان پر بیٹھے تھے تو مالک دکان نے ہاتھ باندھ کر ان سے درخواست کی کہ وہ دکان خالی کر دیں کیونکہ وہ تھانے والوں سے ماتھا نہیں لگا سکتا نہ ہی کسی جرائم پیشہ کو کرایہ دار رکھ سکتا ہے۔ مالک دکان کی حمایت کے لیے مارکیٹ کے باقی لوگ بھی موجود تھے----

دونوں کو ایک ہفتے کے اندر اندر دکان خالی کرنے کی وارننگ دے دی گئی۔

دوسرے ہی دن معراج دین وہاں پہنچ گیا۔ نورے نے اسے رہا کروایا تھا۔ اس نے دونوں سے کہا اگر وہ چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان سے دکان خالی نہیں کروا سکتی کیونکہ اس علاقے میں کسی کی مجال نہیں کہ چوہدری نورے سے ماتھا لگا سکے----

لیکن----

عالم شیر نے کچھ اور ہی فیصلہ کر لیا تھا----

حالات کی ستم ظریفی نے اس کے اندر موجود انتقام کی آگ کو بھڑکا دیا تھا۔ وہ شاید اپنے آپ سے ہی انتقام لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"عالمے---- نورا کوئی اچھا آدمی نہیں ہے"----

اس کے فیصلے پر بشیر نے کہا تھا۔

"اچھا---- پھر تم ہی کوئی اچھا آدمی ڈھونڈ نکالو---- تھانیدار اچھا آدمی ہے یا مالک دکان---- چلو ان کے ساتھ مل کر کچھ کر لیں----"

عالمے نے طنزیہ کہا اور بشیر نے گردن جھکا لی----

معراج دین کے ذریعے انہوں نے دکان اس مارکیٹ کے ایک دکاندار کے ہاتھ اونے پونے داموں فروخت کر دی اور نور دین کے ڈیرے پر پہنچ گئے۔

انہیں اپنے پاس دیکھ کر نور دین کے تن مردہ میں جیسے جان پیدا ہو گئی----

"جی آیاں نوں---- جی آیاں نوں"----

اس نے بانہیں پھیلا کر اس طرح دونوں کا استقبال کیا تھا جیسے ان کے بغیر مرا جا رہا ہو---- آٹھ دس روز نور دین نے انہیں اپنا مہمان رکھا۔ اس نے ان کی خاطر مدارت اپنے پیروں کی طرح کی---- کوئی کسران کی خدمت میں نہ اٹھا رکھی۔

ایک روز----

بالآخر عالم شیر نے خود ہی اس سے سیدھی بات کر لی۔

"عالمے! میں نے تمہیں شروع ہی میں کہا تھا کہ یہ کام تمہارے شایان شان نہیں---- کاش تم نے اس وقت میری بات مان لی ہوتی---- یار اگر یہ ممکن ہوتا تو میں بھی کوئی آڑھت کی دکان کر لیتا----"

نورے نے جواب دیا----

"نورے---- ہم کام کریں گے تو پانڈی کی حیثیت سے نہیں---- برابر کی حیثیت سے اگر تمہیں منظور ہو تو ہم تیار ہیں"----

اس مرتبہ بشیر نے کہا تھا----

نور دین کو غصہ تو بہت آیا لیکن اس کے لیے اس مسئلے سے نمٹنا بھی کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ فی الوقت اس نے ان کی ہاں کو ہی غنیمت جانا تھا اور باقی سب کچھ حالات پر چھوڑ دیا تھا۔

وہ دن بھی آ گیا جب ایک روز بشیر اور عالم شیر نورے کا مال لے کر سرحد کی طرف جا رہے تھے انہوں نے سرحد صرف ایک مرتبہ عبور کی تھی۔

اس کے بعد کبھی سرحد عبور نہ کی۔

اسی ایک پھیرے میں دونوں نے اپنے پرانے رابطے بحال کر لیے تھے۔ اس کے بعد انہوں جب بھی مال کا تبادلہ کیا سرحد پر "اٹ" لگا کر کیا۔ اسکا طریقہ بہت سیدھا تھا۔ سرحد پار والے اپنی سرحد کا "ناکہ" بھرتے تھے اور ادھر سے عالم شیر اور بشیرا "ناکہ" بھرتے تھے۔ دونوں سرحدی لکیر ایک دوسرے کے ہاتھ اپنے اپنے مال کا تبادلہ کر لیا کرتے تھے۔

نورے نے ان کے متعلق غلط اندازہ نہیں لگایا تھا۔ وہ دونوں سرحد کے کیڑے تھے۔

انہوں نے دنوں میں نورے کی قسمت بدل کر رکھ دی۔

نور دین نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ عالم شیر بشیر کی بات کا بہت احترام کرتا ہے اور اس کے کہنے پر وہ آدھے حصے کا "بھائی وال" بنا ہوا ہے----"

نورے کو اب یہ غلط فہمی بھی ہو گئی تھی کہ اب وہ ان کا محتاج نہیں رہا---- ڈیڑھ سال تک انہوں نے اکٹھے کام کیا۔ اس درمیان انہیں متعدد مرتبہ جیلوں کا منہ دیکھنا پڑا----

عالم شیر کو نورے نے بڑی ہوشیاری سے ہمیشہ ایک گینگ لیڈر کی حیثیت سے پیش کیا اب تک ان لوگوں کی مخالفین کے ساتھ جتنی لڑائیاں ہوئی تھیں ان میں سے کسی میں بھی عالم شیر یا بشیر نے حصہ نہیں لیا تھا۔

لیکن----

ایک سازش کے تحت اس نے ہر پرچے میں انہیں شامل کروایا تھا----

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ راتوں رات دونوں کی ضمانتیں کروا دیا کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کبھی ان مقدمات کی پرواہ نہیں کی تھی۔ یوں بھی وہ جس دنیا کے باسی بن گئے تھے وہاں ایسی باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی----

دونوں نے اپنے گھر اور رشتہ داروں کو زندگی کی تمام آسائشوں سے آشنا کر دیا تھا----

اس درمیان بشیر نے کئی مرتبہ عالم شیر سے کہا کہ اب وہ شادی کر لے اور اس دھندے سے علیحدہ ہو کر کسی گمنام مقام پر آرام کی زندگی بسر کرے۔

لیکن----

عالم شیر نے ہمیشہ اس کی اس بات کو ہنس کر ٹال دیا۔

وہ جانتا تھا کہ جس دلدل میں وہ اتر چکے ہیں۔ وہ آگے جانے پر گہری ہوتی جاتی ہے اور یہاں سے واپسی کا راستہ بھی کوئی نہیں رہا۔

جرم و سزا کی اس دنیا میں عالم شیر اتنا آگے نکل آیا تھا کہ اب اس کے نزدیک زندگی کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا تھا۔

گذشتہ کچھ دنوں سے بشیر کا تقاضا بڑھنے لگا تھا۔ وہ موقعہ بے موقعہ عالم شیر کو سمجھانے لگتا تھا کہ نور دین سے علیحدگی اختیار کر لے---- شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ نورا

دراصل انہیں استعمال کر کے اپنا الو سیدھا کر رہا ہے۔ اس کی نصیحتوں کو عالم شیر نے ہمیشہ کی طرف کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔

ایک روز اس نے کہہ ہی دیا۔

"بشیرے---- میں جانتا ہوں کہ گڈی اب بیانے لائق ہوئی ہے اور تمہارے جرائم کا اثر بچوں کی زندگیوں پر بھی پڑے گا---- بشیرے میں دل سے خدا کو حاضر ناظر جان کر کہہ رہا ہوں کہ مجھے کوئی گلہ نہیں ہو گا تم اس دھندے سے علیحدہ ہو جاؤ---- میں اب کہاں جاؤں گا---- زندگی جس راستے پر چل نکلی ہے اس سے باہر بھی میرے لیے موت کے سوا اور کیا باقی رہ گیا ہے----"

بشیر نے اسکی بات سن کر گردن جھکا لی تھی----"

میری زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ اس نے عالم شیر کی بات کی جواب ہاں یا نہ کے بجائے خاموشی سے دیا تھا۔

عالم شیر کی دلی خواہش تھی کہ بشیر اب اس بزنس سے علیحدگی اختیار کر لے۔ اس نے یہ زندگی محض عالم شیر کی دوستی میں اختیار کی تھی جس کے لیے وہ خود کو ہی ذمہ دار سمجھتا تھا۔

لیکن----

بشیر کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ عالم شیر اور اس نے جس مقصد یا انتقامی جذبے کے تحت اس میدان میں قدم رکھا تھا وہ مقاصد بھی حاصل ہو گئے اب وہ آرام سے باقی زندگی گزار سکتے ہیں۔

اس روز بھی جب دونوں نے سونے کی جیکٹیں پہن رکھی تھیں اور شام ڈھلنے پر سرحد کی طرف روانگی کی تیاری کر رہے تھے تو بشیرے نے اچانک ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک لیا۔

عالمے! یار آج میرا دل قابو میں نہیں---- مجھے نورے کی نیت میں کھوٹ لگتا ہے

"بشیرے! میں جانتا ہوں گڈی کی شادی کی تاریخ نزدیک آ گئی ہے۔ شاید احساس ذمہ داری نے تمہیں بزدل بنا دیا ہے---- میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی آج کے بعد کبھی سمگلنگ نہیں کروں گا۔ اس پھیرے سے ہمیں اتنی رقم مل

جائے گی کہ ساری زندگی اطمینان سے جی سکیں---- بشیرے اگر تم میری خاطر مجرمانہ زندگی اختیار کر سکتے ہو---- تو میں تمہارے لیے اس زندگی پر لعنت بھی بھیج سکتا ہوں---- عالم شیر جانتا تھا کہ بشیر کی بیٹی کی شادی ہونے والی ہے۔ اس مرحلے پر کوئی بھی باپ خصوصاً جو اس دھندے میں لگا ہو اس کے جذبات کیا ہو سکتے ہیں----

"ٹھیک ہے عالمے---- لیکن مجھے اس کی آنکھ میں سور کا بال دکھائی دیا ہے۔

بشیرے نے کہا اور عالم شیر ہنس دیا۔

دونوں معمول کے مطابق سرحد کی طرف اس اطمینان سے جا رہے تھے کیونکہ "ناکہ بھرا" ہوا تھا جب اچانک ہی یہ حادثہ پیش آیا۔

اچانک ہی ایک جگہ رینجرز نے انہیں "ہینڈز اپ" کروایا اور بشیر کو گولی مار دی۔ عالم شیر نے مرتے دم بشیر کے چہرے پر اذیت اور طنز کا جو تاثر دیکھا تھا اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اسے چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔

"اسے گرفتار کر کے تھانے میں لایا گیا تو عالم شیر نے پولیس کا منہ بند کروا دیا---- اس کے اپنے بھائی سے کہہ دیا تھا کہ بشیر کی بیٹی کی شادی بالکل ایسے ہی ہو جیسے وہ اپنی بہن کو بیاہ سکتے تھے۔ اس کی گرفتاری پر اخبارات نے طوفان اٹھا دیا تھا----

نورے نے جان لیا تھا کہ عالم شیر کو اس کی غداری کا احساس ہو گیا ہے اور اب وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا اس کی کوشش بھی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو عالم شیر کو بھی سزا دلوائے---- اتنی لمبی سزا کاٹ کر جب وہ جیل سے باہر آئے گا تو اس کا "پیچ" ہی مر گیا ہو گا اور وہ انتقام لینے کے قابل ہی نہیں رہ جائے گا۔

اس نے اخباری رپورٹروں کے ذریعے عالم شیر کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا تھا----

اس کی بھارت میں گرفتاری کے قصے بھی اخبارات کے ذریعے عوام تک پہنچ گئے تھے---- عالم شیر خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتا رہا----

بے بسی لیکن بڑی ہوشیاری سے اس نے اپنی جمع پونجی کا استعمال کیا---- اس نے ہر مرحلے پر تفتیش کرنے والوں کے منہ بند کرنے کا بندوبست کر رکھا تھا----

اس کی خواہش ایک ہی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہے چند دونوں کے لیے ہی سہی یہاں سے باہر نکلو اور اپنے دوست کی بے چین روح کو پرسکون کرنے کے لیے نورے کو اس

کے انجام تک پہنچا دے۔

اس روز جب اسے علم ہوا کہ اس کا چالان حیدر آباد لے جایا جا رہا ہے اور گارڈ اسے لینے آ رہے ہیں تو اس نے یہ منصوبہ تیار کر لیا تھا اور اپنی جان پر کھیل کر اس پر عمل بھی کر لیا----

---

کیسی زمین نے عالم شیر کے وجود کو آغوش مارو کی طرف جھپٹا تھا----!

وہ دیوانہ وار ایک طرف بھاگا اور بھاگتا چلا گیا----

اس کے لیے فاصلے سمٹ گئے تھے----

گرفتاری کا خوف دور دور تک اس کے ذہن میں نہیں تھا----

تمام جذبات پر ایک ہی جذبہ غالب تھا----

انتقام کا جذبہ----

اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ زیادتی کی تھی جب راہ چلتے ایک غریب دیہاتی سے زبردستی اس کی چادر چھین لی تھی اس کی جیب سے اتنے پیسے نکال لیے تھے جن سے وہ ٹیلی فون کی سہولت حاصل کر سکتا----

ابھی اس ملک میں درجنوں ایسے لوگ موجود تھے جو اس کے لیے اپنی جان سے گزر سکتے تھے کیونکہ اس نے دوران تفتیش ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا تھا---- اپنی جان پر سارا عذاب جھیل کر اس نے اپنے کسی ہم پیشہ کو اس کیس میں ملوث ہونے سے بچایا تھا---- اس نے تو نور دین کا نام بھی نہیں لیا تھا----

لیکن----

نور دین بچہ نہیں تھا----

وہ جانتا تھا کہ اسے عالم شیر نے کس دن کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اس نے دنیا دیکھی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ اندازے کی غلطی کا شکار ہوا تھا اس نے سمجھا تھا بشیرے کو مروا کر عالمے سے ڈیل کر لے گا اس طرح کم از کم ایک حصے دار تو کم ہو گا اور وہ منافع جو تین ہاتھوں میں تقسیم ہوتا تھا دو ہاتھوں تک سمٹ جائے گا۔ یہ تو اس کے گمان ہی میں نہیں تھا کہ عالما جرم کی دنیا میں ضرور آ گیا تھا۔

لیکن----

ابھی وہ ذہنی طور پر مجرم نہیں بنا تھا---- اس نے ابھی تک اپنے اندر موجود انسانیت کو زندہ رکھا تھا---- یہ تو ایک حادثہ تھا جو اسے اس دنیا میں لے آیا اور بس----

اس کی ساری زندگی حادثات سے بھری پڑی تھی--- پیدائش سے آج تک اس نے وہ کچھ دیکھ اور برداشت کر لیا تھا جو کوئی ہزار جنم لینے پر بھی نہ دیکھ سکے نہ برداشت کر سکے----

وہ تو حادثات کی بھٹی میں پک کر کندن ہو چکا تھا۔

اس چھوٹے سے قصبے کے ٹیلی فون آفس تک پہنچنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی شاید ابھی تک کسی کو یہاں اس کے فرار کی اطلاع نہیں ملی تھی----

ہتھکڑی سے اس نے زمین پر گرنے کے چند منٹ بعد ہی نجات حاصل کر لی تھی۔ یہ اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس نے اپنے شہر میں ٹیلی فون کر کے کس کو اطلاع دی تھی اور وہ جگہ بتائی تھی جہاں وہ اگلے چند گھنٹوں تک قیام کر سکتا تھا----

---

عالم شیر کے فون کرنے کے بمشکل چار پانچ گھنٹے بعد ایک کار اس کے استقبال کے لیے پہنچ گئی تھی---- اس کار کے ذریعے اس نے اپنی زندگی کا سب سے مختصر لیکن بہت طویل اور جان لیوا سفر کاٹا تھا----

وہ ایک ایک لمحہ جو اس نے آزاد رہ کر گزارا تھا اس کے خون میں انگارے بن کر دوڑتا رہا----

وہ پر لگا کر بھیکوال پہنچ جانا چاہتا تھا----

ابھی تک نورے کو اس کے فرار کی خبر نہیں ہوئی تھی وہ اسے بے خبری میں پکڑنا چاہتا تھا۔ اگر نورا ہوشیار ہو جاتا تو شاید یہ کبھی اس کے ہاتھ نہ لگتا----

اپنے فرار کے بمشکل پندرہ بیس گھنٹے بعد ہی عالم شیر نے اسے جا لیا----!

یہ تمام عرصہ اس نے غنودگی کے عالم میں گزارا تھا---- وہ کاریں بدل بدل کر سفر کرتا ہوا نورے کے شیر والے جنگلے تک پہنچا تھا اس درمیان اگر اسے کار میں اونگھ آ گئی ہو تو اس کے اختیار میں نہیں تھا ورنہ اس نے پلک جھپک کر نہیں دیکھا تھا۔

نور دین شہر کے پر آسائش بنگلے کی خواب گاہ میں اپنی نوبیاہتا بیوی کے ساتھ خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا جب موت نے اس کے دروازے پر دستک دی----

"تم----"

اس کی آنکھیں دہشت اور حیرانگی سے پھٹ رہی تھیں۔

ابھی تک اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہے یا سچائی اس کے سامنے موت کا روپ دھارے کھڑی ہے----

"ہاں---- میں---- کیوں تم گھبرا کیوں گئے۔ کیا مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا----

عالم شیر نے گن اس کی طرف سیدھی کرتے ہوئے کہا----

"مم میرا----"

موت کے خوف نے اس کی زبان تنگ کر دی تھی۔

اس کی نوبیاہتا شاید چند روز پہلے ہی وہ کسی بازار حسن سے خرید کر لایا تھا اس منظر کی تاب نہ لا کر اپنے حواس ہی کھو بیٹھی تھی۔

"نورے---- تو نے کیسے سوچ لیا کہ تو بشیرے کو مروا کر زندہ بچ جائے گا---- بزدل، ذلیل، کمینے تو جانتا تھا کہ میرے جیتے جی ایسا ممکن نہیں---- مجھے مروا دیتا تو اور بات تھی---- نورے میرا زندہ رہ جانا ہی اس بات کا ثبوت تھا کہ نورا زندہ نہیں بچے گا----"

عالم شیر کی آواز میں اور کڑک رہی تھی۔

"مم---- مجھے معاف کر دے عالے---- میرا دماغ خراب ہو گیا تھا---- میں پاگل ہو گیا تھا"---- نورے نے چاہا کہ اس کے قدموں میں گر کر معافی مانگے۔

لیکن----

عالم شیر نے ایک قدم پیچھے ہو کر اسکی کمر میں اتنی زور سے لات ماری تھی کہ وہ سامنے دیوار سے جا لگا----

"کتا پاگل ہو جائے تو اسے زندہ چھوڑنے سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے نورے"

اس نے نورے کی اگلی بات سننے سے پہلے کلاشنکوف کی پوری میگزین اس کے جسم پر خالی کر دی----

بوڑھے نورے کی جوان بیوی بہت پہلے سے ہی بے ہوش ہو چکی تھی۔ اگر وہ یہ منظر دیکھ لیتی تو یہ دہشت سے مرجاتی۔

عالم شیر کو یوں لگا جیسے اس کے سر پر پڑا منوں بوجھ اتر گیا ہے----"

وہ اطمینان سے چلتا ہوا اس کار تک آیا جو اسے یہاں لائی تھی۔ اب اسے موت کی کوئی پرواہ نہیں تھی----

"کمالے---- مجھے حیدر آباد پہنچا دو----"

اس نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور پچھلی سیٹ پر لیٹ گیا----

"عالم شیر---- کسی بھی ملک میں زار کا بندوبست موجود رہے---- تو حکم کر---- تیری ہوا کی طرف کوئی نہیں دیکھے گا"----

کمالے نے جو گاڑی چلا رہا تھا کہا----

"نہیں کمالے---- اب میں یہ جنگ جاری نہیں رکھ سکتا---- تمہاری مدد کا بہت شکریہ"---- اس نے سیٹ پر لیٹے ہوئے کہا۔

حوالدار اللہ وسایا سر جھکائے تھانے کے صحن میں چارپائی پر بیٹھا حقہ کے کش لگا رہا تھا جب اچانک اسے اس حیرت سے دوچار ہونا پڑا----

عالما ڈکیت اس کے سامنے کھڑا تھا----

"حوالدار صاحب! مجھے افسوس ہے آپ کو ایک رات کے لیے مجھ سے الگ رہنا پڑا---- اگر آپ نے ابھی تک رپورٹ نہیں کی تو میری گنتی گزرے کل میں ڈال لیجئے یا جیسے آپ کی مرضی---- آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میری آپ سے کوئی دشمنی نہیں---- مجھے چند گھنٹے کی مہلت ہر حال میں چاہئے تھی---- یہ رہی آپ کی سرکاری ہتھکڑی----"

اس نے ہتھکڑی اللہ وسایا کی طرف بڑھا دی۔

حوالدار اللہ وسایا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے----

ایسا فلموں میں ہوا کرتا ہے۔ عملی زندگی میں وہ یہ پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ اس نے عالم شیر سے متعلق جو رائے قائم کی تھی وہ بالکل صحیح

تھی----

وہ ڈکیت نہیں ہو سکتا۔ حالات کی ستم ظریفی کا شکار ضرور ہوا ہو گا----

عالم شیر کو اچانک وہاں دیکھ کر دو سپاہی اس کی طرف شاید مارنے کے ارادے سے بڑھے تھے جب اچانک حوالدار اللہ وسایا تن کر کھڑا ہو گیا۔

"خبردار---- اگر کسی نے اسے چھو کر بھی دیکھا"----

اس نے سپاہیوں کو ڈانٹ دیا----

"عالمے میرے ساتھ آؤ"----

اس نے عالمے کا ہاتھ پکڑا اور سیدھا ایس ایچ او کے کمرے میں چلا گیا----

"سر"

اس نے ایڑیاں بجا کر سلوٹ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ عالم شیر ہے---- پولیس کے کاغذات کا عالما ڈکیت جو میری حراست سے پرسوں بھاگ نکلا تھا---- لیکن میں اس کے خلاف اپنے تمام الزامات واپس لیتا ہوں---- میں اس کی عظمت کو سلام کرتا ہوں---- آپ کا ملزم حاضر ہے---- خدا نے میری عزت رکھ لی---- ریٹائرمنٹ سے پہلے یہ صدمہ شاید میں برداشت نہ کر پاتا----

تھانیدار نے حیرانگی سے یہ منظر دیکھا اور خاموشی سے گردن جھکا لی----

عالم شیر کو انہوں نے حوالات میں بند کر دیا----

تھانیدار اور حوالدار کے درمیان کیا طے پایا---- اسے کچھ خبر نہیں تھی---- شام کو تھانے کی عمارت فوٹو گرافروں اور اخباری رپورٹروں سے بھر گئی تھی---- حوالدار اللہ وسایا بیان دے رہا تھا کہ شدید بارش اور طوفانی رات میں جب وہ ملزم عالم شیر کے ساتھ گاڑی کے باتھ روم کی طرف جا رہا تھا تو کسی مسافر کی غلطی سے دروازہ کھل گیا اور عالم شیر جو دروازے کے نزدیک کھڑا تھا نیچے جا گرا---- اس کے ہاتھ میں پکڑا ہتھکڑی کا سرا جھٹکا لگنے سے چھوٹ گیا----

گاڑی رکنے میں تاخیر اور طوفانی رات کے سبب وہ عالم شیر کو تلاش نہ کر سکے انہوں نے یہی سمجھا کہ ملزم فرار ہو گیا ہے لیکن ملزم فرار نہیں ہوا تھا---- یہ اس کی شرافت ہے کہ وہ آج صبح خود ہی تھانے میں پیش ہو گیا---- ملزم کا بیان تھا کہ اچانک گرنے سے اسکے

سر میں چوٹ آئی اور وہ حواس باختہ ہو گیا--- رات اس نے وہیں بسر کی اور دوپہر کے بعد جب چلنے کے قابل ہوا تو کسی کی منت سماجت کر کے کرایہ لے کر بسوں کے ذریعے سفر کرتا یہاں پہنچ گیا ہے---

اخبار نویسوں کے لیے یہ کہانی "فرنٹ پیج سٹوری" تھی--- انہوں نے اسے حاشیے لگا لگا کر شائع کیا---

عالم شیر نے وہی کہانی دھرائی جو اسے اللہ وسایا نے سمجھائی تھی---

نورے کے قتل کا مقدمہ نامعلوم حملہ آور کے خلاف اس کے نوکروں نے درج کروا دیا جن کے منہ کمالے نے بند کر دیئے تھے---

---

عذرا نے معمول کے مطابق ہی اخبار اٹھایا تھا---

انور خان کی روانگی کے بعد وہ ننھے عاطف خان سے فارغ ہو کر اخبار پڑھا کرتی تھی پہلے صفحے پر ہی اس کی نظریں جم کر رہ گئیں--- اخبار اس کے ہاتھ سے ایک مرتبہ تو گر ہی چکا تھا---

"عالمے--- نہیں عالمے--- یہ تم نہیں ہو سکتے تم ایسا نہیں کر سکتے--- تم ایسے نہیں ہو--- جانے وہ کیا کیا بڑبڑاتی رہی یہ دیکھے بغیر کہ مسز خان اس کے سرہانے کھڑی حیرانگی سے اسے دیکھ رہی ہے۔

"کیا ہوا بیٹی---"

انہوں نے عذرا کے چہرے کی بدلتی رنگت کو پریشانی سے دیکھا۔

"امی--- یہ--- یہ---"

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

مسز خان نے اخبار اٹھایا تو انہیں ساری بات کی سمجھ آ گئی--- انہوں نے اخبار ایک طرف رکھا اور اسکے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے مطمئن رہنے کی تلقین کر کے کالج چلی گئیں---

---

عالم شیر جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل میں آ گیا تھا---

یہ اس کا جیل میں دوسرا دن تھا جب ڈپٹی جیلر نے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا جہاں اس شہر کا سب سے بڑا وکیل بیرسٹر انور خان اور اس کی بیوی عذرا انور خان اس سے ملنے آئے تھے---

"عالمے--- تم---"

عذرا کے منہ سے اس سے آگے کچھ نہیں نکل سکا--- اس کی آنکھوں نے عالم شیر کو بہت کچھ بتا اور سمجھا دیا تھا۔

"میرا نام انور خان ہے--- میرا آپ سے غائبانہ تعارف بہت پہلے سے ہے--- مجھے آپ سے صرف ایک گلہ ہے کہ آپ نے یہ جاننے کے باوجود عذرا کہاں ہے ہم سے کبھی رابطہ نہیں کیا--- نہ ہی ہمیں اپنے ایڈریس سے آگاہ کیا---"

انور خان نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"خان صاحب! میں اس قابل ہی کہاں ہوں کہ آپ کا سامنا کر سکتا---"

عالم شیر نے کہا اور گردن جھکا لی---

"عالمے--- میں نے سرحد پر تمہارے ساتھ ایمان کا رشتہ قائم کیا تھا--- تم نے مجھے کلمہ پڑھایا--- میری حفاظت کی ہے نیا جنم دیا--- تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یہ رشتہ کبھی ٹوٹ سکتا ہے--- کبھی نہیں--- تم نے ہمارے ساتھ ظلم کیا---"

عذرا نے روہانسی آواز سے کہا۔

"ہاں عذرا اور اس ظلم کی سزا بھی تو میں ہی بھگت رہا ہوں"---

عالم شیر نے زخمی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

"نہیں عالم بھائی--- میں ہوں نا--- میں لڑوں گا آپ کا کیس--- آپ تو ہمارے ہیرو ہیں ہمارے گھر کے فرد--- آپ عذرا کو عزیز ہیں اور ہر وہ حوالہ جس کی کوئی بھی نسبت عذرا سے بنتی ہو میرے لیے واجب الاحترام ہے--- آپ کے بیوی بچے کیسے ہیں اور کہاں ہیں---؟"

انور خان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میرے بیوی بچے--- میں نے تو شادی نہیں کی"---

عالم شیر نے جواب دیا انور خان کو یوں لگا جیسے کسی نے اچانک اس کے دل میں بھالا

اتار دیا ہو---- اسے سمجھ آ گئی کہ میجر افراسیاب نے جھوٹ بولا تھا۔ شاید اس کی خوشی کے لیے عذرا کی گردن بھی جھک گئی تھی----

"عالے---- میرے بھائی تم بے فکر رہنا---- تمہاری بہن ابھی زندہ ہے---- میں تمہارے لیے ساری دنیا سے ٹکرا جاؤں گا----

عذرا نے اپنی آنکھوں میں ٹکے آنسوؤں کو بڑے جبر سے سنبھال رکھا تھا۔

"میں بھی---- ہم دونوں----"

انور خان نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا----

"بشیرا بھائی کہاں ہے""؟

اچانک ہی عذرا نے پوچھ لیا۔

"عذرا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا---- کاش! تم اس کی زندگی میں اس سے مل ہوتیں---- ہم دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے کے ساتھ غداری ضرور کی ہے---- شاید اس لیے مجھے اکیلا چھوڑ گیا---- میں نے تو یہ کبھی نہیں چاہا تھا----

عالم شیر کے آنسو بے اختیار اس کے گالوں پر بہنے لگے تھے۔

عذرا کے لیے بھی خود پر ضبط کرنا مشکل ہو گیا تھا----

اس نے بمشکل خود پر قابو پایا---- بشیر کے لیے سب نے مل کر فاتحہ کہی اور کافی دیر بعد وہ بوجھل دل سے جیل سے باہر آ گئے----

دونوں گھر پہنچنے تک خاموش رہے----

"انور صاحب! میں جانتی ہوں آپ کے دل پر جو بوجھ اچانک آن پڑا ہے۔ شاید آپ کو میجر افراسیاب کی بات نے پریشان کیا---- لیکن میں آپ کو بتا دوں مجھے اس روز علم تھا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں---- آپ زندگی میں کبھی یہ بوجھ اپنے دل پر نہ رکھیئے کہ میں نے آپ سے اس لیے شادی کی کہ عالم شیر شادی کر چکا تھا---- مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں پتا"---- اس نے گھر پہنچنے پر کہا۔

"عذرا تم میرے تصورات سے بڑھ کر عظیم ہو---- اور عالم شیر کے لیے میرے دل میں کتنا احترام ہے شاید تم اس کا اندازہ نہ کر پاؤ---- عذرا میں نے اسے دل سے اپنا بھائی تسلیم کیا ہے اس کا کیس ایک وکیل کی نہیں بھائی کی حیثیت سے لڑوں گا----

اس نے پرعزم لہجے میں کہا۔

وقت پر لگا کر اڑا----

تین سال کیسے بیت گئے عالم شیر کو احساس ہی نہ ہو سکا----

انور خان نے اس کا تبادلہ کراچی جیل میں کروا لیا تھا۔ ہر دوسرے تیسرے روز عذرا یا خان فیملی کا کوئی فرد اس کی ملاقات کو آتا رہا----

تین سال بعد جب وہ جیل سے رہا ہوا تو اس کے استقبال کیلئے بشیر کی بیٹی گڈی اس کا خاوند نذیر اور عالم شیر کے بہن بھائی ہی نہیں تھے خان فیملی بھی موجود تھی سب سے پہلے اس کے گلے کا ہار بننے والا ننھا عاطف خان تھا----!!